سہ ماہی مجلہ بحث ونظر حیدرآباد

شمارہ نمبر: ۱۰۴-۱۰۶ / ۴—۶	اپریل ۲۰۱۶ء - دسمبر ۲۰۱۶ء	جمادی الآخر ۱۴۳۷ھ - ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

زرِ تعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ: 40 روپے

سالانہ: 150، بذریعہ رجسٹری: 200

سہ سالہ: 450، بذریعہ رجسٹری: 550

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ: 20 امریکی ڈالر

یورپ، امریکہ، افریقہ کے لئے :

سالانہ: 30 امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd. A.P 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک / ڈرافٹ پر صرف: "Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: محمد نصیر عالم سبیلی "العالم" اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر: 9959897621 91+

فہرست مضامین

● افتتاحیہ	مدیر	۳
◆ پیغمبر اسلام ﷺ اور ویدیں	جناب عبداللہ طارق	۴
◆ پیغمبر اسلام ﷺ اور گیتا	جناب عبدالرشید آگوان	۲۵
◆ پیغمبر اسلام ﷺ اور بدھ مت	جناب سید مقصود	۳۹
◆ پیغمبر اسلام ﷺ اور بائبل	مولانا اقبال احمد انجینئر	۵۳
◆ پیغمبر اسلام ﷺ - ہندوستان کے غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	مولانا محمد رضی الاسلام ندوی	۷۱
◆ محسن انسانیت ﷺ کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراجِ عقیدت	مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی	۸۲
◆ نبی اکرم ﷺ کی امن پسندی اور مستشرقین کا اعتراف	مولانا سہیل اختر ندوی	۹۱
◆ پیغمبر اسلام ﷺ اور غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی	ڈاکٹر راہی فدائی باقوی	۱۰۵
◆ اقلیتوں کے حقوق — سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں!	مولانا سید احمد ومیض ندوی	۱۱۸
◆ مسلم اقلیت اور اُسوۂ نبوی ﷺ	مولانا شکیب احمد قاسمی	۱۲۹
◆ بنیادی انسانی حقوق اور خطبہ حجۃ الوداع	مولانا محمد عبدالقوی صاحب	۱۴۰
◆ ماحولیات کا تحفظ اور اُسوۂ نبوی ﷺ	ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی	۱۴۹
◆ تقسیم دولت اور اُسوۂ نبوی ﷺ	مولانا تنظیم عالم قاسمی	۱۶۱
◆ تعمیر انسانیت اور اُسوۂ نبوی ﷺ	مولانا عبدالباسط ندوی	۱۷۳
◆ ٹکنالوجی کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ	ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی	۱۹۱
◆ تعلیم اور اُسوۂ نبوی ﷺ	مولانا رفیع الدین رشادی	۱۹۷
● چند تاثرات	مختلف اہل علم کے قلم سے	۲۰۹

● ● ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

فروری ۲۰۱۶ء میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے احاطہ میں بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار منعقد ہوا، اس سیمینار کے لئے جو عناوین مقرر کئے گئے، ان میں پانچ اُمور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا :

(۱) سیرت نبوی ﷺ کی انسانیت نوازی کے پہلو کو پیش کرنا۔

(۲) اس دور میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں، ان کے بارے میں آپ ﷺ کی زریں ہدایات اور انسانیت کے لئے مفید تعلیمات کو واضح کرنا۔

(۳) آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں گذشتہ مذہبی کتابوں میں جو شہادتیں ملتی ہیں، ان کو سامنے لانا؛ تاکہ دعوتی کام میں ان سے فائدہ اُٹھایا جاسکے۔

(۴) پیغمبر اسلام ﷺ کے رہبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے 'اقوام عالم کی نمائندہ شخصیتوں نے جو کچھ کہا ہے' اسے پیش کرنا۔

(۵) اعداءِ حق نے سیرتِ طیبہ پر جو غبار ڈالنے کی جو بے جا کوشش کی ہے اور جس کو آج سوشل میڈیا پر پھیلایا جا رہا ہے، علم وتحقیق کی روشنی میں اس کا جواب دینا۔

بحمد اللہ اس تین روزہ سیمینار میں ان تمام پہلوؤں کے اہم عنوانات کا احاطہ کیا گیا، سیمینار میں جو مقالات پیش ہوئے، ان میں پیغمبر اسلام ﷺ پر بے جا اعتراضات سے متعلق مضامین 'مجلہ بحث ونظر' کے گذشتہ شمارہ (جولائی ۲۰۱۵ء — مارچ ۲۰۱۶ء) میں شائع کیا جاچکا ہے، اصحابِ علم اور اربابِ ذوق نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور عوام وخواص دونوں حلقوں میں اسے پذیرائی حاصل ہوئی، اب یہ شمارہ سیمینار کے دوسرے موضوعات سے متعلق مقالات پر مشتمل ہے، اُمید ہے کہ اس کا بھی قارئین کی طرف سے استقبال کیا جائے گا۔

یہ ایک گنہگار، کوتاہ عمل اور متاعِ آخرت سے تہی دامن غلام کا اپنے آقا کی بارگاہ میں نذرانۂ محبت ہے، کاش کہ اسے ان کی بارگاہ میں قبولیت حاصل ہوجائے اور وہ حشر کے میدان میں صرف اتنا فرمادیں کہ لاکھ گنہگار سہی، مگر یہ میرے غلاموں میں شامل ہے :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ، ۶؍ فروری ۲۰۱۷ء　　**خالد سیف اللہ رحمانی**

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ویدیں

جناب سید عبداللہ طارق ◆

رسولِ میثاق

۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ کو دنیا میں ایک قیامت صغریٰ برپا ہوئی جس کا Epicenter (نکتۂ ارتکاز) مدینہ میں تھا، ۱۳ سال قبل جس نور سے مدینہ منور ہوا تھا، اس کو لانے والے پیغام بر کے پاس رفیق الاعلیٰ کا پیغامِ واپسی آ گیا تھا، اس کے کتنے ہی رفقائے گیتی کو محسوس ہوا کہ سورج غروب ہو گیا؛ لیکن وہ سراج منیر جس کے طلوع کا مژدہ سبھی ماہتابِ رسالت دیتے چلے آئے تھے، غروب ہونے کے لئے طلوع نہیں ہوا تھا، وہ نظروں سے اوجھل ضرور ہوا؛ لیکن جس نور کی تکمیل اس کے ذریعہ ہوئی، اس کے لئے زوال نہیں ہے۔

رسالت کا جو سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر پر پورا ہوا، وہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے، یہ بڑا حسین راز ہے کہ رسول آتے رہے، جاتے رہے؛ لیکن آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد بھی رسالت جاری ہے، رسول بہت ہوئے لیکن رسالت ایک تھی، ایک ہے، وحدت کے دین میں اُلوہیت بھی واحد، آخری یومیت، اصل قیامت و آخرت بھی واحد اور رسالت بھی واحد، وہ ہم سے کہہ گئے کہ علّاتی بھائیوں میں سے کسی کو کسی سے افضل نہ کہنا، یہ قانونی بات ہے، ہم جلی لفظوں میں نہیں کہیں گے؛ لیکن انھوں نے ہمیں اس کا پابند تو نہیں کیا تھا کہ سب سے محبت بھی برابر کی رکھنا، یہ قلوب کے معاملات ہیں، خلیل اللہ، کلیم اللہ اور صاحبِ قُم باذن اللہ کی جداگانہ فضیلتیں مسلّم؛ لیکن ربّ العزت نے تو خود ہی فرما دیا کہ ان سبھی سے اس نے کسی ایک پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا میثاق لیا تھا اور اس میثاق پر خود شاہد ہو گیا تھا۔(۱)

جس پر سبھی انبیاء و رسل ایمان لائے، اس کی نصرت ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے آغازِ نبوت و رسالت سے ہی شروع کر دی تھی، سب نے اپنی اپنی اُمتوں سے اس رسول پر پیشگی ایمان لانے کو کہا، جو ابھی غیب

◆ داعیٔ اسلام، رام پور، یوپی۔

(۱) آل عمران: ۸۱۔

میں تھا اور نبی آخر پر ایمان کے ساتھ ہی تمام گزشتہ مومنین کا تمام نبیوں میں ایمان مکمل ہو گیا، ان انبیا پر بھی جنھیں ابھی آنا تھا، میرے رب کی حکمتیں بے مثل ہیں، آنے والے تمام انبیا کے نام گزشتہ اُمتوں کے مومنین کو تو کیا بتائے جاتے، ہمیں بھی نہیں معلوم، الحکیم نے اپنے نبیوں کے ذریعہ ہر دور کے مومنین سے اس پر ایمان لانے کو کہا، جس پر ایمان لانے کا مطلب سب نبیوں پر ایمان ہے، اس ایک کی پہچان ہر دور میں لازم ہوگئی، ہر رسول کی کتاب میں اس کا تذکرہ آ گیا، رسولِ اوّل کے صحائف میں بھی۔

وید میں تلاش کی ضرورت؟

میں وید میں تذکرۂ رسولِ آخر ﷺ کیوں تحریر کروں؟ اَیرے غیرے اپنی کتابوں میں کچھ بھی لکھتے چلے آئے ہوں، اس سے مجھے کیا مطلب؟ احتیاط کا تقاضہ ہے کہ ہم ویدوں کو جلی حروف میں اوّلین کلامِ الٰہی نہ لکھیں، یہ قانونی بات ہے، مجھے میرے رب کا فرمان ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روزِ آخر تک سبھی صحائف پبلش یا براڈ کاسٹ ہو جائیں گے: ''وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' یہ الٰہی بات ہے، اوران میں سے بیشتر آئندہ آنے والے دور میں سامنے آ جائیں گے، یہ محض ظنی نہیں، سائنسی بات ہوسکتی ہے، سائنس ظن سے ابتدا کر کے حقیقت کا ادراک کرتی ہے، جب انسان وقت کی سرحد(Time Barrier) کو پار کرلے گا تو ماضی کی ہر چیز اور ہر بات اس کی نظروں میں آجائے گی، یہ سرحد کیسے پار ہوگی اس کا اُصول دریافت ہو چکا ہے، ابھی آلہ ایجاد ہونا باقی ہے، کن کن صحائف سے کس کس نے کیا کیا چھیڑ چھاڑ کی، انسان شاید اس سب کو دیکھ لے گا؛ لیکن پردۂ غیب میں گم ہوجانے والے ماضی کے شہادت بننے سے قبل بھی کچھ صحائف منظر عام پر آنے لگے ہیں، یہ تحقیقی بات ہے۔

قرآنِ طاہر ومطہر نے تو صاف الفاظ میں صرف توریت وانجیل کے بارے میں فرمایا کہ ان میں رسولِ آخر ﷺ کا تذکرہ آج بھی درج ہے، اہلِ علم وتحقیق موجودہ زبور میں بھی بشارتِ رسول ﷺ کھنگال لائے، یہ تو ہر عیب سے منزہ آخری کلامِ الٰہی نے ہم سے کہا ہی تھا کہ جب لوگ رسولِ قرآن کی حقانیت کا ثبوت طلب کریں تو کہہ دینا کہ ثبوت یہ ہے کہ تمام صحف اولیٰ میں اس کا تذکرہ ایک بینہ ہے، (۱) قومِ ہند میں بھی اللہ کے کم از کم ایک رسول تو ضرور تشریف لائے، (۲) اور جو رسول یہاں آئے وہ یہیں کی قدیم زبان میں اللہ کی کتاب لائے، (۳) کیا وید کے مندرجات میں کلامِ الٰہی بھی ہوسکتا ہے؟ من جملہ دیگر ثبوتوں کے ماضی میں، میں نے بہت سے تحقیقی ثبوت پیش کئے ہیں، اگر رسولِ آخر ﷺ کی تصدیق وتوثیق ویدوں میں ہے تو یہ بینہ بھی کچھ کم مضبوط ثبوت نہیں ہوگا، قرآن نے یہ

(۱) طٰہٰ: ۱۳۳۔ (۲) یونس: ۴۷۔

(۳) ابراہیم: ۴۔

بھی کہا تھا کہ وہ لوگ جنھیں رب العزت نے کتاب دی، (۱) ان میں سے جو اس کی تلاوت کا حق ادا کریں گے وہ ایمان لے آئیں گے، (۲) ایک حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایمان لانے کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز قوم وہ بھی ہوگی جس کے افراد اپنے صحائف سے کٹے ہونے کے بعد انھیں دریافت (Rediscover) کریں گے اور ان میں قرآنی تعلیمات پانے کے ذریعہ ایمان میں داخل ہوں گے، (۳) ماضی میں میں یہ بھی تحریر کر چکا ہوں کہ قومِ ہند کے اجتماعی قبول اسلام کے واضح اشارات قرآن وحدیث سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ (۴)

یہ حقائق متقاضی ہیں کہ وقت کی طولانی نے لامحالہ جو تاریک کوٹھریاں ویدوں کے کھنڈرات میں بنالی ہیں، ان میں اگر کہیں وہ شمع رسالت ابھی تک روشن ہے، جسے پھونکوں سے بجھایا نہ جا سکا تو ایمان کے پروانے وہاں پہنچنے سے گریز نہ کریں، خیال رہے کہ تلاش برائے تلاش محققین محض کا شعار ہے، اہلِ ایمان کا مقصد بلند تر ہے، انھیں اس شمع سے قومِ ہند کے صدہا سال سے بجھے ہوئے چراغوں کو روشن کرنا ہے۔

محمد ﷺ کے ۹۹ عربی نام!

ترمذی کی ایک حدیث میں باری تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کا ذکر ہے، یارانِ طریقت نے طرح کے مصرعہ کو مکمل کرنے کی طرح سرورکونین ﷺ کے ۹۹ عربی ناموں کی تلاش بھی ضروری سمجھی، صفات باری تعالیٰ کو تعداد میں محدود نہیں کیا جا سکتا، دنیا کی کسی بھی زبان میں صفاتِ حسنہ کا اعلیٰ ترین مقام الاسماء الحسنیٰ ہیں، اب کوئی قوم یہ نہیں سمجھ سکتی کہ اس کا خدا غیر ملکی خدا ہے، اللہ نے عالمینی رسول کے لئے بھی یہ ضروری قرار دیا کہ اسے کوئی صرف عرب تک محدود نہ سمجھے، محمد ﷺ ان کا اسم ذات تھا، دادا عبدالمطلب نے رکھا تھا، کلام باری تعالیٰ میں ہمیں بتایا گیا کہ مسیح ابن مریم نے بنی اسرائیل کو اپنے بعد 'احمد' کے آنے کی بشارت سنائی تھی، (۵) بنی اسرائیل کے نسلی تفاخر کو اس سے کیا غرض کہ بنی اسماعیل کے کسی فرد کا نام محمد سے احمد کیسے ہو گیا؟ 'وہ جو آنے والا تھا'، 'جس کے آنے کے لئے خود یسوع کا جانا ضروری تھا' (۶)، 'جسے ان کے ساتھ ابد تک رہنا تھا' (۷)، 'جس کے حق میں کفر نہ اس جہان میں معاف ہوگا

(۱) راقم الحروف کے مطالعے کے مطابق اہل الکتاب اور: ''اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الْکِتَاب'' یا ''اَلَّذِیْنَ اُوْتُوالْکِتَابَ'' قرآن کی دو مختلف اصطلاحات ہیں، اہل کتاب وہ لوگ ہیں جن کے پاس (تحریف شدہ) کلام الٰہی ہو اور وہ اس کلام کو لانے والے رسول پر بھی (مسخ) ایمان رکھتے ہوں، جب کہ 'جنھیں کتاب دی گئی' میں بشمول اہل کتاب وہ سبھی گروہ شامل ہیں، جن کے پاس کوئی پچھلا صحیفہ ہو؛ لیکن ضروری نہیں کہ وہ اس صحیفہ کے رسول سے واقف ہوں۔ (۲) البقرۃ:۱۲۱۔

(۳) مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب ثواب ہذہ الامۃ۔ (۴) دیکھیں کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو......۔

(۵) قرآن:۶۱:۶۔ (۶) انجیل یوحنا:۱۶:۷۔ (۷) انجیل یوحنا:۱۴:۱۶۔

اور نہ دوسری دنیا میں (۱)، اس کا نام حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطینی اسرائیلیوں کو پیریکلیٹاس یا پیراکلیٹ (فارقلیط) بتایا تھا، جس کے معرب محمد اور احمد دونوں ہو سکتے ہیں، اللہ کے قوانین بدلتے نہیں، (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہر رسول پر نازل ہونے والی کتاب میں آنحضرت ﷺ کا نامِ نامی اس قوم کی زبان میں ایسا لفظ تھا، جس کا ترجمہ محمد یا احمد دونوں طرح کیا جا سکتا ہے، ہندی رسول کے کلام میں انھیں نراشنس بتایا گیا، نراشنس (नराशंस) یعنی نر+آشنس (नर+आशंस) یعنی پرشنست نر (प्रशंसित नर) یعنی قابلِ تعریف انسان یعنی محمد ﷺ۔

نقل اور عقل

امتحان گاہ میں بیٹھے طلبہ میں سے صرف ایک طالب علم کو ایک سوال کا جواب معلوم تھا، اس نے لکھا اور باقی سب نے نقل مطابق اصل کا حق ادا کر دیا، اس سے چند مقامات پر کچھ غلطیاں بھی ہو گئیں تھیں، ان میں سے بعض غلطیاں محض لکھائی میں (Clerical mistakes) پیش آئی تھیں، سب کی کاپیوں میں بعینہٖ وہی اغلاط تھیں، سب پکڑے گئے، مسلمانوں میں نام نہاد محققین کی بڑی تعداد نقل مطابق اصل کی ماہر ہے؛ لیکن پکڑا کوئی نہیں جاتا؛ کیوں کہ ہمارے یہاں پرچے حل کئے جاتے ہیں؛ لیکن کاپیاں جانچنے کا رواج نہیں ہے، ہر طالب علم کی کاپی، پی ایچ ڈی کی تھیسس کی طرح شائع ہوتی ہے اور کسی قاری کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ اصل طالب علم کون تھا، جسے صحیح جواب معلوم تھا؛ لیکن کچھ غلطیاں بھی ہو گئی تھیں، آج اگر وہ کاپیاں جانچ لی جائیں تو ان محققین کی فہرست پر مبنی ایک اچھی خاصی کتاب ہو گی جنھیں روشنی کے مینار سمجھا گیا؛ لیکن دراصل ان کی روشنیاں دُھندلائی ہوئی سی تھیں، یہ کتاب بہت دلچسپ ہوتی؛ لیکن بعض دلچسپ کتابوں کی اشاعت کے التوا ہی میں پڑے رہنے میں بہت محاسن ہیں۔

اتھر وید میں کُنتاپ سوکت جس میں نراشنس منتر ہے، اس کی سب سے پہلی تحقیق قادیانی محقق عبدالحق ودیارتھی نے پیش کی تھی، انھوں نے ہی زرتشتی کتاب زنداوستا میں محمد ﷺ کا بھی پتہ لگایا تھا، ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے کو ان کے مربی ڈاکٹر اشتیاق احمدؒ نے وہ مواد فراہم کیا اور اس طرح اس پر سنسکرت کی ایک مستند اَتھارٹی کی مہر تصدیق ثبت ہو گئی، اب مسلمان محققین اس کو بغیر حوالے کے اور بغیر بعض اغلاط کی تصحیح کے نقل کئے جا رہے ہیں، پہلے محقق کے کام میں اکثر غلطیاں رہ جاتی ہیں، ہمیں حکمت ہر جگہ سے لینی ہے؛ لیکن غلطیوں کی اصلاح کرنے کے بعد، ورنہ ہم دعویٰ ہی پیش کرتے رہ جائیں گے اور معترضین کے جوابات ہمارے پاس نہ ہوں گے۔

کُنتاپ سوکت (اتھر وید: ۲۰: ۱۲۷) کے علاوہ بھی نراشنس کا تذکرہ دیگر ویدوں میں ہے، وہ اس تحریر میں اپنے مقام پر آئیں گے، پہلے ایک اور اہم تذکرہ۔

(۱) انجیل متی: ۱۲: ۳۲۔ (۲) انعام: ۱۱۵۔

وہ رسول

یوحنا کی انجیل میں ایک رسول کا ذکر ہے، جس کے لئے صرف وہ رسول کہا گیا اور لوگ اسے سمجھ گئے، اصل الفاظ یہ ہیں :

> یروشلیم شہر کے یہودی بزرگوں نے بعض کاہنوں اور لاویوں کو یوحنا کے پاس بھیجا؛ تا کہ وہ اس سے پوچھیں کہ وہ کون ہے؟ یوحنا نے صاف صاف اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انھوں نے اس سے پوچھا: پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ یوحنا نے جواب دیا: میں وہ بھی نہیں، پھر پوچھا: کیا تو 'وہ نبی' ہے؟اس نے جواب دیا: نہیں۔(۱)

انجیل مذکور کی اس آیت یا شعر؟(۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام (اُردو انجیل میں یوحنا) نے نبوت کا اعلان کیا تو یہودی اہل طریقت اور اہل شریعت ان کے پاس دریافت حال کے لئے گئے، اس وقت بنی اسرائیل میں تین نبیوں کے ظہور کی خبریں گرم تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی اور ایک ایسے نبی کے تذکرے جس کے لئے نام لینے کی بھی ضرورت نہ تھی، پہلے دوسوالات کے نفی میں جواب کے بعد یہود نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے محض یہ پوچھا کہ کیا تم 'وہ نبی' ہو؟ نبی اللہ نے بھی جواب دینے سے قبل یہ نہ پوچھا کہ 'وہ کون'؟ وہ بھی اسے جانتے تھے، جسے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام وحضرت الیاس علیہ السلام سے زیادہ جانتے تھے، جواباً فرمایا کہ میں 'وہ نبی' بھی نہیں ہوں، قرآن اور بائبل کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں نے اس سے یہ ثابت کیا کہ کوئی اور بھی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل ان سے زیادہ معروف تھا، پھر انھوں نے بتایا کہ 'وہ نبی' کون تھا، ان کے اس دعوے کے منطقی ثبوت کو رد کیا جا سکتا تھا اور اہل انجیل نے نہ صرف رد کیا؛ بلکہ آئندہ تراجم میں انگریزی الفاظ:''That Prophet کو The Prophet کر دیا، ''Are you the prophet حالاں کہ یہ کوئی معقول سوال ہی نہ تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے تیسرا سوال یہ پوچھ جاتا کہ کیا تم نبی ہو؟ یہ تو وہ کہہ ہی رہے تھے کہ وہ نبی ہیں، اس تحریف میں نامعقولیت تھی، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وید اس تحریف کی گنجائش پہلے ہی ختم کر چکے تھے، یہ اور بات ہے کہ عیسائی علماء وید کو کلام الٰہی نہیں مانتے، صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے قبل نہیں، 'وہ نبی' ہر دور میں اتنا معروف رہا تھا کہ اس کا نام لئے بغیر لوگ اسے جانتے تھے، وید نے 'اُس نبی' کی پہچان بھی واضح کی ہے :

(۱) انجیل یوحنا:۱:۱۹–۲۰۔ (۲) اہل بائبل آیات کو انگریزی میں Verses کہتے ہیں، Verses یا شعر Poetry یا شاعری میں ہوتے ہیں، قرآن نے فرمایا کہ یہ کسی شاعر کی بات نہیں ہے، اس لئے قرآن کی آیات کو بھی انگریزی میں Verses کہنا بڑی سنگین غلطی ہے۔

ययज्ञं पृच्छाम्यवमम्। स तद्दूतो विवोचति। क्वं ऋतं पूर्व्यं गतम्। कस्तद्बिभर्तिनूतनो। वित्तं मे अस्य रोदसी।।. (ऋग्वेद1:105:4)

میں سب سے نیچے (آخری) اجتماعی منسک کا سوال کرتا ہوں، اُس کو'وہ رسول' واضح کرتا ہے،قدیم صراط مستقیم کہاں (کھو) گیا؟ کون اس کی تجدید کرتا ہے؟ اے آسمانی زمین میری اس (بے چینی) کو سمجھو۔(رگ وید:4:105:1)

'وہ نبی' تو وید کے دور میں بھی متعارف تھا، ہر رسول کی کتاب نے اس کے بارے میں بتایا تھا؛لیکن وید میں اس کی علامات بھی دی گئی ہیں، اس منتر میں اس دور کا تذکرہ ہے، جب پرانی آسمانی کتابیں تحریف میں کھو جائیں گی اور صراط مستقیم واضح نہیں ہوگی، تب منزل کے متلاشیوں کو یہ بے چینی ستائے گی کہ'وہ رسول' کب آئے گا، جو پچھلے کی تجدید کے ساتھ آخری نظام قائم کرے گا، وید میں لفظ:''स दूत''استعمال ہوا ہے،جس کا ترجمہ وہ نبی کے بجائے'وہ رسول'زیادہ موزوں ہے،صلی اللہ علیہ وسلم۔

کُنتاپ سوکت سے فرار

ویدوں کے کچھ اہم مانے جانے والے سوکتوں کے نام بھی رکھ لئے گئے ہیں، اتھر و وید کے آخر کے کچھ سوکت کنتاپ سوکت کہلاتے ہیں، انھیں میں وہ منتر بھی ہیں، جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں یا تذکرے والے منتروں میں سب سے مفصل اور واضح ہیں، گوپتھ برہمن کے مطابق کنتاپ کا مطلب ہے:'وہ جو، ہر شیطنت اور غلاظت کو جلا کر راکھ کر دے' کنتاپ سوکت کون کون سے ہیں؟ اکثریت کے مطابق اتھر و وید کے ۲۰ ویں کانڈ کے سوکت نمبر:۱۲۷ سے ۱۳۶ تک کنتاپ سوکت کہلاتے ہیں،بعض کے نزدیک صرف سوکت نمبر:۱۲۷ کنتاپ سوکت ہے، جب عبدالحق ودیارتھی اور وید پرکاش اپادھیائے کے ۱۲۷ ویں سوکت کے پہلے تین منتروں کے تراجم کی کٹنگ پیسٹنگ کا انٹرنیٹ پر سیلاب آ گیا تو اس پر بند لگانے کی کچھ مخالفین نے کوشش شروع کی، ان میں سب سے پیش پیش ایک آریہ سماجی'اگنی ویر' ہیں، آریہ سماج کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ ویدوں میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی؛لیکن کوشش کے باوجود جب ان منتروں میں نراشنس کی علامات کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے واضح مطابقت کی رڈ لیپا پوتی ہی ثابت ہوتی رہی تو اگنی ویر کنتاپ سوکت کے ویدوں کا جز ہونے کو ہی مشکوک قرار دینے لگے، (۱) واضح رہے کہ محققین کے نزدیک کنتاپ سوکت اتھر و وید کا سب سے مستند حصّہ ہے،بعض محققین کے نزدیک تو کنتاپ سوکت اور رگ وید کے منتروں کی تکرار کے علاوہ اتھر و وید کا باقی سب حصہ الحاقی ہے۔(۲)

---

(۱) http://agniveer.com/prophet-vedas/

(۲) History of Sanskrit Literature, A.A. Macdonell, Printed in 1900, Page 188-17

ویدک نعت

تذکرۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منظوم ہوتو اسے نعت کہتے ہیں، اتھرووید کے کنتاپ سوکت کے پہلے تین منتروں کونعت کہنا بے جانہیں ہوگا، اس مختصر نعت کے سنسکرت الفاظ اوران کا ترجمہ درج ہے :

इदं जना उपश्रुत नराशंस स्तविष्यते। षष्टिं सहस्रा नवर्तिं च कौरम आ रूशमेषु दद्महे।। उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो वधूमन्तो द्विर्दश। वर्ष्मा रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पशः।।एष इषा मामहेशतं निष्कान दश स्रजः। त्रीणिशतान्यर्वतां सहस्रा दश गोनाम्।।.(अथर्ववेद 20:127:1-3)

اے لوگو ادب اور توجہ سے سنو! نراشنس کا بہت گن گان کیا جائے گا، اس مہاجر کو ہم ساٹھ ہزار نوے (۶۰۰۹۰) دشمنوں میں پاتے ہیں، جس کی سواری اونٹ ہے (اس کی) بیس اونٹنیاں ہیں، اس کے عالی مقام رتھ کی تیز رفتاری آسمان کو چھوتے ہوئے جھکاتی ہے، اس (ایشور) نے (اس) تخلیقی صلاحیت والے کو سو طلائی سکے، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کی ہیں۔ (اتھرووید:20:127:1-3)

اس منتر کے ہر جز کی تفصیل کے ساتھ یہ وضاحت بھی درج ذیل ہے کہ مترجمین نے اس کے ہدایت سے کیسے بچ نکلنے (Bypass) یا اس کی تخفیف (Dilute) کرنے کی کس کس طرح کوششیں کیں ہیں، سردست مثالوں کے لئے اس وقت یہ تراجم سامنے ہیں، انگریزی: رالف ٹی ایچ گرفتھ، مورس بلوم فیلڈ، ہندی: پنڈت شری رام آچاریہ، پنڈت کھیم کرن، جے دیو شرما، اُردو: پنڈت راجہ رام۔

इदं जना उपश्रुत اے لوگو ادب اور توجہ سے سنو! چاروں ویدوں میں یہ طرز تخاطب اس منتر کے علاوہ کسی ایک جگہ بھی اختیار نہیں کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وید کی نظر میں یہ اس کی اہم ترین ہدایت ہے۔

بیشتر مترجمین نے اس خطاب سے ادب اور توجہ والا حصّہ ترجمہ سے نکال دیا ہے، سنسکرت لفظ **श्रुत:** کا ترجمہ 'سنو' ہے، **उपश्रुत** میں احترام کے ساتھ غور سے سننے کا مفہوم ہے، صرف پنڈت کھیم کرن نے اس کا لحاظ رکھا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے: '' *(उप) आदर से, (श्रुत) सुनो* ''۔

● نراشنس: یہ لفظ नराशंस یعنی نر+آشنس (आशंस + नर) یعنی پرشنست نر (प्रशंसित नर) یعنی قابلِ تعریف ہے، یہ تفصیل گزر چکی کہ پچھلی کتابوں میں محمد یا احمد کے بجائے ان کے اسی کتاب کی زبان میں متبادل الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وید میں محمد کے لئے नराशंस لفظ ہی آیا ہے، اسی منتر میں آگے چل کر اور آئندہ منتروں میں یہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

● स्तविष्यते नराशंस نراشنس کا بہت گن گان کیا جائے گا: یہاں مستقبل کا صیغہ بہت اہم ہے، یعنی نراشنس کسی ایسی شخصیت کا نام ہے، جس کے بارے میں بتانے سے پہلے یہ ہدایت کی گئی کہ ادب اور توجہ سے سننے کی بات ہے اور پھر یہ واضح کیا گیا کہ نراشنس ویدوں کے دور کے بعد میں آنے والی شخصیت ہے، ویدک نام بہت مقدس مانے جاتے ہیں اور مذہبی کتب میں درج مقدّس شخصیات کے نام پر بہت لوگ اپنے بچوں کے نام رکھنا پسند کرتے ہیں؛ لیکن جس نے ویدک دور کے لوگوں کو اس دور کے پیغمبر کے ذریعہ نراشنس کی خبر دی تھی، اس نے یہ انتظام بھی کیا کہ محمد ﷺ کے ظہور سے قبل کسی کا یہ نام نہ رکھا جا سکے، سنسکرت میں نراشنس ہی نہیں، عربی میں محمد بھی نہ رکھا جائے، تب سے ظہورِ محمد ﷺ تک دریائے سرسوتی سے اس کا سارا پانی گزر گیا اور وہ خشک ہوکر پہلے معدوم ہوئی، پھر فسانہ بن گئی، اتنے لمبے عرصے میں راوی نے چین بھی لکھا اور بے چینی بھی؛ لیکن نہ کسی رشی منی کا نام نراشنس لکھا اور نہ کسی عام انسان کا، محمد ﷺ کے پروردگار نے ویدوں میں نراشنس کی خبر کی بھی حفاظت کی اور دنیا کو نراشنس نام اختیار کرنے سے بھی روکے رکھا اور چہار دانگ عالم میں اس کی تعریف وتذکرے کا ایسا انتظام کیا کہ اس کی مثال نہ ماضی وحال میں مل سکتی ہے اور نہ مستقبل میں کبھی مل سکے گی، محمد ﷺ کے دشمنوں نے انھیں الامین کہا اور جانا، جنھوں نے ان کا نام الصادق رکھا، ان میں سے بعض نے ان کی رسالت کو تو جھٹلایا؛ لیکن ان کی سچائی کا انھیں اتنا یقین تھا کہ اگر کسی کے مستقبل کے بارے میں کوئی مہلک پیشین گوئی کر دی تو وہ پیشین گوئی کے پوری ہونے کے عرصہ تک لمحے لمحے ہلاک ہوتا رہا، غیر مسلمین نے ان کی مدح میں کتنی نعتیں کہیں کتنے اقوال رقم کئے اور کتنے اوراق کتابوں کی زینت بنائے، اس کی بہت تفصیلات قارئین کے نظر نواز ہو چکیں؛ لیکن تذکرہ اور مدحِ محمد کا تسلسل مسلمانوں کی پنج وقتہ اذانوں اور نمازوں میں ہے اور ان کی دن میں متعدد بار صلواتوں اور سلاموں میں ہے، مسلسل مصروفِ گردش کرۂ ارض نے یہ خیال رکھا کہ اس کی سطح سے ہر لمحہ کہیں نہ کہیں اذان کی صدا پرواز کرتی رہے اور اس کے سینے پر قعدہ وتشہد کا سلسلہ کسی لمحہ بند نہ ہو، زمین پر ہر لمحہ کہیں: ''اشھد ان محمد رسول الله'' کی آواز گونج رہی ہے، کہیں: ''اشھد ان محمد عبدہٗ ورسولہٗ'' پر انگشت شہادت ہل رہی ہے اور کہیں کوئی زبان سے: ''صلی الله علیه وسلم'' کے گلہائے عقیدت نچھاور کر رہا ہے، شبِ معراج کا مسافر اگر سائبانِ طور کے خیمہ بدوش کی بات مان کر نمازیں پانچ سے دو یا ایک کروا لیتا تو شاید وید کی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی؛ لیکن جس کی منشا مشیت ایزدی سے ہم آہنگ ہو، وہ ایسا چاہ ہی نہیں سکتا تھا۔

● پہلے وید منتر کی پہلی لائن کا ترجمہ یوں مکمل ہوگا: اے لوگو یہ ادب سے ساتھ غور سے سنو کہ نراشنس (محمد ﷺ) کا بہت گن گان کیا جائے گا۔

اس پہلی لائن کے لئے وید کے مترجمین کی کاوشیں بھی دیکھیں، گرفتھ نے ان منتروں کا عنوان لکھا :

A hymn in praise of the good Government of King Kaurama.

شاہِ کورَم کی اچھی حکومت کی تعریف میں سوکت اور پہلی لائن کا ترجمہ یہ ہے :

Listen to this, ye men, a laud of glorious bounty shall be sung.

اے لوگو یہ سنو! ایک شاندار تعریف کا گیت گایا جائے گا، ویدوں میں ہر جگہ جہاں لفظ 'نراشنس' آیا ہے گرفتھ نے وہاں ترجمہ میں نراشنس ہی لکھا ہے؛ لیکن صرف اس منتر میں لفظ نراشنس وہ غائب کر گئے۔

بلوم فیلڈ :

Listen, ye folks, to this: (a song) in praise of a hero shall be sung!.

تم اے لوگو یہ سنو! ایک ہیرو کی تعریف میں ایک گیت گایا جائے گا۔

شری رام شرما :

हे नराशंस, स्तोताओं के विषय में सुनो।

اے نراشنس، گن گان کرنے والوں کے بارے میں سنو۔

پنڈت کھیم کرن :

انھوں نے جو ہر لفظ کا ترجمہ الگ کیا ہے، اس کے مطابق ترجمہ ذیل میں دیا جارہا، اس کے بعد ہر منتر کا بھاوارتھ یعنی خلاصہ مفہوم پیش کیا ہے، وہ منتر پورا ہوجانے کے بعد نقل کیا جائے گا :

हे मनुष्यो यह आदर से सुनो, मनुष्यों में प्रशंसा वाला पुरुष बड़ाई किया जावेगा।

اے لوگو یہ ادب سے سنو! انسانوں میں تعریف والے انسان کی بڑائی کی جائے گی۔

جے دیو شرما :

हे मनुष्यो आप लोग इस बात का श्रवण करो कि प्रजाओं के नेता, पुरुषों के नेता पुरुषों का यहाँ वर्णन किया जाता है।

اے لوگو! تم اس بات کو سنو کہ رعایا کے لیڈر، لوگوں کے لیڈروں کا یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

پنڈت راجہ رام: ''یہ سنو اے لوگو، ایک قابلِ تعریف تعریف کیا جائے گا''۔

षष्टिं सहस्रा नवतिं च ساٹھ ہزار نوے: گرفتھ، کھیم کرن اور راجہ رام نے اس کا ترجمہ ٹھیک لکھا ہے؛ لیکن کھیم کرن نے ساتھ ہی بریکٹ میں ''یعنی متعدد خیراتوں'' بڑھا دیا ہے، پنڈت شری رام شرما نے ''نوے'' اُڑا دیا ہے، محض ساٹھ ہزار، بلوم فیلڈ اور جے دیوشرما نے اسے چھ ہزار نوے کر دیا ہے، سنسکرت جاننے والے کے لئے اس میں کسی ابہام یا غلطی کا امکان نہیں ہے کہ چھ ہزار کے لئے षष्टिं सहस्रा نہیں؛ بلکہ षट् सहस्रा کا استعمال ہوتا، بلوم فیلڈ نے اس پر یہ اور اضافہ کیا ہے کہ بریکٹ میں لفظ ''گائیں'' اور بڑھا دیا ہے، پورے منتر میں گائے کے لئے کوئی سنسکرت لفظ کہیں نہیں ہے، بلوم فیلڈ کا ترجمہ یہ ہے: "Six thousand and ninety (cows)"۔

कौरम आ दद्महे کورَم (زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے) کو ہم پاتے ہیں: کورم چوں کہ زمین میں ایک جگہ سے دوسرے جگہ جانے والے یا گھومنے والے کو کہتے ہیں، اس لئے ہم نے آگے آنے والے الفاظ کی مناسبت سے اس کا مفہوم مہاجر مانا ہے، اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ (دعوتی سرگرمی میں) گھومتے رہنے والے کو ہم پاتے ہیں، ویدوں کے مترجمین کا ترجمہ دیکھیں :

گرفتھ :

We, O Kaurama, Have Received.

اے کورم ہم نے پایا، کورم کو گرفتھ نے کسی کا نام مانا ہے۔

بلوم فیلڈ :

Did we get (When we were) With Kaurama

ہم نے پایا (جب ہم تھے) کورم کے ساتھ، بلوم فیلڈ نے بھی کورم کو کسی کا نام مانا ہے۔

پنڈت شری رام شرما :

कौरम को हम प्रदान करते हैं

کورم کو ہم عطا کرتے ہیں۔

پنڈت کھیم کرن :

हे पृथ्वी पर रमण करने वाले राजन! हम पाते हैं

اے زمین پر گھومنے والے راجہ، ہم پاتے ہیں۔

جے دیوشرما :

पृथ्वी पर रमण या युद्ध क्रीड़ा करने हारे राजन! स्नेापति! हम लोग शत्रुओं की नाशकारी सेना के दलों में नियुक्त करें

زمین پر گھومنے یا جنگ کرنے والے راجہ، سپہ سالار! ہم لوگ دشمنوں کی تباہ کن فوج کی صفوں میں تعینات کریں۔

پنڈت راجہ رام: ''اے کورم ہم نے لئے ہیں''۔

रुशमेषु تشدد کرنے والوں (دشمنوں) میں۔

گرفتھ:

Among TheRusamas.

رُشموں کے درمیان، اس لفظ کا انھوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے۔

بلوم فیلڈ :

Among The Rusamas.

رُشموں کے درمیان، بلوم فیلڈ نے بھی اس لفظ کا کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے۔

پنڈت شری رام شرما :

रुशाम ''رُشَم'' انھوں نے رُشم لفظ تو باقی رکھا ہی ہے؛ لیکن سنسکرت میں رُشَم نہیں ''رُشمیشُ'' ہے، قواعد کے اعتبار سے یہاں ''میں'' یا ''کے درمیان'' بھی ہونا چاہئے اسے بھی غائب کر گئے اور رشم یہاں جمع ہے، اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے۔

پنڈت کھیم کرن :

हिंसकों के फेंकने वाले वीरों के बीच

تشدد کرنے والوں کے پھینکنے والے بہادروں کے بیچ۔

تشدد کرنے والوں کے بیچ تک بالکل ٹھیک تھا؛ لیکن پھینکنے والے بہادروں کے اضافہ کے لئے منتر میں کوئی لفظ نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ فقرہ بالکل بے معنی ہو گیا ہے، پنڈت راجہ رام: ''روشموں کے بیچ''۔

پورے پہلے منتر کا اصل ترجمہ :

اے لوگو ادب اور توجہ سے سنو! نراشنس (محمد ﷺ) کا بہت گن گان کیا جائے گا، زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے (ہجرت کرنے والے) یا اِدھر سے اُدھر (دعوتی تگ ودو) میں سرگرداں، اُس کو ہم ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان پاتے ہیں۔

سوائے چند ایمان لانے والے نفوس کے جن کی تعداد ۱۰۰ سے کم تھی، سارا مکہ نبی ﷺ کا دشمن تھا، دشمنوں

کی تعداد کو ہم مکہ شہر کی آبادی کہہ سکتے ہیں، کوئی مردم شماری نہیں ہوئی تھی، اتنی حتمی تعداد کے اعلان میں بڑا اعتماد ہے، یہ وہی کرسکتا ہے جس نے ایک ایک فرد گن رکھا ہو، مؤرخین کے مطابق حج کے موقع پر مکہ میں لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی، (۱) ظاہر ہے کہ مکہ کی اصل آبادی تقریباً ساٹھ ہزار ہونا قرین قیاس ہے؛ لیکن ساٹھ ہزار نوے کا اعلان حیرت انگیز۔

مامون رشید کو اپنے دربار میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظرے کرانے کا بہت شوق تھا، عیسائی پادریوں نے کہا عیسیٰ کلمۃ اللہ تھے اور کلمہ یا کلام مخلوق نہیں ہوتا ورنہ مسلمانوں کو قرآن کو مخلوق ماننا پڑے گا، انھوں نے چیلنج کیا کہ درباری علماء نہیں؛ بلکہ امام احمد بن حنبل قرآن کو مخلوق کہیں، امام صاحب سے قرآن کو مخلوق منوانا مامون نے اپنی مجبوری بنالی، آریہ سماج سے مباحثوں کے بعد ہمارے بعض ماہرین کی بھی یہ مجبوری بن گئی کہ وہ سارے وید کو خرافات ثابت کریں، وہ اتھروید کے ان منتروں کو بھی نہ صرف انسانی تخلیق قرار دیتے ہیں؛ بلکہ وید میں تذکرۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلیم کیے جانے کے بھی مخالف ہیں، ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن میں کوئی پیشین گوئی اتنی باریکی سے نہیں لائی گئی، جیسا وید کا یہ منتر ہے، رومیوں کے غلبہ کے لئے تین سے نو سال کا عرصہ بتایا گیا؛ لہٰذا اتنی Accuracy (حتمیت) سنّت اللہ کے خلاف ہے، سنّت اللہ اگر ہم ایسے متعین کریں گے تو ولادتِ مسیح کے لئے مریم کا یوسف بڑھئی سے نکاح کرانا پڑے گا اور بعض اہلِ علم کراتے ہی ہیں، تکمیل آدم کو امیبا Amoeba سے ارتقائی منازل طے کرانے پڑیں گے، یہ بھی کرایا جاتا ہے، ان حضرات کی آریہ سماج کو جواب دینے کی خدمت تسلیم اور اس کوشش میں ان کی ویدوں کی چھان پھٹک بھی مسلّم، ابھی تو وید کے ہر منتر کو خرافات ثابت کرنے والے ایک سو نوے منتروں کو انسانی کلام ثابت کرنے سے آگے نہیں بڑھے، موجودہ ویدوں کے بیس ہزار سے کچھ زائد منتروں میں سے وہ انیس ہزار کو انسانی کلام اور خرافات ثابت کردیں تو ہمیں اعتراض نہیں؛ لیکن ۱۹۰ منتروں کی بنیاد پر ۲۰۰۰۰ کے علم کا حتمی دعویٰ تو —— میں کیا عرض کروں کتنا بڑا ہوگیا، ہر دور کے صحائف کا معجزانہ رنگ جدا ہے؛ لیکن یہ موضوع ایک علاحدہ مضمون کا متقاضی ہے۔

اب مختلف مترجمین کے ترجموں کے اجزا جوڑ کر پورے منتر کا ناقابلِ فہم ترجمہ ملاحظہ کریں :

---

(۱) ولهذا صارت مكه سوق بلاد العرب جميعا ، و محط التجارة بين الهند والشّام و مصر وغيرها ، وقد بلغ سكانها فى وقت من الاوقات مأة الف نسمة من بايع و مشر ''اور اس طرح مکہ سارے عرب کے شہروں کی منڈی بن گیا تھا اور تجارت ہندوستان اور شام اور مصر اور دیگر علاقوں تک وسیع تھی اور بعض دنوں میں خرید فروخت کرنے والوں کی وجہ سے لوگوں کی آبادی کسی کسی دن میں ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی'' (محمد احمد جاد المولیٰ، تاریخ المثل الکامل)۔

گرفتھ :

Listen to this, ye men, a laud of glorious bounty Shall be sung, Thousands sixty, and ninety we, O Kaurama, among the Rusamas have received.

اے لوگو یہ سنو! ایک شاندار تعریف کا گیت گایا جائے گا، ہم نے اے کورم رُشموں کے درمیان ساٹھ ہزار نوے پائے۔

بلوم فیلڈ :

Listen, ye folks, to this: (a song) in praise of a hero shall be sung! Six thousand and ninety (cows) did we get (when we were) with Kaurama among the Rusamas.

تم اے لوگو یہ سنو! ایک ہیرو کی تعریف میں ایک گیت گایا جائے گا، جب (ہم) کورم کے ساتھ رُشموں کے درمیان (تھے)، ہم نے چھ ہزار نوے (گائیں) پائیں۔

پنڈت شری رام شرما :

हे नराशंस, कोरम, स्तोताओं के विषय में सुनो कि हम साठ सहस रुशम प्रदान करते हैं।

اے نراشنس! کورم، تعریف کرنے والوں کے بارے میں سنو کہ ہم ساٹھ ہزار رُشَم عطا کرتے ہیں۔

پنڈت کھیم کرن :

हे मनुष्यो यह आदर से सुनो, मनुष्यों में प्रशंसा वाला पुरुष बड़ाई किया जावेगा।हे पृथ्वी पर रमण करने वाले राजन! साठ हज़ार नव्वे (अर्थात अनेक दानों) को हिंसकों के फेंकने वाले वीरों के बीचहम पाते हैं।

اے لوگو یہ ادب سے سنو! انسانوں میں تعریف والے انسان کی بڑائی کی جائے گی، اے زمین پر گھومنے والے راجہ، ساٹھ ہزار نوے (یعنی متعدد خیراتوں) کو تشدد کرنے والوں کے پھینکنے والے بہادروں کے بیچ ہم پاتے ہیں۔

یہ ترجمہ تو پنڈت کھیم کرن کے لفظ بہ لفظ ترجموں کو جوڑ کر دیا گیا، اب ان کا اس منتر کا بھاوارتھ یعنی اصل مفہوم دیکھ کر عش عش کریں، منتر کا لفظی ترجمہ جس کی سمجھ میں آ گیا ہو وہ غیر معمولی ذہین ہے اور جو اس سے مندرجہ

ذیل بھاوارتھ بھی اخذ کر سکے، وہ یقیناً جینیس Genius ہے :

उत्तम कर्म करने वाला मनुष्य संसार में सदा बड़ाई पाता है, यह विचार कर राजा कर्मकुशल वीरों के बीच आदर करके सुपात्रों को अनेक दान देवे।

بہترین عمل کرنے والا انسان دنیا میں ہمیشہ بڑائی پاتا ہے، یہ خیال رکھتے ہوئے راجہ باعمل بہادروں کے بیچ احترام کر کے اچھے حقداروں کو بہت خیرات دے۔

جے دیوشر ما :

हे मनुष्यो आप लोग इस बात का श्रवण करो कि प्रजाओं के नेता, पुरुषों के नेता पुरुषों का यहाँ वर्णन किया जाता है। पृथ्वी पर रमण या युद्ध क्रीड़ा करने हारे राजन! स्नेापति! हम लोग छः हज़ार नव्वे पुरुषों को शत्रुओं की नाशकारी सेना के दलों में नियुक्त करें।

اے لوگو! تم اس بات کو سنو کہ رعایا کے لیڈر، لوگوں کے لیڈروں کا یہاں بیان کیا جاتا ہے، زمین پر گھومنے یا جنگ کرنے والے راجہ، سپہ سالار! ہم لوگ چھ ہزار نوے مَردوں کو دشمنوں کی تباہ کن فوج کی صفوں میں تعینات کریں۔

پنڈت راجہ رام :

یہ سنو اے لوگو! ایک قابلِ تعریف، تعریف کیا جائے گا، اے کورم ہم نے روشموں کے بیچ میں ساٹھ ہزار اور نوے لئے ہیں۔

اب منتر نمبر: ۲ کی لفظ بہ لفظ تفصیل پیش کی جاتی ہے :

उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो اونٹ جس کی سواری ہے: انسان اپنی زندگی میں مختلف سواریاں استعمال کرتا ہے؛ لیکن جب کسی شخص کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی سواری موٹر سائیکل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیشتر موٹر سائیکل ہی سواری کے لئے استعمال کرتا ہے، اونٹ ریگستانی علاقے کے رہنے والوں کی سواری ہوتی ہے، یہ نراشنس کی اگلی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ ریگستان کا باشندہ ہوگا، उष्ट्रा گھوڑے یا گائے کو نہیں، اونٹ کو کہتے ہیں، تعجب ہے کہ بلوم فیلڈ کے ترجمہ میں گائے اور جے دیوشرما کے ترجمہ میں گھوڑا آ گیا، سیاق کو نظر انداز کر کے آگے کے فقرے वधूमन्तो سے گائے یا گھوڑی مراد لیا جا سکتا ہے؛ لیکن لفظ उष्ट्रा کے ہوتے ہوئے اونٹ کو قالین کے نیچے نہیں چھپایا جا سکتا، پچھلے منتر کے تجزیہ ہی سے سمجھ میں آ چکا ہوگا کہ مترجمین سے سہو سرزد نہیں ہو رہا ہے؛ بلکہ ہر ایک: ''یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم'' (وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) کے بعد اصل حقیقت سے فرار اختیار کر رہا ہے۔

द्विर्दश वधूमन्तो بیس مادہ (اونٹنیاں) ساتھ ہیں: اونٹ کا ذکر اسی لائن میں ہے تو مادہ کو اونٹنیاں کہیں گے، عبدالحق ودیارتھی نے द्विर्दश کے بجائے द्विर्दश قرات اختیار کر کے دو خوبصورت اونٹنیاں مراد لی ہیں؛ چوں کہ موجودہ دور میں جو وید عام ہیں ان میں द्विर्दश ہے، اس لئے اختلاف قرات کے مسائل چھیڑنا خود بھی اختلافی ہوگا، ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے نے بھی موجودہ द्विर्दश کو ہی قبول کیا ہے؛ لیکن ان سے یہ سہو ہوا کہ انھوں نے اس کا ترجمہ ۱۲ کر لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۱۲ ازواج کی فہرست پیش کر دی، اس لفظ کا ترجمہ ۱۲ نہیں کیا جا سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۱۲ ازواج گنانا بھی درست نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ تو کسی ایک وقت میں ۱۲ ازواج تھیں اور نہ کل ازواج کی تعداد ۱۲ تھی، موجودہ سنسکرت میں ۱۲ کو द्वादश اور ۲۰ کو विंश کہتے ہیں، द्विर्दश کا لفظی ترجمہ ہے دو دس، علم ریاضی میں ہندوستان امام رہا ہے اور ریاضی کے قاعدے سے دو دس کو دو جمع دس نہیں؛ بلکہ دو بار دس ہی کہا جا سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو مہر میں عشرین بکرۃ (بیس نوخیز اونٹنیاں) دی تھیں،(۱) اب اس دوسرے منتر کی پہلی لائن کا ترجمہ ایسے کیا جا سکتا ہے۔

उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो वधूमन्तो द्विर्दश اونٹ جس کی سواری (ہے) ۲۰ اونٹنیاں (بھی اس کے) ساتھ ہیں،

مترجمین کے تراجم درج ذیل ہیں :

گرفتھ :

Camels twice-ten that draw the car, with females by their side, he gave.

بیس اونٹ جو سواری کو کھینچتے ہیں، ان کے پہلو میں مادہ (اونٹنیاں) اس نے دیں۔

اونٹوں کے کسی سواری کو کھینچنے کا منتر میں کوئی ذکر نہیں ہے، उष्ट्रा معنی اونٹ यस्य کے معنی جس کا یا جس کی اور प्रवाहण سواری، منتر میں اونٹ یا اونٹوں کے سواری میں جوتے جانے کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ اونٹ کے نراشنس کی سواری ہونے کا بیان ہے، مزید یہ کہ لفظ اونٹ منتر میں واحد ہے، بیس اونٹوں کی گنجائش ترجمہ میں نہیں ہے۔

بلوم فیلڈ :

Whose twice ten buffaloes move right along, together with their cows.

جس کی بیس بھینسیں اُن کی گایوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

---

(۱) قال ابن هشام : وأصدقها رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرين بكرة ، وكانت أول امرأة تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ولم يتزوج عليها غيرها حتى ماتت ، رضي الله عنها ،(السيرة النبوية لابن هشام)، ابن ہشام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بیس نوخیز اونٹنیاں مہر میں دی تھیں اور وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی زوجہ تھیں، ان کے انتقال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں کیا، (سیرت النبویہ، ابن ہشام)۔

ایک اونٹ کو بیس بھینسیں تو مولانا حسرت موہانی کو پریشان کرنے والا حسنِ کرشمہ ساز بھی نہیں کرسکتا تھا۔

پنڈت شری رام شرما :

जिस के देह रथ के बीस ऊँट वहन करने वाले हैं।

جس کے جسمانی رتھ کے بیس اونٹ چلانے والے ہیں۔

پنڈت کھیم کرن :

जिस (राजा) के ले चलने वाले ऊँटनियों सहित दो बार दस ऊँट

جس (راجہ) کے لے چلنے والے اونٹنیوں سمیت بیس اونٹ۔

جے دیو شرما :

जिस राजा के बीस हिंसा करने वाली शत्रुनाशक शक्तियों से युक्त, शत्रु को दग्ध करने वाले, आगे बढ़ने वाले उत्तम अश्व आदि सवारियों पर चढ़ कर चलने वाले हों

جس راجہ کے بیس تشدد کرنے والی قوتوں سے لیس، دشمن کو زیر کرنے والے، آگے بڑھنے والے بہترین سواریوں پر چڑھ کر چلنے والے ہوں۔

ایسا ترجمہ تو تبھی ممکن ہے جب مترجم ایک ساتھ دو کتابوں کا ترجمہ کر رہا ہو اور ایک کا دوسرے میں گڈ مڈ ہو جائے۔

پنڈت راجہ رام :

بیس اونٹ جس کے بیویوں والی سواری کے چلانے والے ہیں۔

دوسرے منتر کا اگلا حصہ :

वर्ष्मा रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पृशः اس کے عالی مقام رتھ کی تیز رفتاری آسمان کو چھوتے ہوئے جھکاتی ہے : قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ واقعہ معراج کا بیان ہے، ہر لفظ کے الگ الگ معانی اس طرح ہیں: वर्ष्मा عالی مقام، रथस्य رتھ کی، नि नीचा دکھاتی ہے، जिहीडत آسمان، दिव ईषमाणा تیز رفتاری: उपस्पृशः چھوتے ہوئے پورے منتر کا ترجمہ اس طرح ہوا :

उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो वधूमन्तो द्विर्दश। वर्ष्मा रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पृशः

جس کی سواری اونٹ ہے (اس کی) ۲۰ اونٹنیاں ہیں، اس کے عالی مقام رتھ کی تیز رفتاری آسمان کو چھوتے ہوئے جھکاتی ہے۔

اب اس دوسرے منتر کے مختلف تراجم دیکھیں، گرفتھ :

Camels twice-ten that draw the car, with females by their side, he gave. Fain would the chariot's top bow down escaping from the stroke of heaven.

بیس اونٹ جو سواری کو کھینچتے ہیں، ان کے پہلو میں مادہ (اونٹنیاں) اس نے دیں، آسمان کی ٹکر سے بچتے ہوئے رتھ کی چھت جھکی محسوس ہوگی۔

بلوم فیلڈ :

Whose twice ten buffaloes move right along, together with their cows the height of his chariot just misses the heaven which recedes from its touch.

جس کی بیس بھینسیں اُن کی گایوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں، اس کے رتھ کی اونچائی آسمان کو چھوتے چھوتے رہ گئی جو اس کے چھونے سے نیچا ہو جاتا ہے۔

پنڈت شری رام شرما :

जिस के देह रथ के बीस ऊँट वहन करने वाले हैं। वह आकाश को छूते हुए पीडन करते हैं

جس کے جسمانی رتھ کے بیس اونٹ چلانے والے ہیں، وہ آسمان کو چھوتے ہوئے ہراساں کرتے ہیں۔

پنڈت کھیم کرن :

जिस (राजा) के रथ के ले चलने वालेशीघ्रगामी जुते हुए ऊँटनियों सहित दो बार दस ऊँटउन्मत मनुष्य के ऊँचे पद का अपमान करते रहते हैं।

جس (راجہ) کے رتھ کے لے چلنے والے تیز رفتار جُتے ہوئے، اونٹنیوں سمیت بیس اونٹ پاگل آدمی کے اونچے عہدے کی توہین کرتے رہتے ہیں۔

اور ترجمہ کے بعد ان کا دلچسپ خلاصۂ مفہوم :

राजा बीसहों ऊँटऊँटनी आदि को रथ आदि में जोत कर अनेक उद्यम करे करावे और उद्योगी लोगों को बहुत से उचित पारितोषक देवे।

راجہ بیسیوں اونٹ اونٹنیوں کو رتھ وغیرہ میں جوت کر بہت سے کاروبار کرے، کرائے اور صنعت کاروں کو بہت سے مناسب انعام یا تمغے دے۔

اس بھاوارتھ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وید صرف راجستھانی علاقے میں راجہ کا وجود چاہتے ہیں۔

جے دیو شرما :

जिस राजा के बीस हिंसा करने वाली शत्रुनाशक शक्तियों से युक्त, शत्रु को दग्ध करने वाले, आगे बढ़ने वाले उत्तम अश्व आदि सवारियों पर चढ़ कर चलने वाले होंऔर जिस के रथ की ऊँची ध्वजाएं चलती चलती गगन को छूने वाली आकाश या सूर्य का भी तिरस्कार करती हैं।

جس راجہ کے بیس تشدد کرنے والی قوتوں سے لیس، دشمن کو زیر کرنے والے، آگے بڑھنے والے بہترین سواریوں پر چڑھ کر چلنے والے ہوں، اور جس کے رتھ کے اونچے پرچم چلتے چلتے آسمان کو چھونے والے، آسمان یا سورج کی بھی بے ادبی کرتے ہیں۔

پنڈت راجہ رام :

بیس اونٹ جس کے بیویوں والی سواری کے چلانے والے ہیں، جس کے مَرکَب کی چوٹی نیچے جھکتی ہے، آسمان کو چھونے سے بچاتی ہے۔

● اس سلسلہ کے تیسرے منتر کی لفظ بہ لفظ تفصیل درج کی جاتی ہے، پہلے دونوں منتروں میں براہ راست علاماتِ محمدی کا بیان تھا، اس تیسرے منتر میں کچھ استعارے ہیں :

एष اُس (نے)، इषाय تخلیقی صلاحیت والے کو، मामहे بخشش دی، عطا کیا، शतं निष्कान् سو طلائی سکے، दश स्रजः دس ہار، त्रीणि शतान्यर्वतां تین سو گھوڑے، सहस्रा दश गोनाम् دس ہزار گائیں۔

اگر پہلے شخصیت واضح نہ کر دی گئی ہوتی تو محض استعاروں سے مفہوم متعین کرنا ناممکن ہوتا، ان الفاظ کی توضیحات درج ذیل ہیں :

इषाय وید کے ایک جرمن نسخے میں یہ لفظ ऋषये ہے، اس لئے بہت سے لوگوں نے اس کا ترجمہ 'رشی کو' کیا ہے، इषाय کا مطلب ہے 'قوت والے کو، چاق و چوبند کو، حاضر دماغ کو، تخلیقی صلاحیتوں کے حامل کو، پھلنے پھولنے والے کو، بھوشیہ پران میں इष ایک رشی کا نام بھی ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض قلمی نسخوں میں اسے رِشی لکھ دیا گیا ہو، عبدالحق ودیارتھی نے ऋषये لفظ اختیار کر کے ترجمہ کیا ہے، بہتر یہ ہے کہ ہم شاذ کے بجائے رائج الوقت لفظ इषाय ہی رکھیں۔

मामहे: وید کے بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ प्रदान किया یا दान किया یعنی بخشش دی یا عطا کیا اختیار کیا ہے، عبدالحق ودیارتھی نے اسے کسی مامح رشی کا نام قرار دیا اور اس کا جواز یہ دیا ہے کہ بعض پُرانوں میں محمد کے بجائے محامد ہے، اسی طرح اتھروید میں محمد سے ملتا جلتا لفظ مامح لایا گیا ہے، یہ بہت کمزور اور غیر محققانہ توجیہ ہے اور ایک

مضبوط چلے آرہے کیس کو کمزور کرتی ہے، دراصل اس سے پچھلا لفظ جب انھوں نے 'رشائے' مانا تو مامح اس رشی کا نام کہنا پڑا، بہر حال اس لفظ کا تمام مترجمین نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے، علاوہ ازیں ودیارتھی صاحب کے مطابق اس منتر میں دینے یا عطا کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے، اس کے لئے انھیں بریکٹ لگانا پڑا۔

सो शतं निष्कान् سو طلائی سکے: طلائی سکہ بیش قیمت ہوتا ہے، ہجرتِ حبشہ ثانیہ میں صحابہ کی تعداد ۱۰۰ تھی، ۸۲ مرد اور ۱۸ عورتیں، انھیں طلائی سکوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۱)

وید پرکاش اپادھیائے نے انھیں اصحاب صفہ مانا ہے؛ حالاں کہ اصحابِ صفہ کی تعداد غیر معین اور ۱۰۰ سے زائد تھی۔

दश स्रजः دس ہار: دس ہار عزیز ترین دس اصحاب ہیں، قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ ان سے مراد عشرہ مبشرہ ہیں۔

त्रीणि शतान्यर्वतां تین سو گھوڑے: گھوڑے کا لفظ بہادر اور جنگجو کے استعارے کے طور پر وید میں عام ہے، جنگ بدر کے ۳۱۳ مجاہدین میں سے ۱۳ شہید ہوئے اور ۳۰۰ غازی فتح یاب ہوکر واپس لوٹے، اس منتر میں انھیں گھوڑوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۳۰۰ اور ۴۰۰ کے بیچ کی تعداد اگر ۳۰۰ سے قریب تر ہو تو اسے ۳۰۰ لکھا جاتا ہے، جب وید نے ۶۰۰۹۰ کو راؤنڈ فگر میں ۶۰۰۰۰ نہیں کہا تو ۳۱۳ کو ۳۰۰ کیوں قرار دیا جائے، وڈیارتھی صاحب کی کتاب میں بھی حاشیہ میں یہی لکھا ہے کہ 'یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سینکڑوں پر جو کسر ہوتی ہے وہ اکثر نظر انداز کردی جاتی ہے' دراصل اس توجیہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

सहस्रा दश गोनाम् دس ہزار گائیں: گائے کا استعارہ بھی امن پسند کے لئے وید میں بکثرت استعمال ہوا ہے، गो یعنی گائے آج بھی ہندوستانی حضرات کی بولی میں نیک کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہیں سے اُردو والوں نے 'اللہ میاں کی گائے' کا محاورہ بنایا، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب میں گائے کی تعبیر صحابہ سے لی تھی۔(۲)

واضح ہوگیا ہوگا کہ فتح مکہ کے پرامن تاریخی انقلاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اصحابِ رسول کی تعداد متفقہ طور پر دس ہزار تھی۔

(۱) اس دفعہ کل ۸۲ یا ۸۳ مردوں نے ہجرت کی (حضرت عمار کی ہجرت مختلف فیہ ہے) اور اٹھارہ یا انیس عورتوں نے، (زادالمعاد: ۱/ ۲۴) علامہ منصور پوریؒ نے جزم کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔ (رحمۃ للعالمین)

(۲) بخاری، کتاب المغازی، روایت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

اس منتر کے مختلف تراجم، گرفتھ :

A hundred chains of gold, ten wreaths, upon thee Rishi hebestowed, And thrice-a-hundred mettled Steeds, ten-times-a-thousand cowshe gave.

اس نے تجھ رشی کو سو طلائی چین، اور دس ہار عطا کئے، اور اس نے تین سو بہادر گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔

بلوم فیلڈ :

This one (Kaurama) presented the seer with a hundred jewels, ten chaplets, three hundred steeds, and ten thousand cattle.

اِس (کورم) نے رشی کو سو جواہرات، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار مویشی ہدیہ کئے۔

پنڈت شری رام شرما :

अन्न प्राप्ति के निमित्त मैं सौ निष्क, तीन सौ अश्व, दस सहस्र धेनुऔर दश माला यह देता हूँ।

غلّہ کے حصول کے لئے میں سو طلائی سکے، تین سو گھوڑے، دس ہزار گائیں اور دس ہار، یہ دیتا ہوں۔

پنڈت کھیم کرن :

उस (राजा) ने उद्योगी पुरुष को सौ दीनारें (स्वर्ण मुद्रा) दश मालाएं, तीन सौ घोड़े और दश सहस्र गाएं दान दी हैं।

اُس (راجہ) نے تخلیقی صلاحیت والے شخص کو سو دینار (طلائی سکے)، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دان دی ہیں۔

جے دیو شرما :

वह प्रसिद्ध राजा सौ स्वर्णमुद्राएं, दस मालाएं और घोड़ों के तीन सौ, गौवों के दस हज़ार इच्छा करने वाले जन कों प्रदान करता है।

وہ مشہور راجہ سو طلائی سکے، دس ہار، اور گھوڑوں کے تین سو، گایوں کے دس ہزار، خواہش کرنے والے لوگوں کو عطا کرتا ہے۔

پنڈت راجہ رام :

اس نے مامح رشی کو سَو دینار، دس مالائیں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔

تجاہل عارفانہ

وید کے مترجمین نراشنس کو خوب پہچانتے تھے اور اسی لئے وہ ان منتروں کے تراجم کو عمداً مبہم بناتے چلے گئے، کچھ نے بعض کلیدی الفاظ کو چھوڑ ہی دیا اور کچھ نے ان میں ترمیم کر لی اور اس طرح یہ سب تراجم چیستاں ہو گئے۔

ارادۂ فردا

یہ مقالہ میری موجودہ مصروفیات اور بین الاقوامی سیرتِ نبوی کانفرنس کے مجلّہ کے صفحات کی حدود کے باعث سردست اسی کا متحمل ہو سکا کہ اس میں وید کے صرف دو مقامات کے چار منتروں کی تشریح کی گئی ہے، (رگ وید: 4:105:1 اور اتھروید: 20:137:1-3) ان میں سے مؤخر الذکر تین منتروں کے تراجم بہت مشہور ہو کر دسیوں مصنفین اور نہ جانے کتنی ویب سائٹس کی زینت بن چکے ہیں، میری دانست میں ایسے افراد صرف چند ہی ہیں جن سے اگر غیر مسلم Cross question اعتراضی سوالات کریں تو وہ اپنی پیشکش کو ثابت بھی کر سکیں، اگر میں صرف ان کا ترجمہ اپنی ترمیمات کے ساتھ حوالۂ قلم کر دیتا تو یہ دو، تین صفحات اور میرے دو تین گھنٹوں سے زیادہ وقت نہ لیتے ؛ لیکن میرے خیال میں رسول اللہ ﷺ کے تذکروں پر مبنی صرف اتنے ہی منتر ایسے ہیں، جنھیں سنسکرت سے نابلد قاری اور مقررین بھی کچھ تیاری کرنے کے بعد برادران وطن کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور ویدوں کے صرف انھیں منتروں میں حتمی ثبوتوں کے ساتھ تفصیلات بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے صرف ان چار منتروں کے لئے اتنی طوالت اختیار کی؛ تاکہ ان کے تراجم اور تشریحات میں جو غلطیاں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں، نہ صرف انھیں درست کر لیا جائے؛ بلکہ معترضین کے جوابات کی تیاری بھی کی جا سکے، نراشنس کے تذکرے کے بہت سے باقی منتر اور کچھ اور منتر بھی اگر توضیحات کے ساتھ نہ ہوں تو ان پر مسلمان کے بے بنیاد دعویٰ کا لیبل چسپاں کر دیا جائے گا، انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر اس کام کو مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔

• • •

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور گیتا

جناب عبدالرشید آگوان ◆

سیرت پر کسی مقالے کے لئے ''گیتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایک عجیب وغریب عنوان مانا جائے گا، دو الگ الگ ادوار، الگ الگ ممالک سے تعلق رکھنے والی الگ لگ اقوام، اور دو مختلف عقائد کے حاملین کے درمیان مقبول ان دو الفاظ کا باہم کیا رشتہ ہے؟ یہ جاننا اپنے آپ میں کم دلچسپ نہیں ہے، بہر حال پیش خدمت مقالے میں اس نایاب تعلق کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اس کوشش میں ایک طرف ہندوؤں میں مقبول اور شری کرشن کے الفاظ میں بیان کردہ ایک مقدس کتاب گیتا میں زیر بحث آئے موضوعات ہیں تو دوسری طرف پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کتاب قرآن کریم کی تعلیمات اور خود پیغمبر اسلام کی احادیث ہیں، یہاں پر دو مقدس شخصیات اور دو منفرد اور مقدس تعلیمات کے تقابلی مطالعے کی اہمیت کو ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر سمجھا جا سکتا ہے، اس اہمیت پر فریضۂ دعوت کے ضمن میں بھی غور کیا جا سکتا ہے، ہمارے ملک میں گیتا کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بال گنگادھر تلک، اروندو گھوش، مہاتما گاندھی اور ونوبا بھاوے جیسے قومی رہنماؤں نے اس کے خلاصے لکھے ہیں اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے اس کے مضامین کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، مزید برآں گیتا کو ملک کے درسی نصاب کا حصہ بنانے کی تجویز بھی بار بار پیش کی جاتی رہی ہے۔

گیتا کے تراجم

اُردو، عربی اور فارسی میں گیتا کے تراجم موجود ہیں، انور جلالپوری کی کتاب ''اُردو شاعری میں گیتا'' حال ہی میں جولائی ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آئی ہے، اس سے قبل گیتا کے اُردو تراجم میں سوامی اڈ گڈانند کا ترجمہ 'شری بھگوت گیتا (یتھارت گیتا)' 'انسانی شریعت' ڈاکٹر حسن الدین احمد کا 'نغمۂ الوہیت' (۱۹۴۵ء)، ایس ٹی وینکٹ اپیل چاری کا 'شری مد بھگوت گیتا نغمۂ الٰہی' (۲۰۱۲ء)، ڈاکٹر اجے مالویہ کا مختصر ترجمہ، اِسکان (Iskcon) کا ترجمہ، منشی شیتل پرساد کا 'گلدستۂ حقیقت' بنت زہرا رضوی کا سادہ اُردو ترجمہ، وغیرہ قابل ذکر ہیں، عربی میں گیتا کا پہلا ترجمہ روا ناری پر بھونے ۱۹۷۸ء میں پیش کیا۔

◆ صدر : یونیورسل نالج ٹرسٹ، نئی دہلی۔

کرشن کے نبی ہونے کی آراء

پرنس طلال بن ولید اسکول آف اسلامک اسٹڈیز، ہارورڈ یونیورسٹی کے ویزیٹنگ فیلو قاسم رشید نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں دو حوالوں کا ذکر کیا ہے، جن میں شری کرشن کو نبی بتایا گیا ہے، ان میں سے ایک کے بارے میں حدیث ہونے کا گمان ہے اور دوسرے میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے اظہار خیال کا ذکر ہے، موصوف نے دیلمی کی کتاب 'الفردوس' کی ایک روایت نقل کی ہے: ''كان في الهند نبي اسود اللون اسمه كهينا'' (ہند میں ایک نبی آیا تھا، جو سیاہ رنگ کا تھا اور اس کا نام کنہیا تھا) یہاں کنہیا سے مراد کنہیا یا کرشن ہے، شاہ جہاں پور مناظرے کے حوالے سے محقق کہتا ہے کہ مولانا نانوتویؒ کی رائے تھی کہ ''شواہد اور مذکورہ روایت کی رو سے شری کرشن ایک حقیقی نبی لگتے ہیں'' مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ: ''رام اور شری کرشن شاید اپنے دور کے نبی تھے مگر یہ بات وثوق کے ساتھ تسلیم نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ قرآن اس سلسلے میں خاموش ہے'' اٹھارہویں صدی کے مشہور صوفی عالم مرزا مظہر جان جاناںؒ ان دونوں شخصیات کو نبی تسلیم کرتے تھے، علمائے فرنگی محل کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شری کرشن کو نبی تسلیم کرتے تھے، کچھ دانشور شری کرشن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں میں پائی جانے والی مماثلت کو بھی زیر بحث لاتے ہیں، ان تمام حوالوں کو یہاں پیش کرنے کی غرض محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ گیتا اور شری کرشن کے تعلق سے مسلم معاشرے میں ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے اور خاص طور پر یہ دیکھ کر کہ گیتا کی تعلیمات کا قرآن کی بنیادی تعلیمات سے اختلاف ہونے کے باوجود دونوں میں بہت کچھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔

گیتا میں تحریف

یہ پہلے ایک آزاد وجود رکھتی تھی اور پہلی صدی مسیح قبل میں اسے مہابھارت کی کہانی کا حصہ بنایا گیا ہے، پریم ناتھ بجاج نے اپنی مشہور کتاب 'دی رول آف گیتا ان انڈین سوسائٹی' میں ذکر کیا ہے کہ ویدویاس (वेदव्यास) کے گیتا کو مہابھارت کی کہانی میں شامل کرنے اور اس میں ردوبدل سے پہلے اس میں کم سے کم تین بار تحریف ہوئی ہے، مشہور مؤرخ ڈاکٹر روملا تھاپر کا خیال ہے کہ آغاز میں گیتا ایک لادینی (secular) کتاب تھی، ڈاکٹر پھل جینڈا سنہا کہتے ہیں کہ اسلام سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے آٹھویں صدی میں گیتا میں ایک بڑی تحریف ہوئی اور کپل اور پتنجلی کے دور کی 84 اشلوکوں کی گیتا 700 اشلوکوں کی گیتا بن گئی جنھیں 18 ابواب میں پیش کیا گیا ہے، جی ٹی ایف جارڈن کے مطابق مہابھارت اور دوسری مقدس کتابوں کی بڑی تحریف سن 500 سے 1600 کے درمیان عمل میں آئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس تمام عمل کے ذریعے ہندوؤں میں مقبول چھ فلسفوں میں تطبیق اور ان میں باہم ربط

اور مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ چنانچہ گیتا کے مختلف ابواب میں سانکھیہ، نیایے، یوگا، ویشیشک اور ممانسا فلسفوں کا رنگ نظر آتا ہے اور آخری فلسفے ویدانت یعنی ویدوں کے خلاصے پر مبنی تین اہم کتابوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے، گیتا میں تحریف کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ دور حاضر میں بھی گیتا کے کل اشلوکوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جن کی تعداد مختلف نسخوں میں 671 سے لے کر 745 تک ہے، ابھی حال ہی میں آر ایس ایس سے جڑے اداروں نے بشمول گیتا ہندوؤں میں پڑھی جانے والی کئی مقدس کتابوں کے چند حصوں کو حذف کیا ہے، عام ہندوؤں کا عقیدہ چاہے جو بھی ہو، موجودہ گیتا ایک تحریف شدہ کتاب ہی تسلیم کی جائے گی۔

گیتا کیسے وجود میں آئی؟

گیتا کو بنیادی طور پر شری کرشن اور ارجن کے مکالمے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، اس مکالمے کو مہابھارت نامی عظیم جنگ کے پہلے دن کی روداد کے طور پر کورو بادشاہ دھرتراشٹ (धृतराष्ट्र) کے سامنے ان کے وزیر سنجے نے پیش کیا ہے اور ان دونوں کا باہم کلام بھی گیتا کا حصہ ہے؛ لہٰذا روایت کے مطابق گیتا میں الفاظ سنجے کے ہیں، جو شری کرشن اور ارجن کی ایک لمبی گفتگو کے لئے اپنے بادشاہ کے سامنے ان کے الفاظ میں نقل کرتا ہے اور بعد میں وید ویاس نے شری گنیش کی مدد سے مرتب کر کے اسے مہابھارت نامی طویل داستان کا حصہ بنایا۔

گیتا کے آغاز میں درج ہے کہ پانڈوؤں کا سپہ سالار ارجن کوروؤں سے جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے مقابل خود اس کے اپنے رشتہ دار، دوست، احباب اور اساتذہ تھے، جن کے ساتھ حکومت میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے جنگ کرنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا، ارجن کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے کی غرض سے شری کرشن نے ارجن کو سمجھایا کہ اس دنیا میں ہر ایک کو اپنا اپنا کردار نبھانا ہوتا ہے اور ایک کشتریہ (क्षत्रीय) کا مذہب یہی ہے کہ وہ اپنے حق کی خاطر اور معاشرے میں انصاف قائم کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے، شری کرشن نے ارجن کو ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ روح، زندگی کی اصل ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی تو پھر جنگ کے دوران مرنے والوں پر افسوس کرنا فضول ہے، ہر ایک کو دنیا میں ملوث ہوئے بغیر اور اس کا ناگزیر استعمال کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے اپنی آگے کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، جب انسان اس طرح زندگی گزار لیتا ہے تو وہ جنت کا حقدار ہوتا ہے، شری کرشن کی تعلیمات کے ذریعہ ارجن نے جنگ میں حصہ لیا اور اپنے حزب کے ساتھ فتح یاب ہوا۔

اس تمہیدی بیان کے بعد اب عنوان کے اصل موضوع پر گفتگو کرنا مناسب ہوگا:

شری کرشن اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں یکسانیت

سب سے پہلے ہم گیتا میں درج شری کرشن کے پیغام اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں یکسانیت تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

1. چند بنیادی اختلافات کے باوجود دونوں کا مقصد موجودہ دنیا میں انسانی سماج کو بہتر بنانا ہے، یہ تبھی ممکن ہے، جب انسان دین و مذہب کے مطابق زندگی گزارے، اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا مطمح نظر آ گے آنے والی زندگی ہو، جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ موجودہ زندگی کو وہ کس طرح استعمال کرتا ہے، اور اس کے لئے اخلاص نیت و عمل صالح ایک بنیادی شرط ہے، جہاں پیغمبر اسلام نے ''لا رهبانية في الاسلام '' کہہ کر ترک دنیا کے مقابلے عمل صالح کو فوقیت دی، وہیں اسی بات کو گیتا میں دوسرے انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے ''اگر چہ ترک دنیا اور نشکام اعمال دونوں نجات کی طرف لے جاتے ہیں مگر ترکِ دنیا کے مقابلے نتائج سے ماورا عمل بہتر ہے'' तयोस्तु कर्मसंन्यासात्कर्मयोगो विशिष्यते(5.2) ایک اور اشلوک (18.7) میں یہ کہا گیا ہے :

नियतस्य तु संन्यास: कर्मणो नोपपद्‌यते।
मोहात्तस्य परित्यागस्तामस: परिकीर्तित:।।
مگر فرائض سے جڑے عمل کو ترک کرنا درست نہیں ہے۔
اور ایسی سوچ دراصل جاہلیت کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔

عربی زبان میں 'عمل' انسان کے اس فعل کو کہا جاتا ہے، جس میں اس کا ذہن بھی ملوث ہو اور 'عمل صالح' کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے: ''عمل صالح ایک ایسا عمل ہے، جو جائز اور عدل پر مبنی ہو، پاک نیت کے ساتھ کیا جائے اور جو مطلوبہ مقصد کے لئے مناسب ہو اور جو عامل اور انسانیت دونوں کے لئے مفید ہو اور جس کا اصل محور رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو' اسی طرح گیتا میں سکھائے گئے نشکام کرم (निष्काम कर्म) کے معنی ہیں، ایک ایسا عمل جو عامل اپنا فرض سمجھ کر اور نتائج سے ماورا ہو کر فقط اپنی دائمی نجات کو سامنے رکھ کر کرتا ہو اور جس میں تمام مخلوقات کا خیر مقصود ہو، کہا گیا ہے: ''نتائج سے ماورا ہو کر اپنے فرض کی ادائیگی کرنے والا شخص عظیم ہستی تک پہنچ جاتا ہے'' :

असक्तो ह्याचरन्कर्म परमाप्नोति पूरुष: (3.19)

پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان ہے: ''عمل کا دارومدار نیت پر ہے'' إنما الأعمال بالنيات، (۱) قرآن مجید میں انسان کی کامیابی کے لئے اخلاص اور حنفیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ایک مومن کو یہ دعا سکھائی گئی: سب سے

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۔

یکسوہو کر میں نے اپنے منہ کو اُس کی طرف متوجہ کیا، جس نے آسمان اور زمین بنائی ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ''۔(۱)

گیتا میں ایک جگہ (9.34) یوں بیان کیا گیا ہے :

اپنی پوری توجہ مجھ پر مرکوز کر کے پوری طرح میری عبدیت اختیار کر کے، میری عبادت کا حق ادا کر کے، میرے سامنے جھک کر، اس طرح مکمل طور پر مجھ سے جڑ کر اور مجھ ہی کو اپنا مقصود بنا کر تم مجھے حاصل کر سکتے ہو۔

मन्मना भव मद्भक्तो मद्याजी मां नमस्कुरु।
मामेवैष्यसि युक्त्वैवमात्मानं मत्परायण:।।

گیتا کے آخری باب میں جن اعمال صالحہ کا شمار کیا گیا ہے، ان میں بہت سوں کی تعلیم پیغمبر اسلام ﷺ نے بھی دی ہے، مثلا براہمنوں کے لئے اطمینان قلب، ذہن کو قابو میں رکھنا، سادگی، پاکیزگی، صبر، تقویٰ، علم، تفقہ اور استقامت، کشتریوں کے لئے بہادری، فیاضی، میدان جنگ کی تعلیم اور باوقار قیادت، ویشیوں کے لئے کاروبار، زراعت اور مویشیوں کو پالنے کا کام؛ البتہ اسلام میں سماجی طبقات کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے، جس طرح اسلام میں عبادت، صدقہ اور صبر کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح گیتا نے یگیہ، دان اور تپ پر زور دیا ہے، مثلاً گیتا کے باب ۱۸ اشلوک ۵ میں کہا گیا ہے: ''یگیہ، دان اور تپ عقلمند لوگوں کو پاک کرنے والے ہیں'' यज्ञो, दानं तपश्चेव पावनानी मनीषिणाम् گیتا میں مذکور یوگا محض آسنوں کا نام نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک مافوق الفطرت ہستی سے وابستہ ہونے کے لئے وجود میں آئے انسان کے تمام تر علم، عمل اور نفس کی مکمل آمادگی اور ربط کا نام ہے، اس لئے گیتا میں گیان یوگا، کرم یوگا، سنیاس یوگا اور دھان یوگا کی مربوط تعلیم دی گئی ہے، یہ اسلام میں رب العالمین کے حضور میں مکمل خودسپردگی جیسا ہی ہے۔

2. انسان کو ناحق ظلم اور خون خرابہ سے بچنا چاہئے؛ اگر حق اور انصاف کے لئے ضروری ہو تو جنگ کا راستہ بھی اختیار کرنا چاہئے؛ تاکہ ظلم اور استبداد کی سرکوبی ممکن ہو، اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم سے اکثر لوگ واقف ہیں، اسی طرح یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ گیتا فلسفۂ جنگ کی کتاب ہے، اگرچہ لفظ جہاد لازماً جنگ کے تصور کے مقابلے میں ہر قسم کی انتہائی جدوجہد کے لئے مستعمل ہے؛ مگر اس کا ایک مرحلہ 'قتال' یعنی جنگ بھی ہوسکتا ہے، گیتا میں بھی جنگ کو نشکام کرم کی ایک شکل کے روپ میں ہی پیش کیا گیا ہے۔

(۱) الانعام:۷۹۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ’’جنگ کروان سے جوتمہارے خلاف برسرِ پیکار ہیں، مگر حد سے تجاوز نہ کرو‘‘ ’’وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا‘‘(۱) گیتا میں ارشاد ہے: ’’ایک کشتریہ کے لئے دھرم یودھ سے بالاتر کوئی عمل نہیں‘‘ (2.31) धर्म्याद्धि युद्धाच्छेयाऽन्यत्क्षत्रियस्य न विद्यत ایک اور جگہ اسے ’دھرم سنگرام‘ (धर्मसंग्राम) سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔(2.33)

قرآن اور گیتا دونوں میں حق کے خلاف لڑنے والوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے گناہوں اور ظلم کے پاداش میں انھیں اصلاً خدا کے ہاتھوں ہی موت آتی ہے؛ مگر بظاہر وہ اپنے مدمقابل کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے: تم نے انھیں نہیں مارا؛ مگر اللہ نے انھیں ہلاک کیا ’’فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ‘‘(۲) گیتا میں بھی کہا گیا ہے: ’’میں نے انھیں پہلے ہی مار دیا ہے‘‘ पूर्वमेव निहता: मयैवैते (11.33) یعنی مقدس جنگ میں حقیقت میں ایک جانب اس کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہوتی ہے، تو دوسری طرف لادینیت، جہالت اور ظلم کے علمبردار ہوتے ہیں، جن کی طے شدہ ہلاکت اور شکست محض وقت کی بات ہوتی ہے۔

3. انسان کا اچھا عمل اچھا نتیجہ پیدا کرتا ہے اور اس کا برا عمل برا نتیجہ پیدا کرتا اور انسان یہ نتائج اس دنیا میں بھی بھگتتا ہے اور بعد میں آنے والی زندگی میں بھی۔

مثلاً گیتا میں کہا گیا ہے کہ صالح عمل (सुकृतं) کا ثمرہ خیر (सात्तविकं) ہے اور بدعمل (रजस) کا نتیجہ ناشادی اور جاہلیت، اور ظلمت (तमस) ہے :

कर्मण: सुकृतंस्याहु सात्त्विकं निर्मलं फलम्।
रजसस्तु फलं दु:खमज्ञानं तमस: फलम्।।

قرآن میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے کہ ہر متنفس کو اپنے کئے کا انجام بھگتنا ہے: ’’کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ‘‘۔(۳)

4. انسان کی کامیابی کے لئے علم، عمل اور عبدیت کی یکساں ضرورت ہے، گیتا میں گیان یوگ، کرم یوگ اور بھکتی یوگ کے عنوان سے ان ہی اُمور پر روشنی ڈالی گئی ہے؛ جب کہ قرآن مجید میں معرفت الٰہی اور آیات کائنات پر غور و خوض اور تلاش حق، عمل صالح اور حنفیت پر اصرار پایا جاتا ہے، وہیں گیتا کائنات کی حقیقت کو جاننے، بے لوث عمل کرنے اور مقصدی انہماک پر زور دیتی ہے۔

---

(۱) البقرۃ:۱۹۰۔ (۲) الانفال:۱۷۔
(۳) النحل:۱۱۱۔

قرآن میں انسان کوحکم دیا گیا ہے: میری بندگی اختیار کرو اور میری یاد میں صلوۃ قائم کرو''فَاعۡبُدۡنِیۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكۡرِیۡ''۔(۱)

گیتا میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:''وہ جو اپنے تمام عمل مجھ سے وابستہ کر کے اور مجھے اپنا مقصود مان کر یوگا کرتے ہیں اور میری یاد میں ڈوبے رہتے ہیں، میں جلد ہی انھیں نجات عطا کروں گا''۔(12.6-7)

ये तु सर्वाणि कर्माणि मयि संन्यस्य मत्परा:
अनन्येनैव योगेन मां ध्यायन्त उपासते......

5. گیتا اور مہا بھارت میں شری کرشن کی دو کیفیات ہیں: ایک دین و مذہب کے احیا اور انصاف کی لڑائی لڑنے کے لئے معاشرے کو بیدار کرنے والے ایک مثالی انسان کا اور اسی کام کے لئے انسانی قالب میں اوتار کی شکل میں خود الہ کائنات کا انسانی ہیئت میں رہنما ہونے کا، حضرت محمد ﷺ کو قرآن نے ایک مثالی انسان، یعنی اُسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا ہے اور شری کرشن کو پورن (مکمل) اوتار کہا جاتا ہے، اگر شری کرشن کے بارے میں ان کی دوسری حیثیت کے دعوے کو نظر انداز کر دیا جائے یا اسے باطل سمجھا جائے، تو یہ دونوں ہستیاں زندگی کے ہر میدان میں انسانی معاشرے کو مکمل رہنمائی دے سکتی ہیں؛ البتہ شری کرشن کی مثال میں اخلاقی پہلو سے بہت سے قابل تنقید عوامل نظر آتے ہیں وہیں پیغمبر اسلام کی مثال میں اس لحاظ سے پختگی نظر آتی ہے۔

شری کرشن اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں بنیادی فرق

شری کرشن اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں کئی قسم کی ہم آہنگی کے باوجود دونوں میں بنیادی فرق موجود ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے۔

1. گیتا اور قرآن کا تصور کائنات یکساں نہیں ہے، قرآن کے مطابق اللہ نے اس کائنات کو اپنی قدرت اور قوت سے بنایا ہے اور وہی اس کا فرماں روا اور رب ہے، مگر وہ مخلوق کا حصہ نہیں ہے، انسان اللہ کا بندہ ہے اور اپنے مالک کی رضا اس کا مطمح نظر ہونا چاہئے، خود پیغمبر اسلام ﷺ کو اللہ کا بندہ اور بشر رسول کہا گیا ہے۔

یوں تو گیتا میں پرماتما (परमात्मा)، برہم (ब्रह्म) (5.6)، پربھو (प्रभु) (5.14)، پرم پرشم دیویم (परमं पुरुष दिव्यं) (8.8)، سرولوک مہیشورم (सर्वलोकमहेश्वरम्) (5.29) جیسے ناموں کے ساتھ ایک آفاقی حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے؛ مگر اس کے باب 11 اشلوک 9 میں شری کرشن کو بھی ایک آفاقی حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس باب میں وشوروپدرشن (विश्वरूपदर्शन) کے حوالے سے ارجن کو شری کرشن کے وجود کی ایک عظیم آفاقی

(۱) طٰہٰ:۱۴۔

حقیقت کے دیدار کرائے جانے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس میں شری کرشن کی اصل شخصیت میں کائنات کے گم ہونے کا دعوی کیا گیا ہے، مثلاً :

एवमुक्त्वा ततो राजन् महायोगेश्वरो हरि:।
दर्शयामास पार्थाय परमं रूपेश्वरम्।

(سنجے نے کہا) اے بادشاہ، ایسا کہہ کر عظیم یوگی ہری
نے ارجن کو اپنا انتہائی خدائی روپ دکھایا۔

اسی بات کو اشلوک 13 میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ارجن نے اس وقت خداؤں کے خدا کے جسم میں تمام کائنات کے دیدار کئے، اس کے برعکس قرآن (7.143) ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اپنی موجودہ ہیئت میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتا؛ البتہ آخرت میں اسے اللہ کا دیدار ہوگا جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ''قَالَ لَنۡ تَرٰىنِىۡ''۔(۱)

خود گیتا میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ ارجن جب شری کرشن سے ان کی عظیم ہستی کے دیدار کا مطالبہ کرتا ہے تو شری کرشن کہتے ہیں کہ تم مجھے ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے؛ لہٰذا میں تمہیں روحانی آنکھیں دیتا ہوں۔(11.8)

न तु मां शक्यसे द्रष्टमनेनैव स्वचक्षुषा
दिव्यं ददामि चक्षु: पश्य मे योगश्वरम्।।

2. موجودہ زندگی کے بعد کی زندگی کے بارے میں گیتا اور قرآن کے نظریہ میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے، اگرچہ باب 2 کے اشلوک 13 میں ''دیہانتر پراپتی'' (देहान्तरप्राप्ति) کہہ کر موجودہ جسم کے بعد روح کو ایک نیا جسم ملنے کی بات کہی گئی ہے، جس کا تعلق آخرت میں ملنے والے نئے جسم سے بھی ہوسکتا ہے، اسی باب کے اشلوک 51 میں ''جنم بندھ ویز موکتے'': जन्मबंधविनिर्मुक्त یعنی زندگی اور موت کے نظام سے آزادی کی بات کہی گئی ہے، جس کی ایک تعبیر آخرت کی ہمیشگی بھی ہوسکتی ہے، مگر اس باب کے اشلوک 22 میں یہ کہہ کر کہ جس طرح انسان اپنے کپڑے تبدیل کرتا ہے، اسی طرح روح جسم بدلتی رہتی ہے، فلسفۂ اواگمن کی تائید کی گئی ہے جو کہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے مناسبت نہیں رکھتا :

वासांसि जीर्णानि यथा विहाय नवानि गृहणाति नरोऽपराणि।
तथा शरीराणि विहाय जीर्णान्यन्यानि संयाति नवानि देही।।

آگے چل کر اسی بات کو اور واضح کرتے ہوئے گیتا کے باب 4 کے اشلوک 5 میں یوں کہا گیا ہے: ''ارجن، تم اور میں بہت سے جنم لے چکے ہیں، ان کے بارے میں میں جانتا ہوں مگر تم نہیں جانتے'' :

बहूनि मे व्यतीतानि जन्मानि तव चार्जुन।
तान्यहं वेद् सर्वाणि न त्वं वेत्थ परन्तप।।

(۱) الاعراف:۱۴۳۔

3. تصور روح کے سلسلہ میں بھی دونوں عقائد میں اختلاف پایا جاتا ہے، قرآن میں اللہ کہتا ہے: ''یہ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ روح اللہ کے ایک حکم کا نام ہے، (دراصل) علم کا ایک تھوڑا ہی حصہ تمہیں دیا گیا ہے'' (وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا) (۱) قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جب انسان کے ابتدائی جسم کو بنا لیتا ہے تو اس میں اپنی روح پھونکتا ہے: ''فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ'' (۲) قرآن مجید میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی روح اور مقدس روح کہا گیا ہے۔

اسلام میں روح کے سلسلے میں جو تصور پایا جاتا ہے، اس کی رو سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے جسم میں اللہ جس روح کو پھونکتا ہے، وہ محض اس کا حکم ہے، جس کی وجہ سے انسان وجود میں آتا ہے اور دنیائے فانی میں اپنے عمل کے ذریعے ایک ابدی زندگی تلاش کرتا ہے، یہ روح موت کے بعد انسانی جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کے حکم سے آخرت میں ایک نئے جسم میں داخل ہو کر ایک ابدی زندگی کے لئے تیار کی جاتی ہے، جہاں اس موجودہ زندگی کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ صادر ہوتا ہے، اسلام پنر جنم کا قائل تو ہے؛ مگر موجودہ زندگی کے بعد صرف ایک اور جنم کا، اسلام موجودہ زندگی کو ہی انسان کی پہلی اور ابتدائی زندگی مانتا ہے اور آخرت میں اللہ اور انسانی روح کے جمع ہونے کا قائل نہیں ہے، سورۂ اعراف آیت: 171 کے جملے: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے ضمن میں جو مباحث پائے جاتے ہیں، خاص طور پر حضرت ابی بن کعبؓ کا قول، اس سے یہ خیال یقیناً پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے ارواح پہلے سے ہی کہیں موجود ہیں اور وہیں سے اللہ کے حکم سے آکر انسانی جسم میں داخل ہو جاتی ہیں؛ حالاں کہ مذکورہ آیت کو کئی طرح سے سمجھا جا سکتا ہے، مگر اس کی مشہور تفسیر کی رو سے بھی ارواح چاہے جہاں موجود ہوں، اللہ اور ارواح کو ایک نہیں سمجھا جا سکتا۔

اسلام کے برعکس گیتا میں عقیدۂ اواگمن کا رنگ غالب ہے، گیتا میں روح کے لئے 'آتما' (आत्मा) کا لفظ کا استعمال کیا گیا ہے اور کائنات کی اصل حقیقت کے لئے 'پرماتما' (परमात्मा) یعنی روح مطلق، مگر گیتا میں اکثر یہ 'خود' یا 'خودی' کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے مثلاً 'آتموان' (आत्मवान) 'آتمنام' (आत्मनाम) (3.27) وغیرہ، بہت سے مقامات پر 'دیہن' (देहिन) یعنی نفس لفظ کا ترجمہ بھی 'روح' کیا گیا ہے (2.13,2.22,3.40) جو کہ صحیح محسوس نہیں ہوتا، کئی جگہ پر روح سے مراد 'میں' یعنی شری کرشن لیا گیا ہے، مثلاً ''میری مایا'' (4.6) (आत्ममायया) روح دنیا میں کیوں آتی ہے، اس کی کوئی معقول دلیل گیتا میں نہیں ملتی، بہر حال تقریباً روح کو اجر، امر سمجھا جاتا ہے جو روح مطلق

(۱) بنی اسرائیل: ۸۵۔ (۲) الحجر: ۲۹۔

سے نکل کر دنیا میں آتی ہے اور جسم کے ساتھ جڑ کر ایک وقت دنیا میں گزارتی ہے اور نجات پا کر پھر اپنے ماخذ سے جا ملتی ہے، تاہم گیتا کے الفاظ میں اس ملن کو واضح طور پر پیش کرنے سے گریز پایا جاتا ہے اور اکثر 'ملاقات' کا تاثر ہی پیدا ہوتا ہے، مگر اس کی نفی بھی نہیں پائی جاتی ہے، پرماتما، برہم، پوروش یا ہری کے ساتھ روح کے ''جڑنے / ریوکت ہونے'' کی جو تفسیر کی جاتی ہے، وہ یہی تاثر دیتی ہے۔

4. گیتا اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں جو سب سے بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے، وہ حصول عبدیت کے سلسلے میں ہے، گیتا ایک غیر محسوس طریقے سے وحدۃ الوجود کی تائید کرتی نظر آتی ہے، جب کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآن کی تعلیمات اس نظریہ کے برعکس ہے، گیتا کے باب 18 اشلوک 20 میں کہا گیا ہے: ''اسی علم کو تمہیں خیر مند سمجھنا چاہئے، جس علم سے اس ناقابل تجسیم شخصیت کو ہر چیز میں دیکھا جا سکے، جو بے شمار اجزا میں منقسم ہے''۔

सर्वभूतेषु येनैकं भावमव्ययमीक्षते।

अविभक्तं विभक्तेषु तज्ज्ञानं विद्धि सात्विकम्।।

جہاں اسلام کے مطابق انسان کی زندگی کا مطمح نظر رضاء الٰہی اور اس کے نتیجے میں جنت کی ابدی زندگی ہونا چاہئے وہیں ویدانت کے فلسفے کے مطابق انسانی روح کا آفاقی روح میں گم ہو کر مطلوبہ وحدت حاصل کرنا ہی انسان کے سفر حیات کا حاصل ہے اور گیتا میں اس کی تائید ملتی ہے، تاہم گیتا میں حصول جنت کو بھی اس سفر کی ایک منزل قرار دیا گیا ہے، مثلاً ارجن سے شری کرشن نے کہا: ''اگر در پیش جنگ میں تم مارے گئے تو تمہیں جنت ملے گی اور فتح یاب ہو گئے تو حکومت'' हतो वा प्राप्स्यसि स्वर्गो जित्वा वा भोक्ष्यसे महीम्، مگر ویدانت کے رنگ میں رنگی گیتا پر وحدۃ الوجود کا رنگ ہی زیادہ غالب ہے، جس میں برہم کے ساتھ آتما کے ملن کا تصور پایا جاتا ہے، اور جہاں اس میں جنت کا تصور پیش کیا گیا ہے وہیں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ حصول جنت اصل نجات نہیں ہے، گیتا کے باب 9 اشلوک 21-20 میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ویدوں کے جاننے والے اور ان کی تعلیمات پر سچے دل سے عمل کرنے والوں کو جنت نصیب ہوتی ہے، مگر ایک عرصے تک جنت میں اپنی نیکیوں کا بدلہ پا کر پھر انھیں مرتیولوک (मृत्यलोक) میں آ کر اپنا سفر حیات جاری رکھنا پڑتا ہے، لوگوں کی مکمل نجات کے لئے ضروری ہے کہ وہ شری کرشن کے بتائے ہوئے ''نشکام کرم'' (निष्कामकर्म) کا راستہ اختیار کریں۔

5. اسلام ہی ایک ایسا واحد نظریہ ہے، جس میں انسان کو اپنی پیدائش کے وقت معصوم تصور کیا جاتا ہے، یہودیت اور عیسائیت میں ''گناہ اول'' (Original sin) کا تصور پایا جاتا ہے، جس کے مطابق آدم کی خطا کا اثر تمام اولاد آدم پر ہے، ہندو مذہب، بدھ دھرم اور جین مت میں انسان کے وجود کا سبب ہی اعمال (کرم) ہے، یعنی

گزشتہ جنم کے گناہ کا بوجھ اور اس کی نجات کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ یہ بوجھ کم سے کم ہو اور آخر میں صفر رہ جائے اور اسی لئے ان مذاہب میں رہبانیت کو نجات کے لئے اہم مانا جاتا ہے، گیتا بھی اس خیال کی تائید کرتی ہے، مگر اس کے لئے اس میں ترک دنیا کے بجائے نتائج سے ماورا عمل پر زور دیا گیا ہے۔

حاصل مطالعہ

گیتا اور قرآن کے تقابلی مطالعہ اور شری کرشن اور حضرت محمد ﷺ کی زندگیوں پر ایک گہری نظر ڈالنے سے کچھ اہم پہلو سامنے آتے ہیں :

1. گیتا میں انسانی معاشرے کے لئے جس مثالی زندگی کا تصور پیش کیا گیا ہے، وہ زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں نظر آتی ہے، گیتا کے اشلوکوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گیتا میں جن اُمور پر زور دیا گیا ہے، وہ ہیں: یوگا योग، نشکام کرم निष्काम-कर्म اور اننیہ بھکتی अनन्य-भक्ति، یوگا سے مراد اکثر ایک خاص طرز کے مراقبے سے لیا جاتا ہے، مگر گیتا نے اس کے معنی میں وسعت دے کر اسے مافوق الفطرت ہستی سے رابطے کے معنی میں لیا ہے، اسی لئے ''یوگ یوکت'' योगयुक्त لفظ کا بار بار استعمال کیا گیا ہے، جس سے مراد ہے انسان کا برہم، پوروش یا کائنات کی ماورا ہستی سے ایک عابد کا یکطرفہ تعلق۔

باب 6 اشلوک 47 میں ''یوکتتمو'' युक्ततमो اس یوگی کو کہا گیا ہے، جو مکمل ایمان اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ماورائے دنیا ہستی کی عبادت میں لگا رہے، قرآن اور پیغمبر اسلام کی مکمل زندگی شاہد ہے کہ آپ نے اللہ کی عبادت اور بندگی کا حق اسی طرح ادا کیا ہے، مغیرہ ابن شعبہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز میں اس قدر قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیروں میں ورم آ جاتا تھا، آپ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں تو آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا: ''کیا میں ایک شکر گزار بندہ نہ بنوں'' أفلا أكون عبدا شكورا، (۱) آپ ﷺ کی تعلیم کا ہی اثر تھا کہ ایک بار حضرت علیؓ کی پیٹھ میں داخل ایک تیر کو نکالنے کے لئے نماز کے وقت کا انتظار کرنا پڑا؛ تاکہ نماز میں آپ کے انہماک کے وقت بغیر درد کے احساس کے ایسا کرنا ممکن ہو جاتا، پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے بیشتر صحابہ کی عبادات کے خشوع خضوع کا حال دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ''یوکتتمو'' کی تعریف سے کہیں آگے تھے۔

نشکام کرم کی بھرپور تعلیم اسلام میں موجود ہے، اسلام میں ریا اور نمود کو ام الامراض مانا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ اخلاص عمل کے دشمن ہیں، اسلام میں نفاق ایک بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے، یہ تمام ایسی خرابیاں ہیں جو انسان کے

(۱) صحیح مسلم، باب اکثار العمل، حدیث نمبر:۲۸۱۹۔

عمل صالح کو بدنما کر دیتی ہیں، جب انسان فقط اللہ کی رضا کی خاطر عمل کرتا ہے تو ایسا عمل ہی قابل قبول سمجھا جاتا ہے، یہی نشکام کرم ہے۔

اننیہ بھکتی (अनन्यभक्ति) یعنی پر اخلاص عبادت کی جیسی واضح تعلیم اسلام میں پائی جاتی ہے، شاید ہی کہیں ملتی ہو، اننیہ بھکتی کا مطلب ہے مکمل یکسوئی کے ساتھ ایک رب واحد کی عبادت کی جائے، اسلام میں شرک ہی سب سے بڑا گناہ ہے، جو اللہ کبھی معاف نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ''۔(۱)

گیتا نے جن الفاظ میں ایک مثالی عابد کو یاد کیا ہے وہ ہیں: ستتھی پرگیہ (مستقیم)، (स्थितिप्रज्ञ) مہاتمن (عظیم روح)، (:महात्मान) موکشو (طالب نجات) (:मुमुक्षुभि) پرم شانت (پرسکون)، (परमशांत) نتیہ یوکت (مقرب)، (नित्युक्त) ساہتہ (مشکور وصابر)، (:समाहित) وغیرہ، یہ تمام اصطلاحات اسلام میں کسی نہ کسی طور پر مستقلاً موجود ہیں اور نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ اور تابعین وتبع تابعین کا متبعین مطمح نظر تھے، مثلاً قرآن کا یہ قول ان تمام الفاظ پر محیط ہے: ''اے اطمنان پانے والی نفس، لوٹ چل اپنے پروردگار کی جانب، تو اس سے راضی اور وہ وہ تجھ سے راضی'' يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ، ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔(۲)

2. تحریفات کی وجہ سے گیتا چھ رائج الوقت فلسفوں کا مرکب بن کر رہ گئی ہے اور اس کے متن میں ان سب کی رعایت نظر آتی ہے، گیتا کے باب 18 کو مختلف فلسفوں کے مطابق تقسیم بھی کیا جاتا ہے، کہیں ویدوں کا حوالہ ملتا ہے تو کہیں ان پر تنقید (2.43) کہیں برہم کو کائنات کا آغاز کرنے والا (सृष्ट्वा पुरोवाच प्रजापति)(3.10) اور سب پر چھا جانے والا (सर्वगतं ब्रह्म) کہا گیا ہے (3.15) اور کہیں شری کرشن خود کو تمام موجودات کا آقا (भूतानामीश्वरो) کہتے ہیں (4.6) ایک جگہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''برہم'' بھی شری کرشن کی وسعتوں میں قائم ہے (ब्रह्मणो हि प्रतिष्ठाऽहम)(14.27)، کہیں شری کرشن ارجن کو بتاتے ہیں کہ خدا ہر زندہ چیز کے دل میں رہتا ہے، (ईश्वर: सर्वभूतानां हृद्देशे तिष्ठति)(18.61) اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ اسی کی پناہ میں انسان کو جانا چاہئے (18.62)(तमेव शरणं गच्छ सर्वभावेन)، تو کہیں نجات کے لئے شری کرشن اپنی پناہ کو اہم قرار دیتے ہیں (सर्वधर्मान्परित्यज्य मामेकं शरणं वज)(18.67)؛ بلکہ خود کو دوسرے خداؤں سے بھی اوپر قرار دیتے ہیں (मत्त: परतरं नान्यत्किञ्चिदस्ति)(7.7)۔

(۱) النساء:۴۸۔ (۲) الفجر:۲۷-۲۸۔

3. بہرحال ایسے تمام تضادات اور تحریفات کے باوجود اگر شری کرشن کو فقط ایک نبی کے مماثل انسان تسلیم کرلیا جائے اور گیتا میں جہاں 'میں'، میرے، میری' وغیرہ، کے الفاظ آئے ہیں، انھیں شری کرشن سے موسوم کرنے کے بجائے خدا سے نسبت دی جائے تو بڑی حد تک گیتا کی تعلیمات میں توحید کا رنگ نظر آئے گا، مثلاً یہ اشلوک (9.25) ملاحظہ ہو :

यान्ति देवव्रता देवान् पितृन्यान्ति पितृव्रता:।
भूतानि यान्ति भूतेज्या यान्ति मद्याजिनोऽपि माम्।।

معبودوں کی بندگی کرنے والے معبودوں کو پہنچتے ہیں، اجداد کے
بندے اجداد کو پہنچتے ہیں، ارواح کی عبادت کرنے والے ارواح کو
اور فقط میرے بندگی کرنے والے مجھ تک کو پہنچتے ہیں۔

باب 7 اشلوک 17 میں ''ایک واحد کی عبادت کو خاص کرکے'' (एकभक्तिर्विशिष्यते) کے حوالے سے یہ کہ کرکہ ''بس ایک لاشریک کی یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے والا ہی مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے'' توحید کو خاص کیا گیا ہے۔

4. باب 11 میں جس وشوروپم کا دیدار ارجن کو کرایا گیا ہے، اس کو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہونے والے اس واقعہ کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے، جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصل ہیئت کے دیدار پیغمبر اسلام ﷺ نے اُفق پر کئے، جس کا ذکر سورہ تکویر آیت :23 میں آیا ہے اور جسے دیکھ کر آپ ﷺ مبہوت ہوگئے تھے؛ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ جس ہیئت کو ارجن نے دیکھا تھا وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں، جسے شری کرشن کے طور پر اس وقت کے نبی کے ساتھ ساتھ ارجن نے بھی دیکھا ہو، اس باب کے اشلوک 50 میں کہا گیا ہے کہ اس وشوروپم کے دیدار کے بعد ''واسودیو نے خود اپنی حقیقی چار ہاتھوں والی ہیئت کے دیدار دوبارہ کرائے اور اس کے بعد اپنی انسانی ہیئت کو اختیار کیا''؛ تاکہ ارجن کا خوف ختم ہو :

इत्यर्जुनं वासुदेवस्तथोक्तवा स्वकं रूपं दर्शयामास भूय:।
आश्वासयामास च भीतमेनम् भूत्वा पुन: सौम्यवपुर्महात्मा।।

ویشنو عقیدے کے مطابق وشنو یا اندر کے 8 مصاحب ہیں جنھیں واسو (वासु) کہتے ہیں اور وہاں دیوتا کے بارے میں وہی تصور ملتا ہے، جو اسلام میں فرشتوں کا، جن کے کئی ہاتھ یا پر ہوتے ہیں، اس لئے یہاں واسودیو سے مراد فرشتوں کے قائد حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بھی لیا جاسکتا ہے جو انبیاء پر وحی لانے کے کام پر معمور ہیں، وشوروپم کے دیدار میں کائنات کے مناظر حضرت محمد ﷺ کے ساتھ پیش ہونے والے واقعہ معراج سے مماثلت رکھتا ہے، جس پر رسول وقت کو لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام گئے تھے۔

5. حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شری کرشن کی مثالوں میں ایک عجیب یکسانیت پائی جاتی ہے، فرعون اور کنش دونوں اپنے وقت کے جابر فرمانروا تھے، جب ان کو خبر لگی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے، جس میں ان کی موت چھپی ہے تو فرعون نے بنی اسرائیل کے تمام نوزائیدہ بچوں کو مروانا شروع کر دیا اور کرشن نے بھی دیوکی کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرنے کا فیصلہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شری کرشن دونوں کو پیدائش کے فورا بعد قریبی دریا کے پار پناہ ملی، جہاں ایک دوسری عورت نے ان کی پرورش کی، دونوں کا رنگ سانولا تھا، دونوں کو آخری وقت میں اپنی جائے پیدائش چھوڑ کر دور بسنا پڑا، دونوں کو اپنے زمانے کے ایک جابر حکمراں کے خلاف برسر پیکار ہونا پڑا، دونوں کے معاملے میں خدا سے ہم کلامی کی روایت موجود ہے، دونوں کی زندگی کا ایک حصہ جانوروں کو چرانے میں گزرا ہے، دونوں کی قوموں میں گائے کی پرستش کا ذکر کسی نہ کسی طور پر پایا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے دیدار کی تمنا کی ہے تو ارجن نے بھی ایسا کیا، ایک طرف موسیٰ اور ہارون کی جوڑی ہے تو دوسری طرف کرشن اور بلرام کی، شاید مزید تحقیقات سے یہ بات اور واضح ہو کہ کہیں یہ دونوں کردار ایک ہی شخصیت کے تو نہیں ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ گیتا کی تخلیق کے حالات، شری کرشن کا اسے بیان کرنا اور اس کی اکثر تعلیمات کا بعض اختلافی اُمور کے باوجود کہیں نہ کہیں پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور قرآن کے نظریہ حیات سے مطابقت رکھنا ایک دلچسپ تحقیقی دعوت کا پیش خیمہ نظر آتا ہے، جیسا کہ اکثر عقائد اور مذاہب کے بارے میں معلوم ہے، گیتا بھی اپنے ابہام اور شرک کے باوجود توحید کا عکس رکھتی ہے، اسلام کی روشنی میں گیتا اور شری کرشن کے بارے میں مزید تحقیقات کے ذریعے مطالعات مذاہب کے میدان کی ایک اہم ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔

• • •

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بدھ مت

جناب سید مقصود ◆

اللہ نے انسان کی تخلیق کی اور اس کی ہر ضرورت کا بہتر انتظام کیا، مادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وسیع کائنات بنائی اور اس کو ایک نظام میں باندھ دیا، روحانی ضرورتوں کے لئے ہر قوم میں ہادی بھیجے: ''ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے'' (یونس: ۴۷) ''اور کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جس میں ہم نے ہادی نہ بھیجا ہو'' (فاطر: ۲۴) ہدایت کی راہ دکھانے والے ہر زمانہ اور علاقہ میں آتے رہے، کارِ ہدایت سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی: ''کتنے ہی رسول بھیج چکے ہیں، ان میں سے کچھ تو وہ ہیں، جن کی تفصیلات ہم نے سنادی ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جن کے بارے میں ہم نے کچھ نہیں بتایا'' (المومنون: ۷۸) ان رسولوں کو وحی کتاب شریعت دی گئی جو انبیاء و رسول کہلائے؛ مگر کچھ ہادی ایسے بھی گذرے، جو انبیاء تھے نہ رسول، واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، مگر انبیاء کے مشن کو آگے بڑھانے کا کام انجام دیتے رہے، ان کے ذریعہ قائم مذاہب کو اشراقی Enlightment مذاہب کہا جاتا ہے، نبوت تو وہبی ہوتی ہے، موسیٰ آگ لینے گئے اور نبوت ملی، بدھا کو روشنی ملی، مگر ہدایت کا سوتا تو ایک ہی ہے، کسی کو وہبی کسی کو کسبی، کسب سے حاصل روشنی کو بدھ مذہب والے نروان کہتے ہیں، اس روشنی کو پھیلانے کے لئے بدھا نے اپنی زندگی لگا دی۔

بدھ سے پہلے کا زمانہ — حالات وماحول پر ایک نظر

بدھ مت اور بدھ کی تحریک کو سمجھنے کے لئے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے، آریاؤں کی آمد سے پہلے دراوڑی قوم بڑے سکون سے زندگی گذار رہی تھی، ان کے اپنے آباد شہر تھے، جنگلی جانوروں کو سدھا کر ان سے کام لینے کا فن جان چکے تھے، آب پاشی کے ذریعہ زراعت ہوتی تھی، بیرونی ممالک سے ان کے تجارتی تعلقات تھے، ہڑپا موہن جوڈاڑو میں نامعلوم مہرے دریافت ہوئے ہیں، آثارِ قدیمہ کے ماہرین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مہرے قبل آریائی تہذیب کی یادگاریں ہیں، حکومت، تجارت وقانون، زراعت سب کچھ منظم انداز سے چل رہا تھا، یہ اپنے دور کا جدید ریاستی نظام رکھتے تھے — جب کہ آریہ ابھی خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہے تھے۔

◆ ظہیر آباد، ضلع میدک (تلنگانہ)۔

وسط ایشیا سے آریہ جب بھارت میں وارد ہوئے، اس وقت سے یہاں کی دراوی تہذیب کے ٹوٹنے مٹنے کا عمل شروع ہو گیا تھا، آریہ ان کے آباد شہروں کو برباد کردیتے تھے، ان کے جانوروں کو بھگا کر لے جاتے تھے، ان کو اوران کی عورتوں کو غلام بنا لیتے تھے قتل کردیتے تھے، اس کے بہت سارے ثبوت ویدوں میں ملتے ہیں، رگ وید جو سب سے قدیم مانی جاتی ہے، اس میں آریاؤں کی فتح اور ظلم کی دستان فخریہ انداز میں اور کسی جگہ دُعائیہ انداز میں بیان کی گئی ہیں: ''تونے داس قبائل کے سات گرمائی قلعے توڑ دیئے، جوان کی جائے پناہ تھے، تونے ان کو تہ تیغ کردیا''۔(۱)

اس وَرِتر کو مارنے والے اور دشمنوں کے شہروں کو توڑ کر سبھی کالی داسیوں کو مارڈالا۔(۲)

یجُروید

اے اگنی! ہم کو وسیع مکان آرام وآسائش بخش اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے آگے مارتے بھگاتے چل، جنگ میں مالِ غنیمت دلوا، فاتحانہ پیش قدمی میں دشمنوں کو زیر کردے۔(۳)

سام وید

اندر اور اگنی تم دونوں نے ایک زوردار کاروائی سے ۹۰ قلعوں کو سر کرلیا، جو داسوں کے قبضہ میں تھے۔(۴)

اَتھروید

میں پشاچوں کو اپنی قوت سے فتح کروں اوران کی دولت چھین لوں،(۵) صرف رگ وید کے چوتھے چھٹے اور ساتویں منڈلوں میں آریاؤں کے ذریعہ جو داس قتل کئے گئے، ان کو جمع کیا جائے تو 2لاکھ 26ہزار داس مارے گئے،(۶) داسوں پر ظلم وستم ہزاروں سالوں تک چلتا رہا، یہاں کے مول نواسی اصلی متوطن جن کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، داس، دانو (دیو)، راکشش، پچاش، شودر، یہ سب غلام بنائے گئے، کسی کو غلام بنانا بہت آسان ہے، مگر زیادہ زمانے تک غلام بنائے رکھنا بہت مشکل، اس مشکل کام کو انجام دینے کے لئے انھوں نے کئی حربے استعمال کئے، مذہب، مذہبی کتابیں، مذہبی شخصیتیں، مذہبی نظریات، مذہبی اعتقادات کے علاوہ ایسے قانون بنائے کہ کبھی غلام غلامی سے آزادی کے لئے کوشش تو درکنار سوچ بھی نہ پائے، اس کے لئے آریاؤں نے ورن وِوستھا،

(۱) ۶:۲۰:۱۰/10:20:6، بحوالہ: الجہاد فی الاسلام، از: سید ابوالاعلیٰ مودودی ایڈیشن ۱۹۸۸، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

(۲) رگ وید: 7-20-2، دلت مسئلہ جڑ میں کون؟ انتظار نعیم: 158 ساہتیہ سوربھ، 1781ء حوض سوئی والان، نئی دہلی۔

(۳) ۸:۴۴، الجہاد فی الاسلام: 341۔

(۴) ۸:۲:۱۷:۳، الجہاد فی الاسلام: 348۔

(۵) ۴:۳۶:۴، الجہاد فی الاسلام: 346۔

(۶) صفحہ نمبر: 159، دلت مسئلہ جڑ میں کون؟۔

کرماسدھانت، پونرجنم اوتار، یگنیہ، خدا کا مشرکانہ تصور گڑھا اور ان سب نظریات کا ایک دوسرے سے تعلق پیدا کیا اور اس کو مذہبی رنگ دے کر عقیدہ کے طور پر منوایا گیا کہ ان نظریات کا خالق عظیم خدا ہی ہے، جس نے یہ سب کچھ کیا، ان عقائد اور ان کو سمجھے بغیر بدھ مت کی اہمیت اور اسلام و بدھ مت کی مشترکہ تعلیمات کو سمجھا نہیں جا سکتا۔

ورن وِوستھا (ذات پات کا نظام)

سماج کو چار طبقوں میں تقسیم کیا گیا: برہمن، چھتری، ویش، شودر، ہر طبقہ کی حیثیت، کام، سماج میں مقام، خانہ اور لباس ہر چیز پیدا ہونے سے پہلے طے ہو جاتی ہے اور جو ایک مرتبہ جس طبقہ پیدا ہوتا، اس طبقہ سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا، اس کو ایسے مضبوط بندھنوں میں قید کر دیا گیا تھا کہ وہ کبھی آزاد ہو ہی نہیں سکتا تھا؛ کیوں کہ اس کی تائید میں وید، پران، رامائن، منوسمرتی — مذہبی کتابیں جن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ یہ سب الہامی ہے، موجود تھیں — جب کسی بات کو الہامی تصور کر لیا جائے تو اس کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، برہمنوں کے ذمہ چھ قسم کے کام متعین کئے گئے: شاستر پڑھانا، وید کا پاٹ کرنا، یگنیہ کرنا، ویگنیہ کرانا، دان دینا اور دان لینا، چھتریوں کے ذمہ عوام کی حفاظت کرنا دان کرنا، یگنیہ کرنا، حرص اور خواہشات کو قابو میں رکھ کر حکومت چلانا، ویشوں کے ذمہ گائے اور جانوروں کی پرورش کرنا اور حفاظت کرنا، یگنیہ کرنا اور دان دینا اور تجارت کرنا، شودروں کے ذمہ محض ایک کام ہے، پروردگار نے شودروں کو بلا تنقید و نکتہ چینی کے برہمن، چھتری اور ویش، تینوں کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے۔(۱)

چاروں ورنوں کے لئے جو کام متعین کے گئے ہیں، ان کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوگا، علمی کام برہمنوں کے لئے حکومت چلانے کا کام چھتریوں کے لئے، ویشوں کا کام معاش کے لئے، اور شودر کا کام صرف سب کی خدمت کرنا طے پایا، یعنی علم، ہتھیار اور دولت سے قانوناً شودروں کو محروم کر دیا گیا، جب کہ قوموں کو اُبھارنے والی طاقتیں ہمیشہ سے علم، عزت نفس اور خودداری کے جذبات ہوا کرتے ہیں، اگر کسی گروہ انسانی کو ان سے محروم کر دیا جائے تو انسان اور جانور میں فرق نہیں رہ جاتا، وہ انسان نما جانور بن جاتا ہے، جانور کبھی بغاوت نہیں کرتا، اس طرح صدیاں غلامی میں گذر جاتی ہیں۔

کرماسدھانت

کرماسدھانت کے ذریعہ یہ باور کرایا گیا کہ موجودہ جنم میں جس ورن میں پیدا ہوئے ہیں، وہ سب پچھلے

(۱) بحوالہ منوسمرتی، تلگو باب نمبر: ا، شلوگ: ۵۴ تا ۵۷، سنسکرت سے ترجمہ شری بھاگولہ سبرانیم، نوراتند بک ہاؤس، وجے واڑہ۔

جنم میں کئے گئے اچھے یا برے کاموں کا نتیجہ ہے، اس طرح کوئی شودر ورن میں پیدا ہوتو پیدائشی مجرم ٹھہرا، سزا کاٹنے کے لئے اس ورن میں پیدا ہوا ہے، اس کو اپنا فرض سمجھ کر تندہی وشردھا سے اس کام کو انجام دینا چاہئے، اگر وہ دھوبی کے گھر پیدا ہوا ہے تو تادم حیات میلے کپڑے دھوتا رہے، گیتا یہ اپدیش دیتا ہے :

> غلطی کے ساتھ ہی اپنے صحیح کرم کو ادا کرنا دوسروں کے کرم کو ادا کرنے سے کہیں بہتر ہے، دوسروں کے کرم میں لگے رہنے کے بجائے اپنے کرم ادا کرتے ہوئے برباد ہونا بہتر ہے؛ کیوں کہ دوسروں کے کرموں کی ذمہ داری اپنے ذمہ لینا خطرناک ہے۔(۱)

اپنا کرم چھوڑ کر دوسرا کام کرنے کی کوشش اس کے لئے ادھرم (خلاف مذہب) ہے، ادھرم کی سزا بڑی خطرناک ہے، منوشاستر کا قانون اور رگ وید کے شلوک شودر کی کمائی کو جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہوجائے، بڑی ذات والوں کی مملکت قرار دے رہے ہیں، ان کا حصول علم اتنا بڑا تعزیری جرم قرار دیا گیا کہ ان کی زبان تپتے ہوئے سوئے سے چھید دی جائے، یا قطع کردی جائے، ہاں اگر اس نے صرف سن کر اپنے قلب ودماغ میں روشنی پانے کی کوشش کی تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر بھر دیا جائے، ایسے انسانیت مخالف قوانین سے انسانیت خجالت سے سر بہ گریباں ہے۔

آواگمن، پنر جنم

پنر جنم کے ذریعہ اس بات کی اُمید دلائی جاتی ہے کہ وہ جس ورن میں پیدا ہوا ہے، اس کے ذمہ جو کام خدا نے متعین کیا ہے، اس کو اچھی طرح انجام دیتے رہنا چاہئے، تبھی آنے والے جنم میں موجودہ ورن سے اوپر اُٹھ سکتا ہے، اگر کوتاہی برتے تو اور بھی کم تر ورن میں پیدا ہوگا، یہاں تک کہ جانور کیڑے مکوڑے کے روپ میں بھی پیدا ہوسکتا ہے، نچلی ذات والا خوف واُمید کے درمیان ہزاروں سالوں سے مکتی اور (موکش) نجات کی اُمید لگائے کام کئے جارہا ہے، اس کی صبح کب ہوگی برہما (خدا) کو ہی معلوم۔

اوتارواد

''جب بھی اور جہاں کہیں دھرم کی کمی ہوتی ہے اور اَدھرم (بے دینی) میں اضافہ ہوتا ہے، اس وقت میں جنم لیتا ہوں''(۱) اس طرح کوئی دس اوتار زمین پر اُترے اور خدا ہی کسی بھی شکل میں آکر دھرم کا ناس کرنے والوں کا ستیاناس کرتا ہے، واضح رہے کہ ہندو مذہبی کتابوں میں اَدھرم کا مطلب ورن (ذات پات) ہوتا ہے، جب کبھی کسی نے تبدیلی لانے کی کوشش کی، اس وقت اوتار نے آکر اس کو ختم کردیا، سارے اوتاروں کی تاریخ یہی بتاتی ہے۔

(۱) باب نمبر:۳، شلوک نمبر:۳۵، اُردو ترجمہ کرشن کرپامورتی، بھکتی ویدانت بک ٹرسٹ، بمبئی۔
(۲) بھگوت گیتا ادھیائے:4 شلوک:7، کرشن کرپامورتی بھکتی ویدانت، ٹرسٹ، ممبئی۔

یگنیہ کا رواج

برہمنوں نے ایسے رسم ورواج جاری کئے، جس سے غریبوں کی دولت ان کے پاس آجائے اوران کے بھکت (ماننے والے پیروکار) کبھی دولت مند نہ ہونے پائیں، وہ ہمیشہ افلاس کا شکار رہیں، پیدائش سے لے کر موت تک نہ ختم ہونے والی رسوم، ہر موقع پر پوجا یگنیہ کرنا ضروری ہے، اس طرح برہمن دولت عزت اوراپنا مذہبی تقدس برقرار رکھنے میں کامیاب رہتا ہے، یگنیہ میں ویدک دور سے بدھ مت کے آنے تک ہزاروں جانوروں کی قربانی دی جاتی رہی، یہ یگنیہ کبھی مہینوں تک چلتے تھے، اس میں برہمن گوشت کھاتے، شراب پیتے، اپنے ہی بھکتوں کی بہو بیٹیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، یگنیہ کا یہ منظر رامائین میں اس طرح پیش کیا گیا ہے، وہاں پر شاستروں کے مطابق جانور، سانپ، پرندے خداؤں کی حسب منشا ستونوں سے باندھے گئے ہیں، سمندری جانور، کچھوے اورگھوڑے اس کے علاوہ آشومدھا یگن کا گھوڑا اسب ستون سے باندے گئے ہیں، اورآبی جانور پنجروں میں بندر کھے گئے ہیں۔(۱)

ایسا کرنے کے لئے منوسمرتی سے سند لائی گئی، برہما نے جانوروں کی تخلیق یگنیوں کے لئے کی ہے، اس لئے یگنیہ میں جانور کشی تشدد نہیں،(۲) یگنیہ کے لئے جانور کشی جیوہنسد نہیں ہے۔(۳)

اس یگنیہ کرنے کے لئے ہزاروں جانور قربان کئے جاتے تھے، بدھ مت کی کہانیوں میں ایک کہانی اس طرح بیان کی گئی ہے :

> بھگوان بدھا شراوستی میں رہتے تھے، اس وقت پسینیدی کوسل راجا کا مہا یگنیہ شروع ہوااس میں 500 بیل 500 بچھڑے 500 بکرے اور 500 مینڈھے کھمبوں سے بندھے ہوئے تھے، راجہ کے نوکر چاکر سزا کے خوف سے مجبور ولاچار آنسو بہاتے روتے دھوتے یگنیہ کا کام کررہے تھے۔(۴)

یگنیہ میں ہزاروں جانور گھی سب آگ کی نظر ہوجاتا تھا، یہ سب سامان یگنیہ راجہ مہاراجہ غریب عوام سے چھین کر کرتے تھے، یہ ایک طرح کا ظلم تھا، اس دور میں جانور لوگوں کا ذریعہ معاش تھا، ساری معیشت گائے، بیل، بکری اورگھوڑوں پر منحصر تھی، وہی چھن جانے سے عوام کی زندگی بدتر ہوجاتی تھی۔

خدا کا تصور

ویدوں میں ایک خدا کا تصور ملتا ہے، ہزاروں خداؤں کی پرستش بھی عام تھی، حتیٰ کہ جانور، پہاڑ، دریا،

(۱) سری مدھارامائین بالاکھانڈ باب نمبر: ۱۴، شلوک: ۲۸ تا ۳۰۔ (۲) منوسمرتی: 39-5 صفحہ نمبر: 172، بریلی۔

(۳) منوسمرتی تلگو باب نمبر: 5 شلوک نمبر: 29 صفحہ نمبر: 198، سنکرت سے تلگو ترجمہ بھاگولہ سبرامنیم نورتنہ بک ٹرسٹ، وجے واڑہ۔

(۴) ص: 314,313، بھگوان بدھا، مصنف: دھرمانند کوسمبی، مترجم: پرکاش پنڈٹ، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی۔

درخت بے جان ہو یا جاندار، سب پوجنے کے لائق تھے ''جتنے کنکر اتنے شنکر'' والا معاملہ تھا، زمین پر چلتا پھرتا بولتا ہوا خداتو برہمن تھا، ویدوں، پرانوں، رامائن، مہابھارت ودھرم شاستروں میں ایسے شلوک ملتے ہیں :

- خالق کے سر سے برہمن، بازوؤں سے چھتری، ٹانگوں سے ویش، اور پیروں سے شودروں کی پیدائش ہوئی۔(۱)
- برہمن جنم لیتے ہی دھرتی کے سارے جانداروں میں افضل ہوتا ہے، وہ سب جانداروں کا خدا ہے۔(۲)

برہمن بھگوان اور بھگت کے درمیان کا واسطہ تھا، خدا کے مقدس نام پر عوام کے ساتھ دھوکہ دہی، لوٹ کھسوٹ سب کچھ ہو رہا تھا، دیالو خدا کے تصور کے بجائے خدا ہی ظالم ہو گیا تھا۔

نظام عدل وجزاوسزا

ویدک دور میں نظام عدل کو نظام ظلم میں تبدیل کر دیا گیا، ایک ہی جرم کے لئے برہمنوں کو سب سے ہلکی سزا، چھتریوں کو اس سے زیادہ، ویشوں کو اس سے بھی زیادہ اور شودروں کو سب سے سخت سزا دیئے جانے کا قانون نافذ تھا، ایک برہمن شودر کا قتل کر دے تو اس کو وہی کفارہ ادا کرنا پڑتا تھا جو کہ بلی، نیولہ، نیل کنٹھ، چڑیا، مینڈک، کتا، چھپکلی، اُلو اور کوا کو مارنے پر ادا کرنا پڑتا تھا۔(۳)

اگر چھتری کسی برہمن کو گالی دے تو اس پر ایک سو پین کا جرمانہ لگاتے تھے، اس جرم کے لئے ویش پر دیڑھ سو یا دو سو پین (اُس وقت کا سکہ)؛ لیکن شودر تو اس کے لئے قتل کا ہی حق دار تھا۔(۴)

مندرجہ بالا نظریات پر ایک عمومی تبصرہ

بدھا کی پیدائش سے پہلے کے زمانے کا آپ نے جائزہ لیا، جو کہ ویدک دور تھا، جس میں سماج پر برہمنوں کا پورا قبضہ ہو چکا تھا، شودر ورن کے لوگ غلامی میں اس قدر پختہ ہو گئے تھے، غلام ابن غلام ابن غلام —— ورن وِوستھا کرم، سدھانت پُنر جنم، اوتار، یگنیہ خدا کا مشرکانہ تصور عام تھا، قانون بھی ورن کی بنیاد پر ایک ہی جرم پر مختلف ورن والوں کو مختلف سزائیں تجویز کرتا تھا، پورے سماج کو استحصالی نظام میں ایسا جکڑ دیا گیا تھا کہ ایک قدم آگے نہ ایک قدم پیچھے ہٹ سکے، اگر کوئی ورن ووستھا سے نکلنے کی کوشش کرتا، منو کا غیر انسانی قانون اسے ایسی سخت سزا دیتا کہ اس

---

(۱) رگ وید، منڈل:10، شلوک:90، منتر:11۔ (۲) منوسمرتی، باب نمبر:1، شلوک نمبر:99، 100۔

(۳) منوسمرتی، باب نمبر:11، شلوک:132۔ (۴) منوسمرتی، باب نمبر:18، شلوک:227۔

کے تصور سے ہی انسانیت کانپ اُٹھتی، مذہب کے نام پر بے جارسوم ورواج کا ایک ایسا جال بچھا دیا گیا تھا کہ شودر کو کبھی معاشی فراوانی حاصل نہ ہو، یگنیہ کے نام پر تمام بے ہودہ کام کئے جاتے، غریب عوام کے جانور چھین کر یگنیہ میں قربان کئے جاتے، شودروں کی معاش کا دارومدار انھیں جانوروں پر تھا، رہی سہی کسر یگنیہ کے خرچ کے لئے عوام پر زائد ٹیکس لگا کر ان کا کام تمام کر دیتے، ایسے حالات میں جب بھی کبھی بغاوت ہوتی تو کوئی نیا اوتار آ کر سالوں سال کے لئے ان کی نجات کا راستہ بند کر دیتا، اور وہ غلام ہو جاتے، بھگوت گیتا اس کو اس طرح بیان کرتا ہے :

یَدَا یَدَا ھی دَھْر مَسَیَه سَمْبھَوا مِن یُگے یُگے
جب جب دھرم کی کمی ہوتی ہے یگ یگ میں دھرم رکشا کے لئے آتا ہوں

دھرم کی رکشا کا مطلب برہمنوں کا اقتدار برقرار رکھنا ہوتا ہے، برہمن اپنے علاوہ دوسرے انسانوں کو انسان ماننے کے لئے تیار نہ تھے، فاتح آریہ یہ بات بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ اپنے غلاموں کو اپنی آبادی میں ساتھ رہنے کا حق دیں، اگر وہ ان کی خدمت کے لئے آبادیوں میں آتے تو گلے میں ہانڈی باندھنا پڑتا؛ تاکہ اس بدنصیب کا تھوک ان کی مقدس زمین کو ناپاک نہ کر دے، پیٹ پر جھاڑو باندھ کر چلنا پڑتا؛ تاکہ ان کے نقش قدم زمین پر نہ رہیں اور وہ فوری مٹ جائیں، کہیں شودر کے نقش قدم پر جانے سے برہمنوں کے غرور فاتحانہ کو ٹھیس نہ پہنچ جائے، ان کا چھو لینا ان کی غذا کو ناپاک نہ کر دے، حتی کہ اس منحوس کا سایہ آقاؤں کے جسم پر پڑ جائے تو غسل واجب ہو جائے۔

گوتم بدھ اور ان کی تعلیمات

حساس دل، کم عمر شہزادہ کو ان حالات کے دیکھنے کے بعد ایک تڑپ پیدا ہوئی، اس نے دیکھا سارے سنسار میں دُکھ بھرا ہوا ہے، اس کی وجہ اور چھٹکارے کا راستہ معلوم کرنے کے لئے وہ محل سے نکلا؛ کیوں نکلا اس کی وجہ شہزادہ گوتم ہی سے سنئے۔

(۱) ہتھیار بندی، خوفناک معلوم ہوئی، (اس سے) یہ جنتا کیسے جھگڑتی ہے؟ دیکھو، مجھ میں بیراگ کیسے پیدا ہوا؟ یہ میں بتاتا ہوں۔

(۲) جس طرح کم پانی میں مچھلیاں چھٹپٹاتی ہیں، ویسے ہی ایک دوسرے کی مخالفت میں چھٹپٹانے والی جنتا کو دیکھ کر میرے دل میں خوف پیدا ہوا۔

(۳) چاروں طرف کی دنیا بے معنی دکھائی دینے لگی، مجھے محسوس ہوا کہ دنیا کے چاروں کونے کانپ رہے ہیں اور اس میں مقامِ پناہ تلاش کرنے پر بھی کوئی بے خطر جگہ نہ ملی، ساری جنتا کو ایک دوسرے کا مخالف دیکھ کر میرا دل اُچاٹ ہو گیا۔(۱)

(۱) بھگوان بدھ، دھرما نند کوسمبی:166۔

سات سالوں تک رائج الوقت کٹھور تپسیا (ریاضت) کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے اور راہ نجات ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئے، بدھا نے سارناتھ کے قریب اپنے پانچ بھکشوؤں کو اُپدیش دیا، نروان حاصل کرنے کے بعد یوں گویا ہوئے: ''چراتا بھلکو لے چاری کم بہوحنا ہتا یئے بہو جنا سوکھا یئے'' یعنی اے بھکشوؤں! اس بات کا پرچار کرو اور جو بھی اقدام کرو، سب کا بھلا ہو، سب کو آرام ملے :

> اے بھکشوؤں! سمجھ دار انسان کو دو طرح کی انتہاؤں پر نہیں جانا چاہئے، پہلی انتہا عیش وعشرت کی زندگی میں راحت ماننا، یہ نہایت حقیر، جاہل، عمومی اور غیر مہذب لوگوں کا کام ہے، دوسری انتہا جسم کو ایذا پہنچانا، یہ انتہائی تکلیف دہ بے معنی اور وحشیانہ فعل ہے، ان دو انتہاؤں تک نہ جانا چاہئے، ان دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ ہی راہِ نجات ہے۔(۱)

گوتم بدھا کو برگد کے پیڑ کے نیچے جن چار قدیم مقدس صداقتوں کا علم ہوا، وہی چار قدیم سچائیاں بدھ مت کا اصل اُصول بنے :

(الف) دُکھ۔ (ب) دُکھ کی وجہ۔
(پ) دُکھ کا ازالہ۔ (ت) دُکھ سے ازالہ کی تدبیر۔

دُکھ سے ازالہ کی جو تدبیر گوتم بدھا نے تجویز کی، اس کو اشٹانگا مارگ (ہشت پہلو راستہ) کہتے ہیں، ان کو تین عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

شیلا

(۱) سمیک درشٹی (صحیح اعتقاد)۔
(۲) سمیک سنکلپ (صحیح نیت، خیال)۔
(۳) سمیک واک (قول صحیح)۔

پرگنیا

(۱) سمیک کرمانت (صحیح کرم، اعمال)۔
(۲) سمیک آجیوکا (صحیح ذریعہ معاش)۔
(۳) سمیک ویایام (مناسب جدوجہد)۔

---

(۱) بھگوان بدھا:204۔

سمادھی

(۱) سمیک سمرتی (اچھی یادداشت رصحیح لحاظ)۔
(۲) سمیک سمادھی (خدا میں پوری طرح محو ہوجانا رصحیح مراقبہ)۔

ہشت پہلو راستہ کے علاوہ ایک انسان میں اخلاق حسنہ نہ ہوتو مقصد کا حصول نہیں ہوسکتا، گوتم بدھ نے ایسا اخلاقی نظام ترتیب دیا کہ اس پر عمل کئے بغیر کوئی سماج انسانی سماج بن کرنہیں رہ سکتا، اس کے لئے پنچ شیلا یعنی پانچ اخلاقِ حسنہ کو بڑی اہمیت دی۔

(۱) کسی جاندار کوقتل نہ کرنا۔
(۲) چوری نہ کرنا، یعنی کسی کی دولت مال یا کوئی چیز ناحق غیر اُصولی طور پر لے لینا۔
(۳) جھوٹ نہ بولنا، وقت آنے پر سچ بولے بغیر نہ رہنا۔
(۴) نشہ اور نشہ آور چیزوں سے پرہیز کرنا۔
(۵) زنا نہ کرنا۔(۱)

بہت ساری غلامیوں میں جکڑے ہوئے سماج کو تین اُصول دے کر ان کی شرن (پناہ) میں رہنے کی تعلیم دی، آج بھی کوئی بدھ دھرم میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اس کو پنچ شیلا اور بدھ دھمہ اور سنگم میں رہنے کی قسم اُٹھانی پڑتی ہے۔

بدھم شرنم گھچامی ، دھمم شرنم گھچامی ، سنگھم شرنم گھچامی۔
یعنی میں بدھا کی شرن (پناہ) میں جاتا ہوں، دھرم کی شرن (پناہ) میں جاتا ہوں، تنظیم کی شرن (پناہ) میں جاتا ہوں۔

اس طرح بدھا کی شرن میں رہنے کا مطلب بدھا کو میں اپنا راہ نما تسلیم کرتا ہوں، دھرم کو اپنا طرز زندگی بناتا ہوں اور الجماعت بن کر رہتا ہوں۔

اُوپر بیان کئے گئے بدھ مت کے بنیادی اُصول ہیں؛ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ بدھ کی تعلیمات اوران کی شخصیت کو اس طرح بگاڑ دیا گیا ہے کہ کیا بدھ ازم ہے کیا نہیں ہے؟ پتہ نہیں چلتا، اختلافات کا ایک جنگل ہے، جس میں آدمی پریشان اور حیران ہوجاتا ہے، اس کے باوجود ان میں سے اکثریت کا جن باتوں یا تعلیمات پر اتفاق ہے، انھیں کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

---
(۱) بحوالہ: ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر رائیٹنگ اینڈ اسپیچس (تلگو)Vol:3، صفحہ نمبر:519۔

بدھا نے جو سچائیاں دریافت کی، جو اُصول بنائے، بدھا سنگھ قائم کیا، ان سب کی گہرائیوں میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ ویدک دھرم نے سماج کے ایک بڑے حصہ کو دُکھ میں مبتلا کردیا تھا،ظلم کی انتہا ہوگئی تھی، انسان کی بے قدری انسانوں ہی کے ہاتھوں ہورہی تھی، اپنے آپ کو اعلیٰ ذات سمجھنے والی چھوٹی سی اقلیت نے اکثریت کو غلام بنالیا تھا، وہ غلامی کے علاوہ کچھ کرنہیں سکتے تھے، سماج میں بھائی چارہ ختم ہوگیا تھا، مساوات کا دور دور تک پتہ نہ تھا، انصاف معدوم ہوچکا تھا،عزت نفس سے محروم شودروں کی محرومی دیکھ کر بدھا نے ان کے لئے تحریک چلائی اور ایک نیا مذہب اور ایک نیا دھرم قائم کیا، ایسا انقلاب آیا کہ ہزاروں سالوں سے سسکتی انسانیت کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، ورن وِوستھا سے تباہ منجمد بھارتی سماج ایک نئی راہ پر گامزن ہوا، بدھا نے حالات کا جائزہ لے کر عدم تشدد کی راہ کا انتخاب کیا،کسی کو برا کہنے کے بجائے اچھا کرنے، اچھا بن کر رہنے کی تلقین کی اور اخلاقِ حسنہ کو اپنے مذہب کی بنیاد ٹھہرایا، ظاہر سی بات ہے جو بھی شخص بھائی چارہ، مساوات، انصاف،عزت نفس کے لئے آواز اُٹھائے گا، اس کا رویہ ویدک دھرم کے مخالف ہوگا، بدھ کا رویہ اُس دور میں ویسا ہی تھا۔

بدھ مت اور اسلامی تعلیمات کا تجزیہ

(۱) بھائی چارہ : ویدک دھرم سے چھٹکارا پانے کے لئے چار ورنوں میں تقسیم سماج کو ایک کرنے ان میں بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے بدھ سنگ (بھکشوؤں کی جماعت) نے سب ہی ورن کے لوگوں کو جگہ دی، ویدک دھرم میں مذہبی کام صرف برہمن ہی کرسکتے تھے،شودر ورن کے لوگوں کو بھی بدھ سنگ کے ذریعہ یہ حق حاصل ہوا، عورتیں بھی شودر ورن میں شامل کی گئی تھیں، ان کی زندگی داسیوں جیسی تھی، ان کو بھی بدھ سنگ میں جگہ دی گئی، جسمانی کمزوریوں اور فطری تقاضوں کو سامنے رکھ کر عظیم راجہ اشوک کے دور میں بھی حکومتی سطح پر امتیازات رکھنے کی گنجائش نہیں تھی، یش نامی وزیر کے سوال کے جواب میں اشوک کہتے ہیں :

> کسی قسم کے امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ مذہب سے متعلق کاموں میں صرف خوبیاں دیکھی جاتی ہیں اور انسانی خوبیوں کا انحصار اس کی قوم یا ذات پر نہیں ہوتا۔(۱)

بھائی چارہ کو جتنی اہمیت اسلام دیتا ہے، شائد ہی کوئی دوسرا مذہب دیتا ہوگا، جہاں قرآن انسانوں سے مخاطب ہوتا ہے وہیں مومنوں سے بھی، سماج میں بھی بھائی چارہ اور اپنے ماننے والوں کے درمیان میں بھی اُخوت کی تعلیم دیتا ہے اور انسانوں کے درمیان نسلی امتیازات اور اونچ نیچ کی بیخ کنی کرتے ہوئے سب کی اصل ایک جان قرار دیتا ہے :

---

(۱) بحوالہ: بھگوان بدھا:355۔

لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اس کا جوڑا بنایا،
اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیئے۔(۱)

(۲) مساوات : ویدک دھرم کی بنیاد ہی عدم مساوات پر تھی، بدھا نے سماج میں مساوات قائم کرنے کے لئے جہاں ورن ووستھا کو ختم کرنے کے لئے مساوات کا درس دیا اور بدھ سنگ کے ذریعہ نسلی تفریق کو ختم کرنے کی عملی کوشش کی، برہمن اور شودر کو ایک کر دیا، بدھ مت میں پیدائش سے چھوٹا بڑا نہیں تھا، کردار سے ہی اس کی حیثیت اور مقام متعین ہوتا تھا، گوتم بدھ کہتے ہیں :

اے بھکشوؤں! جس طرح گنگا، جمنا، اچروتی، سریومہی وغیرہ ندیاں سمندر میں جا ملنے پر اپنے اپنے نام چھوڑ کر صرف سمندر کا نام اختیار کر لیتی ہیں، اسی طرح کھتری، برہمن، ویش، اور شودر ان چار ذاتوں کے افراد بدھ کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد اپنے پہلے نام اور گوت کو چھوڑ کر صرف بدھ بھکشوؤں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔(۲)

بہت سارے مذاہب میں مساوات کی تعلیم وتلقین اقوال زریں کے طور پر ہی موجود ہیں؛ لیکن عملاً صفر، اسلام عملی مذہب ہے؟ اسی لئے اسلام تعلیمات اور مسلم سماج میں مساوات قائم ہے، خطبہ حجۃ الوداع قیامت تک کی انسانیت کے لئے ایسا منشور ہے، جو مساوات کو قائم رکھے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے سارے امتیازات کو ختم کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا :

کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے، برتری صرف خداترسی سے ہے، اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے، جو زیادہ خداترس ہے۔(۳)

(۳) انصاف : کسی بھی سماج میں جب تک انصاف قائم رہتا ہے، امن بھی قائم رہتا ہے، جب ناانصافی ہوتی ہے تو فساد، قتل وخون اور غارت گری ہوتی ہے، مظلوم اپنے ساتھ ہوئی ناانصافی کا بدلہ لینے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، ویدک دھرم کی بنیاد ہی عدم مساوات پر ہے، بدھا نے عدم مساوات کو ختم کرنے کے لئے اور انصاف قائم کرنے کے لئے ایسی راہ بتائی کہ آنے والے دنوں میں جب بدھ مت سرکاری مذہب بنا، اس کی

---

(۱) النساء:۱۔ (۲) بھگوان بدھا:353۔
(۳) شعب الایمان: ۷/۱۳۲، حدیث نمبر: ۴۷۷۴۔

اساس انصاف پر ہی رکھی گئی، ورن بنیاد پر جو ناانصافیاں ہوتی تھیں، وہ ختم کردی گئیں: ''ایک جرم ایک سزا'' کا قانون رائج ہوا۔

سیرت اور اسلامی تاریخ ایسے ہزاروں واقعات سے پُر ہے کہ سبھی کو کسی فرق وامتیاز کے بغیر سب کو انصاف دیا گیا، سورۃ النحل میں اس طرح حکم دیا گیا:

بے شک اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا، حسن سلوک کا اور عزیزوں کو دینے کا۔(۱)

(۴) عزت نفس: کسی انسان سے عزت نفس کا خیال ختم کردیا جائے تو وہ انسان نما جانور میں تبدیل ہو جاتا ہے، بدھا نے انسانوں کو اپنی قدر جاننے، اپنے آپ کو کمتر سمجھنے اور اعلیٰ ذات والوں کو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے انسانوں کی قدر کرنے کی تعلیم دی، جب اشوک اعظم نے بدھ مت اختیار کیا اور بھکشوؤں کے پیر چھوئے، اسے دیکھ کر یش نامی اس کا وزیر بولا: ''مہاراج ان بھکشوؤں میں تمام ذات کے لوگ شامل ہیں، ان کے سامنے سر جھکانا زیب نہیں دیتا!'' اشوک اعظم نے جواب دیا، جو ایک مکالمہ کی شکل میں ہے، اس کا اختتام یوں ہوا: ''اگر انسانی سر کاٹ کر کسی کو دیا جائے تو وہ لے گا، بیچنا چاہے تو کوئی خریدے گا''؟

اشوک: میرا سر بھی کاٹ کر کسی کو دو تو کیا وہ اسے لے گا؟ پوچھنے والے کو اشوک نے یوں جواب دیا تو پھر ایسا سر میں بھکشوؤں کے قدموں میں رکھ کر ان کی تعظیم کرتا ہوں، تو اس میں تمہیں برا لگنے کی کیا بات ہے؟(۲)

اسلام انسانی قدر کو بڑی اہمیت دیتا ہے، کسی ایک انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

بدھا نے قدیم چار سچائیاں دُکھ، دُکھ کی وجہ، دُکھ کا ازالہ، دُکھ سے ازالہ کی تدابیر دریافت کی اور اس کو راہ اعتدال سے تعبیر کیا، اسلام کسی بھی انتہا پسندی کو پسند نہیں کرتا؛ چنانچہ حضرت لقمان اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو''۔(۳)

اشٹانگ مارگ ہشت پہلو راستہ میں بدھا نے جن نظریات کا درس دیا ہے، صحیح نظریات، صحیح عقیدہ، صحیح رویہ، صحیح ذریعہ معاش، مناسب جدوجہد، صحیح لحاظ، صحیح مراقبہ، یہ آٹھ اُصول بدھا نے بنائے؛ تاکہ سماج صحیح راہ پر چل سکے، اسلام میں بھی ان اُصولوں کو اہمیت دی گئی ہے، جیسے کہ صحیح نیت کے بارے میں امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں پہلی حدیث ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''(۴) درج کر کے نیت کی اہمیت کو واضح کیا، صحیح ذریعہ معاش کی اہمیت اسلام میں یہ ہے کہ اکل حلال کو جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا، (۵) مراقبہ اور ذکر واذکار کی اہمیت اسلام میں بہت

(۱) النحل:۹۰۔ (۲) بحوالہ: بھگوان بدھا:354۔ (۳) لقمان:۱۹۔
(۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر:۱۔ (۵) کنزالعمال، حدیث نمبر:۹۲۰۴۔

زیادہ ہے،(۱) پنچ شیلہ کے ذریعہ سے پانچ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دے کر اس کو بہت اہمیت دی، کسی جاندار کو قتل نہ کرنا، اسلام قتل ناحق کو انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے، (۲) چوری پر اسلام نے ہاتھ کاٹنے کی سزا رکھی ہے، (۳) جھوٹ کو ایمان کے منافی عمل اور جہنم میں لے جانے والا کام بتایا ہے، (۴) نشہ کو اسلام نے اُم الخبائث قرار دے کر حرام کر دیا ہے، (۵) زانی کے لئے قتل کی سزا مقرر کر کے اس جرم کی خباثت کو بیان کیا ہے، (۶) جہاں اسلام تبلیغی مذہب ہے، اسی طرح بدھ مت بھی تبلیغی مذہب ہے، اس میں کوئی بھی شامل ہوسکتا ہے، جہاں اسلام سارے انسانوں کی بھلائی کے لئے ہے، وہیں بدھ مت بھی سارے انسانوں کی بھلائی کی بات کرتا ہے، بدھا کو نروان حاصل ہونے کے بعد جو الفاظ ان کی زبان سے نکلے وہ ''بہوجن ہتائے بہوجن سوکھائے'' اسلام میں نبیوں کا تصور ہے، ویدک دھرم میں اوتاروں کا تصور ہے، یعنی خدا خود حسبِ ضرورت کسی کی بھی شکل اور کوئی بھی شکل میں اترتا ہے، بدھ مت اس کو نہیں مانتا اور نہ اسلام اس کو مانتا ہے۔

بدھا پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ناستک تھے اور ناستک کا ترجمہ منکر خدا کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں ہے ناستک کے معنی ویدوں کا انکار کرنے والا یا ویدوں کی مذمت کرنے والے کے ہیں، اس طرح بدھا ناستک تھے، منکر خدا نہیں تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ خدا کے بارے میں خاموش تھے، بدھا کے زمانے میں خدا کے نام پر بھکتوں کی جو حجامت اور دُرگت بنائی گئی تھی، اسی لئے اس مسئلہ کو وقت اور حالات کے پیش نظر ترجیحات سے خارج کر دیا تھا، خدا کے بارے میں جب بدھا سے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ''مذکورہ مسائل پر غور وفکر کرنا اسی طرح لا حاصل ہے، جیسے تیر سے زخمی شخص کا علاج کرنے کے بجائے معالج سے تیر مارنے والے کے حسب ونسب اور خاندان کی تحقیق شروع کر دے''۔

بدھا نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے عوامی زبان پالی استعمال کی اور اپنی تعلیمات کو سنسکرت زبان میں لکھنے سے منع کیا، بدھا کو جن برہمنوں سے واسطہ پڑا تھا، وہ ان کی سازشوں سے واقف تھے۔

بدھ مذہب کو مذہب سے زیادہ سماج اور اس کے مسائل سے زیادہ دلچسپی تھی؛ کیوں کہ لوگ مذہب کے زخم خوردہ تھے :

(۱) تعلیم عام ہوئی اور عالمی سطح کی پانچ یونیورسٹیاں قائم ہوئی، جب کے ویدک دھرم میں برہمن اپنے سوا کسی کو پڑھنے کا حق نہیں دیتے تھے۔

---

(۱) العنکبوت:۴۵۔
(۲) المائدۃ:۳۲۔
(۳) المائدۃ:۳۸۔
(۴) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر:۱۶۔
(۵) صحیح ابن حبان:۱۲/۱۶۹۔
(۶) مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی الرجم، حدیث نمبر:۶۔

(۲) شودرورن کے لوگ راجہ بنے، چندر گپت موریہ جیسے عظیم راجہ کی ماں مورا نائی ذات سے تعلق رکھنے والی عورت تھی۔

(۳) منطق اور فلسفہ میں ترقی ہوئی اور بہت سارے عوامی بھلائی کے کام ہوئے، جس کی وجہ سے مختصر مدت میں بدھ مت سارے ایشیاء کا مذہب بن گیا۔

ہندوستان کے بیشتر فاتحین کے آبا واجداد سابقہ بدھ فرقوں سے ہی تعلق رکھتے تھے، غور کے عوام کے بارے میں اور ان کی اصل کے بارے میں تحقیق کرنے والے ماہرین'' اورل اسٹین (A.stein) گوڈرڈ (Goddard) لی کاگ (Le cog) لکھتے ہیں: غور اور اس کے قریب وجوار کے علاقوں کی جو تمدنی تصویر ہم تک پہنچی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں مہایانہ بدھ مت کا اثر غالب تھا، جب اسلامی اثرات یہاں پہنچے تو وہ بھی ایسے لوگوں کے ذریعہ جو غیر اسلامی تصوارات سے پوری طرح سبک دوش نہیں ہو سکے تھے، غور کے مسلمانوں کی بیشتر تعداد کرامیہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی، اس فرقہ کا بانی ابوعبداللہ محمد بن اکرم (متوفی: 255ھ) تھا، علامہ اقبالؒ نے بدھ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے :

آشکار اُس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمین قابل نہ تھی
آہ! شودر کے لئے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں

(بانگ درا، علامہ اقبالؒ)

● ● ●

پیغمبر اسلام ﷺ اور بائبل

مولانا اقبال احمد انجینئر ◆

(۱) نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر قدیم کتب الٰہی میں دیئے جانے کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے :

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (۱)

جن کو ہم نے دی ہے کتاب ، پہچانتے ہیں اس کو ، جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فرقہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان کر۔

اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ تورات وانجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور آپ کی واضح علامات ونشانات کا ذکر آیا ہے، باوجود تحریفات کے اب تک جو کتاب بائبل کے نام سے موجود ہے، اس کے ذریعہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو بھی یقینی طور پر جانتے پہچانتے ہیں، یہاں پوری طرح پہچاننے کے لئے تشبیہ بیٹوں سے دی گئی ہے؛ کیوں کہ انسان اپنے بیٹوں کو ابتداء پیدائش سے اپنے ہاتھوں میں پالتا ہے، اس کے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا، جو ماں باپ کی نظر سے اوجھل رہا ہو، بخلاف ماں باپ کے کہ ان کے اعضائے مستورہ پر اولاد کی نظر نہیں ہوتی، بیٹا فی الواقع اپنا ہو یا نہ ہو، مگر جس کو بحیثیت بیٹے کے انسان پالتا ہے، اس کی شکل وصورت کے پہچاننے میں کبھی اشتباہ نہیں ہوتا، پس! مقصود یہ ہے کہ جس نبی آخر الزماں کے منتظر یہ لوگ ہیں، بس وہ اب آ چکے :

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (۲)

◆ استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

(۱) البقرۃ: ۱۴۷۔ (۲) الاعراف: ۱۵۷۔

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں، اس رسول کی، جو اُمی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا، منع کرتا ہے برے کام سے، حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں، اور حرام کرتا ہے ان پر حرام چیزیں، اور اُتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی معاونت اور اس کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اُترا ہے، وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو۔

اس آیت میں یہ بات قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفات وحالات کو لکھا ہوا پائیں گے؛ بلکہ ''یجدونہ'' کا لفظ اختیار کیا گیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کو لکھا ہوا، پائیں گے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تورات وانجیل میں رسول کریم ﷺ کی صفات ایسی تفصیل ووضاحت کے ساتھ ہوں گی کہ ان کو دیکھنا ایسا ہوگا، جیسے خود آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور تورات وانجیل کی تخصیص یہاں اس لئے کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل انھیں دو کتابوں کے قائل ہیں، ورنہ آنحضرت ﷺ کے حالات وصفات کا ذکر زبور میں بھی موجود ہے۔

خاتم النبی ﷺ کی جو صفات تورات اور انجیل میں لکھی تھی، ان کا کچھ بیان تو قرآن کریم میں بحوالہ تورات وانجیل آیا اور کچھ روایات حدیث میں ان حضرات سے منقول ہے، جنھوں نے اصلی تورات وانجیل کو دیکھا اور ان میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک پڑھ کر ہی وہ مسلمان ہوئے ؛بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انسؓ اور حضرت علیؓ سے نقل کیا، امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ کعب احبارؓ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق تفصیل لکھی ہوئی ہے، ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت سہلؓ مولیٰ خیثمہ سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے خود انجیل میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفات پڑھی ہیں ؛بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت نقل کی ہے —— جو یہود کے سب سے بڑے عالم اور تورات کے ماہر تھے —— انھوں نے فرمایا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق حالات وصفات مذکور ہیں، کتبِ سابقہ کے بڑے ماہر عالم حضرت وہب بن منبہؒ سے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ زبور میں آپ ﷺ کے متعلق تفصیل موجود ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں :

سینکڑوں میں سے یہ چند روایات تورات، انجیل اور زبور کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں، پوری روایات کو محدثین نے مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔(۱)

اس پس منظر میں موجودہ بائبل میں آخری نبی ﷺ کی تفصیل کو تلاش کرتے ہیں :

(۱) معارف القرآن: ۴/ ۸۳، سورہ اعراف۔

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بائبل کیا کہتی ہے؟

تمام آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے آنے کی پیشین گوئیاں موجود ہیں، اس سلسلے میں ''عیسائیت'' کی موجودہ مذہبی کتاب، جسے وہ بائبل کہتے ہیں اس میں آج بھی وہ تمام پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

عہد نامہ قدیم میں حضرت محمد ﷺ کے آنے کی پیشین گوئی

قرآن کریم میں تصدیق کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا مانگی تھی، اسے قبولیت بخشی گئی:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔(۱)

اور یاد کرو ابراہیم اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اے رب! ہم دونوں کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا، جو تیری فرمانبردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، اور اے رب! ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول اُٹھا، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ جامع دُعا، جس میں ایک ایسے رسول کی درخواست کی گئی، جو مکہ کی قوم میں سے ہو، وہ لوگوں کو اللہ کی آیات سنائے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور لوگوں کی زندگیاں سنوارے، اب زندگیاں سنوارنے کا مطلب کیا ہے؟ ایک ایسی تعلیم ہے، جس میں خیالات، اخلاق، عادات، معاشرت، تمدن، سیاست، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ضرورت کو سنوارنے کی بابت معلوم ہو، اس میں تمام انسانوں کی بات کی گئی ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جامع دُعا، آخری نبی ورسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت مبارک سے تکمیل کو پہنچی،

(۱) البقرہ:۱۲۷، ۱۲۹۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ خانہ کعبہ، مکۃ المکرمہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں نے مل کر دُعا کی تھی تو آنے والے نبی کا تعلق بھی ان دونوں کی اولادوں میں سے ہی ہونا چاہئے ، بنی اسرائیل جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان میں سے آخری نبی کا آنا ممکن ہی نہیں تھا،قرآن نے تصدیق کی کہ آخری نبی ضرور آئیں گے اور وہ بنواسماعیل میں سے ہوں گے، آیئے اب عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں کیا پیشین گوئی ہے؟ اس کا جائزہ لیں۔

عہد نامہ قدیم میں اللہ کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

- اور خداوند نے ابراہام سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا، جو میں تجھے دکھاؤں گا۔(۱)
- اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا، سو تو باعث برکت ہوا۔(۲)
- جو تجھے مبارک کہیں، ان کو میں برکت دوں گا، اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا، اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے۔(۳)

عہد نامہ قدیم کے اس حوالے میں خدائے بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کے لئے بابرکت بنادیا، زمین پر بسنے والے سارے لوگوں کا انجام، ان کے بعد تمام انبیاء کا ان ہی کی نسل سے آنے کا وعدہ اور آخری نبی بھی ان ہی کی نسل سے مبعوث فرمانے کا وعدہ کیا گیا، اس وعدہ کی تفصیل اس طرح ہے :

(۱) تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔
(۲) برکت دوں گا۔
(۳) سرفراز کروں گا (نام بڑا کروں گا)۔
(۴) جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارک کہیں گے، انھیں اللہ برکت دے گا۔
(۵) زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں کی بڑی قوم

آج دنیا میں یہودی، عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جدامجد اور پیغمبر مانتے ہیں،

(۱) پیدائش:۲:۱۲۔ (۲) پیدائش:۲:۱۲۔ (۳) پیدائش:۳:۱۳۔

ہندوستان میں برہما کماری، اوم شانتی گروہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتا ہے، ان اعدادشمار کے مطابق دنیا کی تین چوتھائی آبادی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والی ہے، اس طرح اُس وعدہ کی تصدیق ہورہی ہے، جو خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا۔

(۲) برکت دوں گا اللہ کا وعدہ

برکت کا مطلب کامیابی اور شہرت سے لیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت عرب کے کئی علاقوں میں ہوئی، عراق سے نکل کر مصر، مکہ اور شام کا طویل سفر کیا، جہاں جہاں آپ گئے، وہاں لوگوں نے آپ کی عزت کی اور آپ پر ایمان بھی لایا، آزمائش کے بعد جب کبرسنی میں اولاد دی، تو ان کی نسل میں برکت دی اور نام بڑا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں اتنی برکت تھی کہ آپ کو سراپا ایک اُمت کہا گیا، یعنی آپ مجموعہ اقوام ہیں۔

(۳) سرفراز کروں گا (نام بڑا کروں گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے نبی آئے، سب آپ کی اولاد میں سے ہیں اور نبی آخرالزماں بھی آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں، آج دنیا میں ہر جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا جاتا ہے، یہودیت وعیسائیت ہو کہ اسلام، تمام مذاہب کے ماننے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام عزت واحترام سے لیتے ہیں، ان کی نبوت اور پیغام پر کسی کو اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کو جوڑنے کے لئے آپ کا نام لیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ قیامت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بڑا کرتا رہے گا۔

(۴) جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارک کہیں گے، انھیں اللہ برکت دے گا

اس وعدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارک کہنے والے گروہ میں سب سے بڑا گروہ مسلمانوں کا ہے، یہ واحد گروہ ہے جو ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت بھیجتا ہے؛ حالاں کہ تین چوتھائی دنیا کی آبادی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتی ہے؛ لیکن پانچ وقت کی نمازوں میں مسلمان درود ابراہیمی پڑھ کر آپ کو مبارک کہتے ہیں، اس کے علاوہ درود ابراہیمی کا ورد ہر لمحہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں جاری ہے، کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا، جس میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت نہیں بھیجی جاتی ہو، یہی وجہ ہے، کہ (۱۴۳۸) سال کے عرصے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی ہے اور اس میں اضافہ ہورہا ہے، حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا گروہ دنیا میں ایسا آج موجود نہیں ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت بھیجتا ہو۔

(۵) زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے

دین ابراہیمی کی دعوت جب نبی کریم ﷺ نے مکہ میں شروع کی تو مکہ کے لوگوں نے دعوت قبول کی، مدینہ کے لوگوں نے بھی دعوت قبول کی، جو دین ابراہیمی سے ناواقف تھے، اس میں وہ عیسائی اور یہودیوں کا گروہ بھی شامل ہوا، جو دین ابراہیمی سے واقف تھا، یہاں تک کہ حبشہ کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا، ہندوستان اور مشرقی ایشیاء کے ممالک جن میں انڈونیشیاء، ملائیشیا، بنگلہ دیش اور افریقہ کے کئی ممالک بھی ہیں، ان میں دین ابراہیمی کی دعوت پہنچی، اور ان میں ایسے لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، جو اس سے قبل دین ابراہیمی سے واقف نہیں تھے، آج دنیا کا ہر چوتھا آدمی دین ابراہیمی کی اصل تعلیمات سے واقف اور عمل پیرا ہے، اس طرح ایک چوتھائی دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وسیلے سے برکت ملی ہے اور قبیلے در قبیلے اسی برکت میں داخل ہو رہے ہیں، اس کا امکان بھی ہے کہ ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ ساری دنیا میں دین ابراہیمی پر عمل ہوگا اور ایک اُمت واحدہ کی طرح اس پر اللہ کی برکت ہوگی۔

اکثر عیسائیوں کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعلق سے کیا خیال ہے؟

پال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہی ابراہام کی نسل کو ختم کرنے کی جو وجوہات بتائی ہیں، بعد کے یہودیوں وعیساؤں نے اسی کو عقیدے کی بنیاد بنالیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں بھی نبی آتے رہے، خود حضرت یعقوب علیہ السلام جنھیں اسرائیل کہا جاتا ہے، ان ہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس نسل کے آخری نبی ہیں، یہودی تو چاہتے تھے کہ آخری نبی بھی بنی اسرائیل میں آئیں اور یہ بات پال بھی خوب جانتے تھے؛ کیوں کہ وہ خود یہودی فقیہ وفریسی رہ چکے تھے، جو بعد میں عیسائیت میں داخل ہوئے، پال کے متضاد اقوال سے یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسی بات پال نے کب کہی ہوگی، پال کے زمانے میں نبی کریم ﷺ کے آنے کی پیشین گوئی تو موجود تھی اور ان کا انتظار ہو رہا تھا؛ چوں کہ ابھی آپ ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ کہنا کہ ''تعصب'' سے پال نے ایسا لکھا ہے، سچ نہیں ہوسکتا؛ چوں کہ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں تضادات محسوس ہوتے ہیں، اس لئے یہ بھی کہا نہیں جاسکتا کہ یہ کیوں ہوا؟ یہ کہنا مشکل ہے کہ پال نے ایسا کیوں کہا ہے؟ یا پال کا نام لے کر کسی نے اسے بائبل میں شامل کیا ہے، اب یہ مسئلہ عیسائیوں کا ہے کہ وہ سچائی کو تلاش کریں؛ کیوں کہ پال کے ان دو متضاد باتوں سے ان کی شخصیت متاثر ہوتی ہے اور ان کے اقوال شہادت کے معیار پر پورے نہیں اُترتے، پال چوں کہ یہودی اور عیسائی عالم تھے، تو ان کو یہودیت

اورعیسائیت کے متعلق علم رہا ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی اور یہودیوں کی پیشین گوئیوں کے متعلق بھی انھیں علم رہا ہوگا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کو بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں، جو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جاری رہی۔

اکثر عیسائیوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ''باب پیدائش'' کے حوالوں میں جو ذکر ہوا ہے، بس اتنا ہی ذکر موجود ہے اور بائبل میں کسی اور جگہ نہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کی اولاد کا ذکر ہے، اس طرح سے وہ بنو اسماعیل کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں اور جو دعویٰ بنو اسماعیل کی طرف سے کئے گئے، ان کی صداقت پر انھیں شک ہے؛ کیوں کہ ان کی مقدس کتابوں میں بنو اسماعیل کا زیادہ تذکرہ نہیں ہے، آیئے اکثر عیسائیوں کے ان خیالات کی حقیقت جاننے کی کوشش کریں کہ کیا واقعی یہی بات ان کی مقدس کتابیں کہتی ہیں، یا یہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں؟

- وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثناء خوانی کریں۔(۱)
- خداوند بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ مارے گا، ہاں! وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔(۲)
- اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام یہ ہیں، یہ ترتیب واران کی پیدائش کے مطابق ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پہلوٹھا نبایوت تھا پھر قیدار اور ادبئیل اور مبسام۔(۳)
- اور مشماع اور دومہ اور مسا۔(۴)
- حدد اور تیما اور یطور اور نفیس اور قدمہ۔(۵)
- یہ حضرت اسماعیل کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلے کے سردار ہوئے۔(۶)
- اور تیراندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے کیوں کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔(۷)

---

(۱) یسعیاہ: ۴۲:۱۲۔ (۲) یسعیاہ: ۴۲:۱۳۔
(۳) پیدائش: ۲۵:۱۳۔ (۴) پیدائش: ۲۵:۱۴۔
(۵) پیدائش: ۲۵:۱۵۔ (۶) پیدائش: ۲۵:۱۶۔
(۷) یسعیاہ: ۱۲:۱۷

اوپر کے حوالوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکثر عیسائیوں کا جو خیال ہے کہ بنو اسماعیل کا کوئی تذکرہ بائبل میں نہیں ہے، وہ صحیح نہیں ہے، پیدائش : ۱۳: ۲۵ کے حوالے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ''قیدار'' کا تذکرہ موجود ہے اور یسعیاہ: ۱۷، ۱۳: ۲۵ میں بارہ بیٹوں کے نام کے ساتھ ان کی بستیوں کے ناموں کا تذکرہ موجود ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ ان بستیوں کے وہ سردار بھی ہوں گے۔

یسعیاہ: ۱۳، ۱۱: ۴۲ میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے قیدار کی بستی سے خوشیاں نکلیں گی اور ایک ایسا بہادر نکلے جو جنگ کرے گا، غیرت کو بحال کرے گا اور اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا، ان حوالوں نے عیسائیوں کی وہ غلط بیانی اور غلط تشہیر کے مقصد کو بے نقاب کر دیا اور ان کا مقصد یہی ہے کہ بنو اسماعیل کا تذکرہ نہ ہو؛ کیوں کہ اگر ان سب حوالوں کو عوام کے سامنے لائیں گے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں نبیوں کے بھیجنے کا اللہ کا جو وعدہ تھا وہ بنو اسماعیل میں آخری نبی بھیج کر ہی پورا ہوا ہے، اور وہ مقام جہاں آخری نبی آئیں گے، ہمیشہ سرسبز وشاداب اور خدا کی عبادت کا گھر ہوگا اور مرکز دعوت الٰہی بھی ہوگا، بنی قیدار کی شکست کا حوالہ: ۱۷: ۱۶ میں جو بیان کیا گیا ہے، اس سے وہ باہر نکلیں گے اور ان کو پھر سے فتح حاصل ہوگی۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بنی قیدار کی بستی سے اُجالا ہوگا، اس کے چڑھتے سورج کی روشنی سے دنیا میں بھی اُجالا ہوگا۔

بنواسماعیل کے متعلق پیشین گوئی

بنواسماعیل کے متعلق پیشین گوئی یسعیاہ کے باب: ۶۰ میں یہ ہے :

- اُٹھ، مُنوّر رہو؛ کیوں کہ تیرا نور آ گیا، اور خداوند کا جلال تجھ پر آشکار ہوا۔
- دیکھ! زمین پر تاریکی چھائی ہوئی ہے اور تیرگی اُمتوں پر؛ لیکن تجھ پر خداوند کا نور طلوع ہو رہا ہے اور اُس کا جلال جلوہ ریز ہے۔
- قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی، اور سلاطین تیری صبح کی تجلی میں چلیں گے۔
- نگاہیں اُٹھا اور چاروں طرف نظر ڈال: تو تو دیکھے گی کہ سب لوگ جمع ہو کر تیرے پاس آ رہے ہیں، تیرے بیٹے بھی دُور سے آئیں گے، اور وہ تیری بیٹیوں کو گود میں اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔
- تب تو دیکھے گی اور خوشی سے چمک اُٹھے گی اور وہ تیری بیٹیوں کو گود میں

اُٹھائے ہوئے ہوں گے، تب تو دیکھے گی اور خوشی سے چمک اُٹھے گی اور تیرا دل خوشی کے مارے دھڑکنے لگے گا اور پھولا نہ سمائے گا ؛ کیوں کہ سمندر کی تمام دولت اور مختلف قوموں کا مال وزر تیرے پاس لایا جائے گا۔

● اونٹوں کے جھنڈ کے جھنڈ، جن میں مِدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں بھی ہوں گی، تیرے ملک میں ہر طرف پھیل جائیں گے اور سبا کے سارے لوگ سونا اور لوبان لے کر خداوند کی حمد کرتے ہوئے آئیں گے۔

● قیدار کے تمام ریوڑ تیرے پاس جمع کئے جائیں گے اور نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں لائے جائیں گے، اور وہ میرے مذبح پر ذبیحہ کے طور پر مقبول ہوں گے اور میں اپنی جلالی ہیکل کو آراستہ کروں گا۔

● یہ کون ہیں جو بادلوں کی طرح اُڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں، جیسے کبوتر اپنی کابک کی طرف؟

● یقیناً جزیرے میری راہ دیکھیں گے اور ترسس کے جہاز آگے آگے چل رہے ہیں اور تیرے بیٹے اُن کی چاندی اور سونے کے ساتھ دُور سے لے آرہے ہیں؛ تاکہ خداوند تیرے خدا، اور اسرائیل کے قدوس کا نام اُونچا ہو؛ کیوں کہ اُس نے تجھے شان وشوکت سے نوازا ہے۔

● پردیسی تیری دیواریں پھر سے تعمیر کریں گے، اور اُن کے سلاطین تیری خدمت کریں گے، گو میں نے غصہ میں تجھے مارا؛ لیکن اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا۔

● تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے، وہ کبھی بند نہ ہوں گے، خواہ دِن ہو یا رات؛ تاکہ لوگ مختلف قوموں کی دولت اور اُن کے بادشاہوں کو فتح کے جلوس کی شکل میں تیرے پاس لائیں۔

● جو قوم یا مملکت تیری خدمت گزاری نہ کرے گی، وہ تباہ ہو جائے گی، وہ مکمل طور پر برباد ہو جائے گی۔

● لبنان کا جلال، صنوبر، سرو اور دیودار کے ساتھ تیرے پاس آجائے گا؛ تاکہ میرے مقدس کو آراستہ کیا جائے، اور میں اپنے پاؤں کی چوکی کو رونق بخشوں گا۔

- تجھ پر ظلم ڈھانے والے کے بیٹے سر جھکائے ہوئے تیرے سامنے آئیں گے اور تیری تحقیر کرنے والے سبھی لوگ تیرے قدموں میں جھکیں گے ، اور تجھے خداوند کا شہر اور اسرائیل کے قدوس کا صیّون کہہ کر پکاریں گے۔
- حالاں کہ تجھے ترک کیا گیا اور تجھ سے نفرت کی گئی ، یہاں تک کہ کوئی تجھ میں سے ہو کر گزرتا بھی نہ تھا، اس لئے میں تجھے ہمیشہ کے لئے مایہ ناز اور تمام نسلوں کے لئے شادمانی کا باعث بنادوں گا۔
- تُو قوموں کا دُودھ پیئے گی اور شاہی چھاتیاں چُوسے گی، تب تُو جانے گی کہ میں خداوند تیرا نجات دہندہ، تیرا فِدیہ دینے والا اور یعقوب کا قادر خدا ہوں۔
- میں تیرے لئے پیتل کی بجائے سونا، اور لوہے کی بجائے چاندی لاؤں گا اور میں تیرے لئے لکڑی کی بجائے پیتل ، اور پتھروں کی بجائے لوہا لاؤں گا ، اور میں سلامتی کو تیرا گورنر اور راست بازی کو تیرا حاکم بناؤں گا۔
- تیرے ملک میں پھر کبھی تشدد کا ذکر نہ ہوگا ، نہ ہی تیری حدود کے اندر تباہی یا بربادی ہوگی ؛ بلکہ تُو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے پھاٹکوں کا نام حمد رکھے گی۔
- پھر دِن کو سورج تیری روشنی نہ ہوگا اور نہ چاند کی چاندنی تجھ پر چمکے گی ؛ بلکہ خداوند تیرا ابدی نُور ہوگا اور تیرا خدا تیرا اجلال ہوگا۔
- تیرا سورج پھر کبھی نہ ڈھلے گا ، نہ ہی تیرے چاند کو زوال آئے گا ، خداوند تیرا ابدی نُور ہوگا اور تیرے غم کے دِن ختم ہو جائیں گے۔
- پھر تیرے سب لوگ راست باز ہوں گے ، وہ میری لگائی ہوئی شاخ ، اور میرے ہاتھوں کا کام ہیں ؛ تا کہ میرا اجلال ظاہر ہو۔
- تم میں جو کمترین ہوگا ، ایک ہزار ہو جائے گا ، اور سب سے حقیر ایک زبردست قوم بن جائے گا ، میں خداوند ہوں ، عین وقت پر میں سب کچھ تیزی سے عمل میں لاؤں گا۔

بنو اسماعیل کی بستی کا تذکرہ مندرجہ بالا حوالوں میں بتایا گیا ہے یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ مکہ شہر پر صادق آتی ہے ، یہ خانہ کعبہ کی تصویر کھینچی گئی ہے ، جہاں دنیا کے تمام لوگ ، ہر سمت سے اس مرکز کی طرف آتے ہیں ، سمندری

اور ہوائی راستوں سے سفر کرتے ہیں، بیان کیا گیا کہ اس میں تجارت ہوگی، معاشی حالت بہتر ہوگی اور جب وہ تیری طرف آئیں گے تو حمد بیان کرتے ہوئے ''لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک'' کہتے ہوں گے، مکہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے اس کی تعمیر ہوگی اور اس کی خدمت کریں گے، ہزاروں بھیڑوں کی قربانیاں ہوں گی جو عیدالاضحیٰ کے علاوہ بھی دی جاتی ہیں، اس کے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے، اس پیشین گوئی کے مطابق خانہ کعبہ کے علاوہ کوئی عبادت گاہ دینا میں ایسی نہیں ہے جس کے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہتے ہوں اور بادشاہ وقت، چاہے کسی ملک کا ہو، وہ اپنے وقت کے مطابق اس گھر کی زیادت کرسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ داخلے کے لئے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کون ہیں؟

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ (۱)

تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اسی پیغام توحید کے ساتھ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا: ''اس رب کی پیروی کر، جو میرا اور تیرا رب ہے، جو مارتا ہے جلاتا ہے، اور جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں ڈبوتا ہے'' اور فرعون نے یہ بات نہ مانی اور غرق کر دیا گیا، یہ اللہ کا سخت ترین عذاب تھا جس میں وہ غرق ہوا، اس آیت میں یہ تنبیہ اس وقت کے مشرکین مکہ کو تھی کہ اگر وہ رسول اکرم ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو ان کا حشر بھی فرعون جیسا ہوگا، اس آیت میں مذکورہ تنبیہ قیامت تک کے ان تمام انسانوں کے لئے بھی ہے، جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں اور ان کے انکار پر دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہوگی۔

نبی کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اور بھی کئی مماثلتیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب شریعت توریت دی گئی، نبی کریم ﷺ کو بھی کتاب شریعت قرآن دی گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اُمت نے قبول کیا اور ان پر ایمان لائے ......، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عائلی زندگی ہے، بنی کریم ﷺ کی بھی عائلی زندگی ہے......، نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کے وقت عرش پر کلام کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

(۱) مزمل:۱۵۔

اللہ نے کلام کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تحفظ کے لئے فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا، نبی کریم ﷺ کے چاہنے والوں نے قیصر وکسریٰ کو شکست دی اور بھی کئی مماثلتیں شریعت اور عوامی مقبولیت میں ملتی ہیں، جو تفصیل سے بیان کی جاسکتی ہیں۔

عہد نامہ جدید میں نبی کریم ﷺ کے آنے کی پیشین گوئی

اب تک عہد نامہ قدیم میں موجود رسول اکرم ﷺ کے آنے کی پیشین گوئیوں پر دلائل کی روشنی میں وضاحت کی گئی، یہودی تعصب کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں؛ لیکن اپنی مقدس کتاب کے حوالوں کو رد کرنے کے لئے ان کے پاس اپنی مقدس کتاب ہی سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، عیسائی بھی ان مذکورہ حوالوں کے ذریعہ موجود دلائل کے انکار میں کچھ نہ لکھتے رہتے ہیں، اکثر عیسائی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو رد کرنے کے لئے آئی تھی؛ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت آنے کے بعد قدیم ساری شریعتیں منسوخ سمجھی جائیں، عیسائی اسے ایک مضبوط دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس بنیاد پر عیسائی حضرت رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئیوں کو اہمیت نہیں دیتے اور اس کا انکار کرتے ہیں، اس پس منظر میں آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نامہ جدید، جس پر عیسائیوں کا ایمان ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے متعلق کیا لکھا گیا ہے :

- تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا؛ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔(۱)
- انھوں نے اس سے پوچھا، پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔(۲)
- پس انھوں نے اس سے کہا پھر کون؟ تا کہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے۔(۳)
- اس نے کہا: میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے، بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔(۴)

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کیا ہوگا؟ آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی

(۱) یوحنا:۲۰:۱۔ (۲) یوحنا:۲۱:۱۔
(۳) یوحنا:۲۲:۱۔ (۴) یوحنا:۲۳:۱۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشارت دی ہے؛ کیوں کہ قرآن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آنے کے دو مقاصد تھے: ایک تو حضرت موسیٰ کی بگڑی شریعت میں سدھار اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے ہاتھوں اس کی تکمیل نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ ان کی عمر نبوت بہت کم تھی، اس لئے شریعت کے سدھار کے لئے کسی اور نبی کے آنے کی بشارت ان کو دینی تھی، جب قرآن نے تصدیق کی ہے تو ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ بشارت موجودہ بائبل میں ضرور ملے گی، قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آنے کا دوسرا مقصد رسول اکرم ﷺ کے آنے کی شہادت دینا تھا، تو یہ شہادت ضرور بائبل میں ملے گی، انسانی علم کو اتنی قدرت حاصل نہیں ہے کہ جن علوم کو خدا رکھنے کا فیصلہ کرلے، انسان اسے سرے سے محو کردے، ان علوم کی حفاظت بھی خدا کی ذمہ داری بن جاتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا مقصد تو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے :

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ (۱)

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا؛ مگر جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا: ''یہ تو صریح جادو ہے''۔

اب آیئے عہد نامہ جدید میں کیا کہا گیا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں :

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے؛ کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا؛ لیکن اگر جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا، (مددگار Comforter)۔(۲)

یوحنا: ۷:۱۶ کے اس حوالے کا جائزہ لیتے ہوئے یہ معلوم کرنا ہے کہ اکثر عیسائیوں کا کیا نقطۂ نظر ہے؟ اور علمی وتحقیقی دائرے میں استدلال کے لئے اصل طریقہ کار کیا ہوگا؟

(الف) اس حوالے میں مددگار "Comforter" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے عربی میں معنی ''حریص علیکم'' سے ہوتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کی تعریف میں جو الفاظ استعمال ہوئے یوں ہیں :

(۱) الصف: ۶۔ (۲) یوحنا: ۷:۱۶۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ۔ (۱)

دیکھوتم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جوخودتم میں سے ہے،تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے،تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے،ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

اگر مددگار "Comforter" کے معنی دیکھیں تو سورۂ توبہ کی مندرجہ بالا آیت کے لفظ ''حریص علیکم'' اس کا مکمل مفہوم ادا کرتا ہے۔

لیکن اکثر عیسائیوں کا اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں کا دہرا معیار ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے کا یقین نہیں کرتے اور انھیں زندہ آسمان پر اُٹھایا جانا صحیح سمجھتے ہیں اور یہاں پر عیسیٰ کے جانے کے یعنی موت کو مان لیتے ہیں اور صرف اس لئے کہ یہ حوالہ محمد ﷺ کی آمد کی شہادت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے طور پر استعمال ہو سکے اور اس طرح مسلمان قرآن کی تعریف محمدی کو اس سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ اعتراض ان کے ہاں وزنی ہو؛ لیکن جو لوگ اُسلوب والفاظ کے استعمال سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بات کو کہنے کے لئے دانشمند، عقلمند، دور اندیش اور خیر اندیش حضرات تول تول کر الفاظ استعمال کرتے ہیں اور جب پیشین گوئی کی بات آتی ہے اور وہ بھی خدائے بزرگ و برتر کے علم سے تو الفاظ اور بھی محتاط انداز میں استعمال ہوتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ بہت سے لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں اور بہت سے گمراہ بھی ہو جاتے ہیں، گمراہ وہی ہوتے ہیں جو فاسق ہیں، (۲) یعنی خدا سے گئے وعدۂ حق کو نفس کی کبریائی اور نفس پرستی میں بھلا دیتے ہیں اور حق آنے کے بعد بھی اسے جھٹلانا ان کا مقصد حیات بن جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی باتیں تمثیلوں میں بتائی ہیں اور ظاہر کی ہیں، کیا اس اہم واقعے کو وہ مبہم رکھنا پسند فرماتے ؟ انگریزی ترجمہ KJV میں جو الفاظ استعمال ہوئے وہ ہیں "I GO" جس کا ترجمہ ''میرا جانا'' یا ''میں جاتا ہوں'' کیا جاتا ہے، اگر مرنے کو بتانا تھا تو ''I DIE'' استعمال کیا جا سکتا تھا، جانے کا مطلب یہاں مرنا کسی بھی صورت میں نہیں لیا جا سکتا؛ کیوں کہ اس میں ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار Comforter نہیں آئے گا اور مزید یہ کہ میں جاؤں گا تو ہی اسے بھیجوں گا، ان کے کا جانے کا تعلق مددگار کے آنے سے ہے، اگر وہ مر کر جا رہے ہیں تو بھلا اسے کیسے بھیج سکتے ہیں، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بھی یہ غلط ہے کہ خدا مرے اور مرنے کے بعد انسانوں کے لئے مددگار بھیجے اور خود کام کی تکمیل نہ کرنے کا مجرم ہو، اس کی مدد کے لئے کوئی انسان آئے اور خدا سے زیادہ اس بھیجے جانے والے انسان سے فائدہ انسانیت کو پہنچے۔

(۱) التوبۃ:۱۲۸۔ (۲) البقرۃ:۲٦۔

انگریزی میں ہو کہ اُردو یا کسی زبان میں، عام فہم الفاظ استعمال کرنے میں کبھی مشکل پیش نہیں آتی، جس سے نفس واقعہ سمجھا یا جاسکے، اسے مجہول رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ اس لئے I GO کا مطلب I DIE نکالیں اور اسے مرنے سے ہی تعبیر کریں تو یہ عجیب مسلط کرنے والی بات ہے، مسلمانوں کے پاس اسے ان ہی الفاظ کی تعبیر میں ''میرا جانا'' ہی لیا جائے گا جس کی مراد حضرت عیسیٰ کا اُٹھایا جانا مراد ہے، مرنا نہیں اور حضرت عیسیٰ کے آنے کے منتظر مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی ہیں، اس لئے اس کا مطلب ''اُٹھایا جانا'' لیا جائے گا۔

(ب) حضرت عیسیٰ نے اپنے جانے کو Comforter کے آنے سے جوڑا ہے، یعنی یہ دونوں افعال لازم وملزوم ہیں، اگر حضرت عیسیٰ نہیں گئے تو مددگار نہیں آئے گا، یا مددگار حضرت عیسیٰ کے جانے کے بعد ہی آئے گا، اب عیسائیوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا وہ Comforter جس کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے، وہ آیا ہے، یا نہیں؟ مذاہب کے مطالعہ سے جو تاریخی شواہد ملتے ہیں ہو اسی بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سوائے محمد مصطفیٰ ﷺ کے کوئی نبی نہیں آیا، اس طرح سے محمد مصطفیٰ ﷺ ہی Comforter کی تعریف پر صادق آتے ہیں، جو ساری انسانیت کے لئے رحمت للعالمین، شاہد، مبشر اور نذیر، بنا کر بھیجے گئے۔

(ج) اس مددگار کی تعلیم کے بارے میں بھی اسی حوالے میں بتایا گیا کہ وہ ہدایت اور رہنمائی، جزا اور سزا فائدہ اور نقصان بتانے والا ہوگا اور وہ مددگا بہت سی وہ باتیں جو حضرت عیسیٰ نے نہیں بتائیں، ان سب کو کھول کھول کر بتائے گا۔

مددگار Comforter کے کام

یوحنا: ۷:۱۶ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک Comforter کے آنے کی بات کہی، اب تک ہم نے اسے Person ثابت کرنے کے دلائل دیئے، اب اس کا جائزہ لیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو Comforter آئے گا، اس کے کام کیا ہوں گے؟

- وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھیرائے گا۔(۱)
- گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔(۲)
- راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔(۳)
- عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دینا کا سردار مجرم ٹھیرایا گیا۔(۴)

(۱) یوحنا:۱۶:۸۔ (۲) یوحنا:۱۶:۹۔ (۳) یوحنا:۱۰:۱۔ (۴) یوحنا:۱۶:۱۱۔

یوحنا ۱۶:۷ میں جو حوالہ مددگار کے بارے میں دیا گیا اس کے تین کام بتائے گئے کہ وہ گناہ، راست بازی اور عدالت، کے بارے میں بات کرے گا، اس کی مزید توضیح یوحنا ۱۶:۹ : میں یوں ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانا گناہ بتایا جائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا مطلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہ حیثیت نبی کے ایمان لانا ہے نہ کہ عقیدہ تثلیث پر ایمان، راست بازی کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور گناہ کی تفصیل اور اس پر چلنے کے لئے راست احکامات۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا باقی رکھا؟

اس عنوان میں ہم یہ جائزہ لیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں کن اُمور کو باقی رکھا اور وہ کونسی باتیں تھیں جو مستقبل کے لئے چھوڑ دیا، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انھوں نے باوجود اپنی تعلیمات کے حواریوں اور اس ماحول کو اس کے لئے تیار نہیں پایا کہ وہ ساری چیزیں ظاہر کردیں، جو ان کو معلوم تھیں اور اللہ کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ملی تھی؛ کیوں کہ نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو، اس کی تفصیل کے لئے ذیل کا حوالہ ہے :

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کرسکتے۔(۱)

اوپر کے حوالے میں جو پس منظر ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو نصیحتیں کررہے ہیں، ایک ایسے موقع پر جب کہ ان کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، مستقبل کے متعلق انھوں نے ان کو بتایا کہ ایک اور مددگار آئے گا اور راستبازی کی باتیں بتائے گا اور تم اس کی پیروی کرنا، جب نصیحتوں کے اختتام پر پہنچے تو انھوں نے یہ کہا کہ ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کرنی ہے''، یعنی مستقبل کے متعلق اور بھی بہت کچھ کہنا ہے، یعنی میری تعلیم یہیں تک تھی گو کہ مجھے اور باتوں کا علم ہے، مگر میں تم کو بتا نہیں سکتا اور وہ باتیں جو میں نہیں بتا رہا ہوں، وہ باتیں مستقبل میں وہ مددگار تمہیں بتائے گا، اس حوالے میں جو بات پوشیدہ رکھی گئی، اس کا اظہار محمد ﷺ کے بعثت کے بعد سامنے آگیا، عیسائیوں نے کن کن باتوں کو برداشت نہیں کیا، وہ سب عیاں ہوگئیں :

(۱) بنی اسرائیل کی نسل میں ہی مسلسل نبی آتے رہے؛ حالاں کہ انھوں نے نبیوں کو بہت ستایا اور سینکڑوں نبیوں کا قتل تک کیا؛ لیکن باوجود اس کے ان ہی کے درمیان نبی بھیجے گئے، اس لئے انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ چاہے وہ کچھ بھی حرکت کریں، اللہ کی کتنی ہی نافرمانی کریں، اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم سے کئے گئے وعدہ کے مطابق ان ہی کی اولاد حضرت یعقوب میں سے نبی بھیجے گا؛ لیکن جب نبی کریم ﷺ بنی اسماعیل میں سے آئے، جن کا آنا حسب وعدہ تھا، تو انھوں نے اس کو برداشت نہیں کیا اور جانتے بوجھتے انکار کرنے لگے اور شدید مخالفت اور مزاحمت کی۔

(۱) یوحنا: ۱۶:۱۲۔

(۲) تحویل قبلہ کو بھی وہ برداشت نہ کر سکے، نبی کریم ﷺ نبوت کے تقریباً ۱۵؍سال تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، بنی اسرائیل اس بات پر خوش تھے، چاہے ''وہ نبی'' بنی اسماعیل میں سے ہوں، مگر رُخ تو ہمارے قبلہ ہی کی طرف کر رہے ہیں، یعنی ہمیں اصل مان رہے ہیں؛ لیکن ہجرت کے دوسرے سال جب تحویل قبلہ کے احکامات آئے تو بنی اسرائیل برداشت نہیں کر سکے اور اعتراض کرنے لگے۔

(۳) اُمت محمد ﷺ کو آخری اُمت اور منصب رسالت کا ذمہ دار بنا کر دعوت دین کی ذمہ داری سونپنے پر وہ ناخوش تھے، اسے برداشت نہیں کر پا رہے تھے، وہ جنت کا حقدار تو اپنے کو ہی سمجھتے تھے اور جب اُمت مسلمہ رسول اکرم ﷺ کو جنت کا حقدار بتایا گیا تو اسے وہ برداشت نہ کر سکے، اس کی مزید تفصیل یوں ہے :

> انھوں نے اس سے کہا، ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا، جو موسم پر اس کو پھل دیں گے۔(۱)

اس حوالے سے اور وضاحت ہوجاتی ہے کہ نبیوں کی آمد کے سلسلے کے بعد بھی بنی اسرائیل اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے اور یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، ان کا بھی انھوں نے انکار کیا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش بھی کی گئی، اس طرح آزمائش کی ناکامی کے بعد وہ اپنا حق کھو چکے تھے کہ اب ان کے پاس مزید کوئی نبی آئے، اس لئے متی کے اس حوالے میں یہ پیشین گوئی موجود ہے کہ اب یہ ذمہ داری دوسروں کو دی جائے گی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کے مطابق ان کی اولاد میں بنی اسماعیل ہی ایسے تھے، جن میں رسول نہیں آئے تھے اور اللہ کے وعدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہی نبی کا آنا تھا، اور چوں کہ انبیاء کی شریعت کے نفاذ میں بنی اسرائیل مکمل ناکام ثابت ہوئے تو لازمی طور پر اب یہ حق دوسروں کو منتقل کرنا ہی تھا، اس لئے اللہ کا فیصلہ بنو اسماعیل کے حق میں گیا اور وہ بھی اتنا سخت فیصلہ تھا کہ قیامت تک بنی اسرائیل اس حق سے محروم کر دیئے گئے اور خاتم النبیین کی بعثت کے ساتھ آخری شریعت ہی انسانوں کا نظام حیات بنا اور آخرت میں جزا یا سزا کا فیصلہ بھی اسی شریعت پر چلنے یا نہیں چلنے کی بنیاد پر ہوگا، یہ بہت سخت ترین فیصلہ تھا جو کہ بنی اسرائیل سے برداشت نہیں ہوا، تحویل قبلہ کا مطلب انسانوں کی رہنمائی کے لئے منصب امامت پر فائز ہونا ہے، کئی انبیاء کے آنے کے بعد یکلخت ان سے یہ حیثیت و مرتبہ اگر چھین لیا جائے تو بھلا وہ کیسے برداشت کرتے؟ لیکن اللہ کے فیصلہ کے آگے انسانوں کا سر تسلیم خم کر دینا ہی راہ نجات ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ ساری باتیں اللہ کے ذریعہ سے معلوم تھیں؛ لیکن وہ اپنے قریب ترین حواریوں سے

(۱) متی: ۲۱:۴۱۔

بھی نہ کہہ سکے، جوان پر مکمل ایمان رکھتے تھے،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کواندیشہ تھا کہ اگر یہ حقیقت معلوم ہوجائے کہ آخری مدد گار بنی اسماعیل میں سے ہوگا اور بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف رُخ ہوگا اور انسانیت کی امامت اُمت محمدیہ کودی جانے والی ہےتو برداشت نہیں کریں گے،اس لئےحضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزمائش کو پس پشت ڈال دیااور یہ مان کرکے یہ ذمہ داری آنے والے مددگار کی ہی ہے،اللہ کی ہدایت پرصرف مددگار آنے کی بات ہی کہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ باتیں جو یوحنا: ۱۲ :۱۶ میں ہیں ، احادیث نبی کریم ﷺ اور قرآن کی وضاحت سے عیسائیوں کی بابت ثابت ہوئیں اور ’’تم ان کو برداشت نہیں کرسکتے‘‘ کے الفاظ جوحضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت حواریوں سے کہے تھے، وہ عیسائیوں کے لئے نہ اس وقت قابل برداشت تھے اور نہ آج کے ماحول میں ہیں، اب جب وہ مددگار آ چکے ہیں تو چند عیسائیوں کےعلاوہ تمام عیسائی ان ہی مذکورہ بالا وجوہات کی بنیادوں پرحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات اورمسلمانوں کو برداشت نہیں کرتے ہیں، یوحنا: ۱۲:۱۶ کا حوالہ دراصل ان عیسائیوں کے لئے ایک نشان ہدایت ہے کہ دیکھوحضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو باتیں تم سے پوشیدہ رکھی تھیں اورآنے والے مددگار کے لئے رکھ چھوڑی تھیں اورجن کوسن کرتم برداشت نہیں کر پاتے ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان ہی باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ کا قرآن اوررسول اللہ کا اُسوۂ حسنہ دونوں تمہیں دعوت اسلام دے رہے ہیں اوروہی دین پیش کرر ہے ہیں، جودین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، مددگار کی یہ دعوت دین پیشین گوئی کے عین مطابق ہے،اب اس کوقبول نہ کرنا دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرنا ہے،اب کون انھیں سمجھائے کہ ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے اقوال اور پیشین گوئی سے انکارکرتے ہیں؟ توکیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شدید اور کھلی بےحرمتی اورنافرمانی نہیں ہے؟

اگرعیسائی Comforter مددگارکا مطلب Holy Sprit لیتے ہیں ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں وہ مددگار آچکے ہیں اوروہ مددگار نبی کریم ﷺ نہیں ہوسکتے تو پھر وہ بتائیں کہ Holy Sprit نے کونسی ایسی باتیں بتائیں، جوعیسائیوں کے لئے نا قابل برداشت تھیں؟ ایک بھی ایسا حوالہ اگر وہ بتاتے تو ان کی باتوں کی تصدیق ہوجاتی ؟ لیکن اس کے برخلاف Holy Sprit نے کیا کہا ہےاورکیا حکم دیا ہے اورکیا تبدیلیاں لائی ہیں؟ یہ ساری باتیں ابھی تک تشنہ توضیح ہیں، سچ تو یہ ہے کہ عیسائی حضرت یوحنا: ۱۲ :۱۶ کے حوالے کوثابت کرنے میں قطعی ناکام ہیں اور مستقبل میں بھی ناکام رہیں گے۔

● ● ●

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہندوستان کے غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی ◆

دنیا میں ہزاروں سماجی مصلحین، فلاسفہ وحکماء، مدبرین وسیاست داں، مقننین و منتظمین سلطنت، انسانوں کا بھلا چاہنے والے اور ان کی فلاح و بہبود کے کام کرنے والے آئے؛ لیکن انسانی سماج پر جتنے ہمہ گیر اثرات خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے مرتب ہوئے، اتنی اثر آفرینی کسی اور کے حصے میں نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے سحر، کردار کی عظمت اور اخلاق کی پاکیزگی کی گواہی اپنوں اور پرایوں سب نے دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وافکار کی بازگشت دنیا کے ہر خطے میں سنائی دیتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور پیغام کے بارے میں ہر زمانے میں اور دنیا کے ہر خطے میں بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں، مختصر اور متوسط بھی اور ضخیم مجلدات کی شکل میں بھی، سنجیدہ علمی وتحقیقی انداز میں بھی اور ناول کے طرز پر بھی، بڑوں کے لئے بھی اور بچوں اور نوعمروں کے لئے بھی، یہی نہیں؛ بلکہ آپ کی شخصیت کے ایک ایک پہلو اور ایک ایک گوشے پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، تصنیف وتالیف کا کام برابر جاری ہے، پھر بھی طبیعتیں سیر نہیں ہوتیں اور قلم کو تکان کا احساس نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں انسانوں کے دو طرح کے رویے ہمارے سامنے آتے ہیں، بہت سے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطعون کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے بنیاد الزام لگائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وکردار میں کیڑے نکالنے کی جسارتِ بے جا کی ہے اور انسانی سماج پر آپ کی تعلیمات کے منفی اثرات دکھانے کی سعی نامشکور میں حصہ لیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے یہ نتائج افکار ان کی مریضانہ ذہنیت کے عکّاس ہیں اور حقیقت میں یہ ان کا خبثِ باطن ہے، جو صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتا ہے۔

◆ سکریٹری تصنیفی اکیڈمی: جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی۔

دوسرا رویہ ان انصاف پسند دانشوروں کا ہے، جنھوں نے آپ ﷺ کی شخصیت کا پوری سنجیدگی ومتانت، ادب واحترام اور معروضیت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے؛ چنانچہ وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے، آپ ﷺ کے کردار کی عظمت کا گہرا نقش ان کے دل پر قائم ہوا، انھوں نے اپنی تحریروں میں عقیدت ومحبت کے موتی بکھیرے اور آپ ﷺ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

یہ دونوں انسانی رویے ہمیں یوروپ میں بھی نظر آتے ہیں اور ہندوستان میں بھی، یوروپ میں صلیبی جنگوں میں عسکری سطح پر مسلمانوں کے ہاتھوں پے درپے شکست کھانے کے بعد اہل کلیسا نے علمی محاذ پر تیاری کی اور مستشرقین کی ایک فوج تیار کی، جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو مطعون کرنے کا بیڑا اُٹھایا، انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلام کو ایک خوں خوار مذہب کی حیثیت سے پیش کیا اور پیغمبر اسلام کی شخصیت وکردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی؛ لیکن وہاں ایسے اصحابِ قلم بھی بڑی تعداد میں سامنے آئے جنھوں نے اپنے مطالعہ وتحقیق کو انحراف کا شکار نہیں ہونے دیا اور پوری غیر جانب داری کے ساتھ اسلام کے محاسن بیان کئے اور پیغمبر اسلام کی عظمت کا برملا اعتراف کیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی ہے؛ لیکن جب یہاں ان کا ستارہ گردش میں آیا اور وہ سلطنت واقتدار سے محروم ہو گئے تو عیسائیوں مشنریاں اور ہندو احیاء پرست تحریکیں دونوں ان کے خلاف سرگرم ہوگئیں، انھوں نے مسلمانوں کے مذہب، تہذیب، معاشرت اور اقدار پر تابڑتوڑ حملے کئے اور پیغمبر اسلام کی ذاتِ گرامی پر بھی کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی؛ لیکن ان کے درمیان ایسے غیر متعصب مصنفین بھی پائے گئے ہیں، جنھوں نے ناموسِ قلم کی پاس داری کی ہے، انھوں نے عقیدہ میں ڈوب کر آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری لکھی ہے، آپ کے اخلاق وکردار کے تابندہ نقوش کو سپردِ قلم کیا ہے اور آپ کی تعلیمات کو دل کی گہرائیوں سے سراہا ہے۔

سیرت کے لٹریچر میں ایسی بہت سی تحریریں کتابوں، کتابچوں اور مضامین کی شکل میں موجود ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں یورپ اور ہندوستان کے غیر مسلم دانشوروں کے احساسات وتأثرات جمع کئے گئے ہیں، پاکستان کے مشہور ادبی مجلہ 'نقوش' کے شہرہ آفاق خصوصی شمارہ 'رسول نمبر' میں (جو تیرہ ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے) اس موضوع پر کئی مبسوط مضامین ہیں، ایک مضمون پروفیسر عبدالصمد صارم کا 'قرآن، اسلام اور رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں' کے عنوان سے ہے (۱۳۴ رصفحات)، اس میں ایک سو ستائیس مغربی اور ہندوستانی دانشوروں کے افکار واحساسات پیش کئے ہیں، دوسرا مضمون خواجہ ظفر نظامی نوشہروی کا ہے، جس کا عنوان 'سرور کائنات غیر مسلم مفکرین کی نظر میں' کے عنوان سے ہے (۲۱ رصفحات)، اس میں ایک سو ایک اقتباسات جمع کئے گئے ہیں، مولوی علی شبیر صاحب نے اپنے مضمون میں آنحضرت ﷺ کی نسبت سے بعض عیسائیوں کی آراء پیش کی ہیں (۱۰ رصفحات)،

اس خصوصی شمارہ میں اس موضوع پر بعض دیگر مضامین بھی ہیں، اس موضوع پر مولانا ابومحمد امام الدین رام نگری نے بھی ہندی زبان میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں بہت سے مفکرین ودانشوروں کے خیالات جمع کئے ہیں، ان مضامین اور کتابچوں میں پیش کردہ اقتباسات محض چند نمونے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ غیرمسلم دانش وروں نے آپ ﷺ کوخراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے دنیا کی مختلف زبانوں میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں، اگران سے صرف ایک ایک اقتباس ہی جمع کیا جائے، تو دفتر کے دفتر اس کے لئے ناکافی ہوں گے۔

اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں ماضی قریب کے چند ہندو دانشوروں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا، جنھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ پر مستقل تصنیفات لکھی ہیں، یا اسلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر بھی روشنی دالی ہے، انھوں نے اپنی تحریروں میں پوری سنجیدگی، شائستگی، متانت، ادب واحترام اور معروضیت کوملحوظ رکھاہے، اس طرح انھوں نے اپنی بے تعصبی اور ذہنی کھلے پن کا ثبوت پیش کیا ہے۔

(۱) پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبۂ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں، انھوں نے Mohammad The Prophet of Islam کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے، جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، مصنف نے اپنے کتابچہ میں جہاں ایک طرف غیر متعصب مغربی مصنفین اور مستشرقین کے حوالے دیئے ہیں، مثلاً ایڈورڈ گبن، پروفیسر ہرگرونج، جرمن شاعر گوئٹے، جارج برناڈ شا، سر چارلس اڈورڈ، آرکیبا لڈ ہملٹن، پروفیسر مسیگن، چارلس بوسورتھ، رابرٹ بریفالٹ اور تھامس کارلائل وغیرہ، دوسری طرف معتدل ہندو دانشوروں سے بھی استشہاد کیا ہے، مثلاً سروجنی نائیڈو، مہاتما گاندھی، بسنت کمار بوس اور دیوان چند شرما وغیرہ۔

راما راؤ نے اللہ کے رسول ﷺ سے متعلق متعدد الزامات کی تردید کی ہے، مثلاً یہ الزام کہ محمد ﷺ نے اسلام کوشمشیر کے ذریعہ پھیلایا، وہ کہتے ہیں کہ ایسے الزامات کی حیثیت ادبی اعجوبہ کاری سے زیادہ کچھ نہیں، انھوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات میں جمہوریت اور مساوات کوخوب سراہا ہے، ان کے مطابق ان تعلیمات کے نتیجے میں بین الاقوامی اتحاد اور بھائی چارہ کے اُصولوں کو آفاقی بنیادیں فراہم ہوئیں، عورت کو میراث میں حق دار قرار دیا گیا، بارہ صدیوں کے بعد انگلینڈ نے، جو جمہوریت کا مرکز کہلاتا ہے، عورت کے حق میراث کو ۱۸۸۱ء میں قانونی شکل دی، جب کہ سینکڑوں سال قبل پیغمبر اسلام نے عورتوں کو مردوں سے نصف حق میراث دلوایا تھا۔ (ص:۱۱)

آگے مزید لکھتے ہیں :

محمد ﷺ اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے؛ چنانچہ

> یہودی بھی آپ ﷺ کی صداقت کے قائل تھے، آپ کے کردار میں آپ ﷺ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاوی مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ (ص:۱۸-۱۹)

(۲) ڈاکٹر این، کے، سنگھ، انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز دہلی کے ڈائرکٹر ہیں، جہاں سے 'گلوبل وژن' نامی سہ ماہی جرنل نکلتا ہے، انھوں نے اسلامیات کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے، Prophet Mohammad and His Companions کے نام سے انھوں نے سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہؓ پر ایک جامع کتاب تصنیف کی ہے، اس کتاب میں سیرت نبوی پر (۲۱ر صفحات میں) درج ذیل عناوین کے تحت گفتگو کی گئی ہے :

عہدِ جاہلیت کی مذہبی وسماجی صورت حال، پیغمبر کی ولادت اور بچپن، حلف الفضول میں شرکت، مذہبی بیداری کا آغاز، نزولِ وحی، مقصد بعثت، سماجی بائیکاٹ، واقعہ معراج، ہجرتِ مدینہ، اُمت کی تشکیل، تعصب، غیر رواداری اور لادینیت کے خلاف محاذ آرائی، مصالحت کی کوششیں، آخری حج، وفات، اُمت کے لئے رہنما خطوط۔

فاضل مصنف نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بڑے متوازن انداز میں گفتگو کی ہے، کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

> محمد (ﷺ) پیغمبر کا نام ایک جدید عہد کی تعمیر کے لئے جانا جاتا ہے، مذہبی حلقوں کے درمیان اس غیر معمولی شخص کا کردار بالکل صاف وشفاف ہے، محمد (ﷺ) بحیثیت انسان مر چکے ہیں ؛ لیکن بحیثیت پیغمبر انھوں نے اپنے پیچھے قرآن وسنت کی شکل میں اثاثہ چھوڑا ہے، جو تعلیمات انھوں نے ہمارے واسطے چھوڑی ہیں، اگر ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس دنیا میں ایک خوش گوار زندگی حاصل ہو سکتی ہے، اسلام اس دنیا کا ایک عملی مذہب ہے، جو انسانیت کے دنیاوی مسائل سے دلچسپی لیتا ہے اور حل پیش کرتا ہے۔ (مقدمہ، ص:۴، ۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے تمام اہل ایمان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

> محمد (ﷺ) کا مذہب عوامی اور اجتماعی تھا، یہ کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہ تھا ؛ چنانچہ اپنی اسی آفاقیت کے نتیجے میں تمام ایمان لانے والے ایک دوسرے کے عالمی طور پر بھائی تصور کئے گئے اور ان کے درمیان زبان، نسل یا طبقہ کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا اور برائی وبزرگی کی بنیاد خوفِ خدا اور تقوی قرار پائی۔ (ص:۱۰)

عام طور پر یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ہونے والی جنگوں میں زبردست کشت وخوں ہوا اور بے شمار انسانی جانیں ضائع ہوئیں، جناب این، کے، سنگھ پرزور الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> دس سالہ زندگی کی ان تمام جنگوں میں صرف ڈھائی سو غیر مسلموں کا قتل ہوا، جب کہ مسلمان اس سے بھی کم کام آئے، ان چند موتوں کے طفیل پورے خطۂ عرب سے، جو لاکھوں مربع میل پر محیط ہے، انارکی اور بدکرداریوں کا خاتمہ ہو گیا، دس سال کی ان حقیر کوششوں کے نتیجے میں پورا جزیرۂ عرب اور عراق وفلسطین کے جنوبی حصے نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ (ص:۱۷)

صحیح یہ ہے کہ عہد نبوی کی جنگوں میں ۲۵۹ رمسلمان اور ۷۵۹ رکفار مارے گئے تھے، ۸۳ رجنگیں لڑی گئی تھیں۔ (رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

عدل وانصاف، اسلام کی پیش کردہ ایک عظیم قدر ہے، اس کی تحسین کرتے ہوئے این، کے، سنگھ صاحب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں :

> انھوں نے تعصب سے خالی عدل کا تصور پیش کیا، جس کے نتیجہ میں ریاست کا حکمراں بھی عام شہری کی مانند تصور کیا جانے لگا، اس ریاست میں مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ مسلم حکومتوں کی غیر مسلم رعایا کو قانون سازی اور تہذیبی اُمور میں مکمل آزادی حاصل تھی۔ (ص:۲۱)

(۳) ہندوستان کے ادباء میں منشی پریم چند (۱۸۸۵ء-۱۹۳۶ء) ایک مشہور نام ہے، انھیں اُردو، ہندی دونوں زبانوں پر عبور تھا، انھیں افسانہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے: ''گئو دان، بازارِ حسن، کرم بھومی'' ان کی نمایاں ادبی تخلیقات ہیں، ہفت روزہ پرتاپ، دسمبر ۱۹۲۵ء میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، اس کی تلخیص 'اسلامی تہذیب' کے نام سے مدھر سندیش سنگم سے شائع ہوئی ہے، اس میں انھوں نے تہذیب کے تین نمونوں (عدل وانصاف، مساوات، اُخوت) سے بحث کی ہے اور ان میں اسلام کی امتیازی شان کو نمایاں کیا ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے ذریعہ اپنی بات کو مدلل کیا ہے، ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

> عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی وہ ہمیشہ اسلامی زندگی کے لئے آبِ حیات کا کام کرتی رہے گی، اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل وانصاف، اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل وانصاف گونج

رہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے مومنو! میری باتیں سنو اور اسے سمجھو، تمہیں معلوم ہو کہ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، تمہاری ایک ہی برادری ہے، ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ خوشی کے ساتھ نہ دے دی جائے، ناانصافی مت کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو'' اس پیغامِ جاوداں میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے، اسلام کی بنیاد عدل پر مبنی ہے، وہاں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب کے لئے فقط ایک انصاف ہے، کسی کے ساتھ رعایت نہیں، کسی کی طرف داری نہیں۔ (ص:۶-۷)

محمد ﷺ کے سوا دنیا میں کون ایسا مذہبی پیشوا ہوا ہے جس نے خدا کے سوا کسی انسان کے سامنے سر جھکانا گناہ ٹھہرایا ہو؟ (ص:۹)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے'' ان کا یہ قول سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے: ''خدا کی تمام مخلوق اس کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کا برگزیدہ ہے جو بندگان خدا کے ساتھ نیکی کرتا ہے''۔ (ص:۱۱-۱۲)

ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام الناس کے لئے جتنی قوتِ کشش ہے، وہ کسی اور میں نہیں ہے، جب نماز پڑھتے وقت ایک مہتر خود کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں احساسِ فخر کی ترنگیں نہ اُٹھنے لگتی ہوں گی؟ اس کے برعکس ہندو سماج نے جن لوگوں کو پست بنا دیا ہے، ان کو کنویں کی منڈیر پر بھی نہیں چڑھنے دیتے، انھیں مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتے، یہ اپنے سے ملانے کی نہیں، اپنے سے الگ کرنے کی علامتیں ہیں۔ (ص:۱۴)

(۴) جناب راجندر نارائن لال (ولادت: ۱۹۱۶ء) کا تعلق بھرت پور (راجستھان) سے ہے؛ البتہ ان کی تعلیم وتربیت وارانسی (یو، پی) میں ہوئی؛ کیونس کالج سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد کاشی ہندو یونیورسٹی بنارس سے ۱۹۴۰ء میں قدیم ہندوستانی تاریخ اور سنسکرت میں ایم، اے کی ڈگری حاصل کی، انھیں شروع ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا، امن وشانتی کی تلاش میں انھوں نے ہندو مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا، انھوں نے

ہندی میں ''اسلام — ایک سویم سدھ ایشور یہ جیون ویوستھا'' (اسلام — ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں انھوں نے ابتدا میں بدھ ازم، عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، پھر اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا نہایت مدلل انداز میں ازالہ کیا ہے، اسلام کا تعارف کراتے ہوئے ابتدا میں پیغمبر اسلام کی سیرتِ طیبہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی جانب سے عفو عام کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب راجندر لال نے لکھا ہے :

> اسلام لانے کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی، وہ گویا اس کی تاریخی حیاتِ نو ہے، سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد ﷺ کی قیادت میں فتح مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں گئی (سوائے دو تین نہایت سرکش لوگوں کے) اور پیغمبر اور ان کے پیروؤں نے اپنے دشمنوں کے مظالم کا بدلہ وانتقام لئے بغیر انھیں چھوڑ دیا، تاریخ میں جنگ کے بعد فاتحین کے ذریعہ مفتوحین کو اس طرح اجتماعی طور پر معافی دینے کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اس کے برعکس دیگر دھارمک پرانوں کے قصوں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کے ذریعہ سے مخالفین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے۔ (ص:۳۱-۳۲)

آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا تذکرہ مصنف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ گزاری، آپ کسی امتیاز کے بغیر سبھی مذاہب اور طبقات کے لوگوں کے خیر خواہ تھے، آپ ﷺ اس قدر سخی تھے کہ قرض لے کر بھی دوسروں کی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے، آپ ﷺ کے اندر کسی طرح کی بھی اخلاقی برائی نہیں پائی جاتی تھی، آپ ﷺ سراپا صداقت، امانت، پاکیزگی وطہارت، رحم وکرم اور امن وسلامتی کے پیام بر اور سخاوت و رحمت کا مظہر تھے، صرف دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے زندہ رہے، آپ ﷺ کی نیکی کی کوئی حد نہ تھی، محنت ومشقت کی عظمت کے لئے دوسروں میں مساوات، بھائی چارہ اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے، آپ ﷺ نے جنگ اور امن کسی بھی حالت میں ایسا کام نہ کیا جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کو دوسروں سے ممتاز سمجھیں، آپ جنگ اور امن میں حیرت انگیز طور پر رحم دل اور درگزر کرنے والے تھے۔ (ص:۳۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے اشاعتِ اسلام کے لئے کتنی جدو جہد کی اور اس راہ میں کتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا،

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب راجندر لال فرماتے ہیں :

بے سہارا اور یتیم کی حیثیت میں پلے، زندگی بھر دنیاوی تعلیم سے محروم؛ لیکن علم الٰہی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ، محمد ﷺ مظالم سہتے ہوئے خود ظالموں کے لئے بھی دُعا مانگتے رہے، وہ انتہائی مجبوری کی حالت میں حکم خداوندی کے تحت دفاعی جنگ کرتے ہیں اور مکمل فتح یابی حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے پیروؤں کے اوپر شدید مظالم ڈھانے والوں کو اجتماعی طور پر معاف کر دیتے ہیں، آپ نے اپنی زندگی ہی میں راکشس کہلانے کے لائق عربوں کو نیک وصالح بنا دیا، آپ ﷺ کے بعد ایک صدی کے اندر دنیا کے وسیع وعریض خطہ پر اسلام کی عظمت کا سکہ جم گیا اور آج بھی سب سے زیادہ مقبول اور عالم گیر مذہب اسلام ہی ہے، اس سے حضرت محمد ﷺ اور اسلام کی عظمت از خود ثابت ہے، آپ ﷺ مظالم کو سہتے ہوئے صبر وتحمل کے ساتھ توفیق الٰہی کے ذریعہ سعی کرتے رہے اور عظیم کشمکشوں وتصادم کے درمیان کامیاب ہوئے، آپ ﷺ کا مشن تھا دین حق کے طور پر ''اسلام'' اگر سائنس کے اُصول ''جہد للبقاء'' (Struggle for Existance) اور ''بقائے اصلح'' (Survival of the Fittest) صحیح ہیں اور یہ اُصول حقیقت میں سائنٹفک اُصول ہیں تو ان اُصولوں پر شخصی لحاظ سے اور رسول خدا کی حیثیت سے حضرت محمد ﷺ کھرے اُترتے ہیں اور دین کی حیثیت سے اسلام ہی ہے، جو ان اُصولوں پر کھرا ثابت ہوتا ہے۔ (ص: ۳۳-۳۴)

(۵) سوامی لکشمی شنکر اچاریہ کی ولادت (۱۹۵۳ء) کانپور کے ایک برہمن خاندان میں ہوئی، سوامی جی نے کانپور اور الہ آباد سے تعلیم حاصل کی، مگر کچھ عرصہ کے بعد مادیت کو چھوڑ کر روحانیت کی طرف مائل ہو گئے، اسلام کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر انھوں نے 'اسلامک آتنک واد کا اتہاس' نامی کتاب لکھی، جس کا انگریزی ترجمہ The History of Islamic Terrorism کے نام سے شائع ہوا، بعد میں سوامی جی کچھ مسلمانوں کے رابطے میں آئے، جنھوں نے انھیں بتایا کہ اسلام کی حقیقت جاننے کے لئے قرآن کا مطالعہ براہ راست یا کسی ترجمہ کی مدد سے کرنا چاہئے، اس سے پہلے اس ذاتِ گرامی کا مطالعہ بھی ضروری ہے جس پر قرآن نازل ہوا تھا، سوامی جی نے اس بات کو سنجیدگی سے لیا، ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور ایک کتاب سیرت حاصل کی، ان کا مطالعہ کرتے ہی سوامی جی کی کایا پلٹ گئی اور اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے تمام اعتراضات کافور ہو گئے، انھوں نے ضروری سمجھا کہ اپنے سابقہ خیالات کے لئے ایک نئی کتاب تیار کریں، ان کی یہ نئی کتاب

ہندی میں 'اسلام — آتنک واد یا آدرش' اور اُردو میں 'اسلام — دہشت گردی یا ایک مثالی دین' کے نام سے شائع ہوئی، سوامی جی نے اپنی مؤخرالذکر کتاب کے پیش لفظ میں اپنی فکری روداد سفر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

> میں اللہ سے، پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے اور سبھی مسلمان بھائیوں سے علی الاعلان معافی مانگتا ہوں اور لاعلمی میں لکھے ہوئے یا بولے ہوئے الفاظ کو واپس لیتا ہوں، عوام سے میری اپیل ہے کہ 'اسلامی دہشت گردی کی تاریخ' نامی میری کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، اسے صفر سمجھیں۔ (ص:۱۱)

سو صفحات کی اس کتاب میں شنکر آچاریہ نے بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا ہے، انھوں نے اسلام پر لگائے جانے والے دہشت گردی کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے، عدل وانصاف، مساوات اور قرآن کی دیگر اخلاقی وروحانی تعلیمات کو سراہا ہے، سناتن ویدک دھرم اور اسلام میں بہت سی مماثلتیں بیان کی ہیں، کتاب کی دو بحثیں قابل قدر ہیں: ایک تو یہ کہ اسلام کے بارے میں نفرت پھیلانے والوں نے قرآن کی چوبیس آیتوں کو سیاق وسباق سے کاٹ کر ان کے بارے میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ یہ آیتیں مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے، ان میں دہشت وغارت گری پھیلانے کا حکم دیتی ہیں، اس پمفلٹ کو پڑھ کر سوامی جی بھی پہلے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے؛ لیکن غلط فہمی دُور ہو جانے کے بعد انھوں نے اس کتاب میں ان تمام آیتوں کو نقل کر کے بتایا ہے کہ ان کا ایک پس منظر ہے جو ان کے زمانۂ نزول کے ساتھ خاص تھا، ان آیتوں میں بعد کے زمانوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا عمومی حکم نہیں دیا گیا ہے، دوسری قابلِ قدر بحث اللہ کے رسول ﷺ کی مختصر سوانح حیات ہے، جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، جی چاہتا ہے کہ سوامی جی کے کئی اقتباسات یہاں نقل کئے جائیں؛ لیکن وقت کی تنگ دامنی کی وجہ سے صرف ایک دو اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے، فتح مکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سوامی جی لکھتے ہیں :

> حق کو قائم کرنے کے لئے اور باطل، ظلم وتشدد کے خاتمہ کے لئے جہاد (یعنی حفاظت دین اور اپنی مدافعت کے لئے جنگ) میں اللہ کے رسول ﷺ فتح یاب ہوتے رہے، مکہ اور گرد ونواح کے کافر ومشرک منھ کی کھاتے رہے، اس کے بعد پیغمبر محمد ﷺ دس ہزار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مکہ میں باطل و دہشت گردی کی جڑ کو نیست و نابود کرنے کے لئے چلے، اللہ کے رسول ﷺ کی کامرانیوں اور مسلمانوں کی عظیم قوت کو دیکھ کر مکہ کے کافروں نے ہتھیار ڈال دیئے، بغیر کسی خون خرابے کے مکہ فتح کر لیا گیا،

اس طرح حق اور امن کی فتح اور ان کے مقابلہ میں باطل و دہشت گردی کی شکست ہوئی، مکہ میں، اسی مکہ میں جہاں کل ظلم کا بول بالا اور ذلت وخواری تھی، آج پیغمبر اور مسلمانوں کا استقبال ہو رہا تھا، فراخ دلی، فیاضی اور رحم دلی کی مجسم تصویر بنے رسول ﷺ نے ان سبھی لوگوں کو معاف کر دیا، جنھوں نے آپ پر اور مسلمانوں پر بے دردی سے ظلم ڈھائے اور انھیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، آج وہی مکہ والے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے خوشی سے کہہ رہے تھے: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' خاص طور پر یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ قریش، جنھوں نے محمد ﷺ اور مسلمانوں پر خوف ناک مظالم ڈھائے تھے، فتح مکہ کے دن تھر تھر کانپ رہے تھے کہ آج کیا ہوگا؟ لیکن محمد ﷺ نے انھیں معاف کر کے گلے لگا لیا۔ (ص: ۲۴-۲۵)

غزواتِ نبوی کے بارے میں سوامی جی کا تبصرہ ملاحظہ ہو :

حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے پایا کہ پیغمبر محمد نے توحید کی سچائی کو قائم کرنے کے لئے انتہائی مصائب جھیلے، مکہ کے کافر دین حق کی راہ میں روڑے ڈالنے کے لئے آپ ﷺ کو اور اور آپ کی پیش کردہ سچائی کی راہ پر چلنے والے مسلمانوں کو مسلسل تیرہ سالوں تک ہر طرح سے ظلم وتشدد کا نشانہ بناتے رہے اور ذلیل کرتے رہے، اس ظلم عظیم کے بعد بھی محمد ﷺ نے صبر کا دامن تھامے رکھا، یہاں تک کہ ان کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا؛ لیکن مکہ کے مشرک قریش نے محمد ﷺ کا اور مسلمانوں کا پیچھا یہاں بھی نہیں چھوڑا، جب پانی سر سے اوپر ہو گیا تو اپنی اور مسلمانوں کی اور سے سب سے بڑھ کر حق کی حفاظت کے لئے مجبور ہو کر محمد ﷺ کو لڑنا پڑا، اس طرح محمد ﷺ پر اور مسلمانوں پر لڑائی تھوپی گئی، ان ہی حالات میں حق کی حفاظت کے لئے جہاد (یعنی دفاعِ نفس اور دین کی حفاظت کے لئے مقدس جنگ) کی آیتیں اور باطل پرست ظالم کافروں ومشرکوں کو سزا دینے والی آیتیں اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر آسمان سے نازل ہوئیں، پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ سے لڑی گئی جنگیں پیش قدمی کے طور پر نہ ہو کر ظالمانہ حملوں اور دہشت گردی سے بچاؤ کے لئے دفاعی جنگیں ہیں؛ کیوں کہ ظالموں کے ساتھ ایسا سلوک کئے بغیر امن کا قیام نہیں ہو سکتا تھا۔ (ص: ۲۵)

سوامی لکشمی اچاریہ کی اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی ایسے ہندو مصنف کی کتاب پڑھ رہے ہیں جو کبھی خود اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہر افشانی اور ہرزہ رسائی کرتا تھا اور دہشت گردی کا رشتہ اسلام اور مسلمانوں سے جوڑتا تھا، سوامی جی اپنی کتاب میں سیرتِ طیبہ کی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں :

> پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں سچائی اور امن کا قیام اور دہشت گردی کی مخالفت ہے ؛ لہٰذا اسلام کو تشدد اور دہشت گردی سے جوڑنا سب سے بڑا جھوٹ ہے، اگر کوئی (تشدد) کا واقعہ ہوتا ہے تو اس کو اسلام سے یا پوری مسلم اُمت سے جوڑا نہیں جاسکتا۔ (ص:۲۶)

حرفِ آخر

پیغمبر اسلام خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کے ان تأثرات واحساسات سے واضح ہے کہ انھوں نے مذہبی تعصّبات سے بالاتر ہو کر اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا ہے؛ چنانچہ انھوں نے اسلام کے محاسن کو آشکارا کرنے اور سیرت نبوی کے درخشاں پہلوؤں کو خراج تحسین پیش کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا، انھوں نے جو کچھ اثر لیا، اس کا برملا اظہار کر دیا، انھیں اس کی پروا نہیں ہوئی کہ ان کے ابنائے قوم اس صاف گوئی پر لعنت وملامت کریں گے اور انھیں برے القاب سے نوازیں گے۔

اس موقع پر ایک سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اگر اسلام اتنا ہی اچھا مذہب ہے اور پیغمبر اسلام کی شخصیت اتنی ہی مثالی، سحر انگیز اور اخلاق عالیہ سے متصف ہے تو یہ اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا اسلام قبول کرنا سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے، یہ کسی انسان کی خواہش یا کوشش سے نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا :

> اِنَّکَ لاَ تَھدِی مَن أَحبَبتَ وَلٰکِنَّ اللهَ یَھدِی مَن یَّشَاءُ ۔ (قصص:۵۶)
>
> اے نبی! تم جسے چاہو، اسے ہدایت نہیں دے سکتے ؛ مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں ان حضرات کی تحریروں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے ؛ تا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کی فضا ختم ہو اور وہ بقائے باہم کے اُصول پر ایک ساتھ زندگی گزار سکیں۔

● ● ●

محسن انسانیت ﷺ کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج عقیدت

مولانا احمد عبد المجیب قاسمی ندوی ◆

نعت نبوی ﷺ یا نعتیہ شاعری، تمام اصناف سخن میں ایک نازک صنف ہے، اس راہ کے مسافر کے لئے صاحب قرآن، ساقیٔ کوثر، شافع محشر سید الانبیاء ﷺ کی مدح اور نعت میں کمال احتیاط، سنجیدگی وشائستگی، جذبۂ عشق رسول میں حد درجہ صداقت شعاری، درد واثر، سوز وتپش اور فہم ودانش کے ساتھ عرفان نبوت، فیضانِ رسالت اور مقام محمد ﷺ کا پورا لحاظ اور خیال اور ادب واحترام ضروری ہے، وارفتگی یا ترنگ میں حد اعتدال اور دامن ادب ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اجر وثواب کی جگہ عتاب کا کھٹکا لگا ہوا ہے، اسی لئے تو کہا جاتا ہے: ''باخدا دیوانہ باش وبا محمد ﷺ ہوشیار''۔

اہل علم وادب سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ انسانی زبانوں کے محفوظ ادبی سرمایہ اور شعری نگارشات کے اندر معنی آفرینی، خیال کی بلندی اور جذبہ کی صداقت میں نعتیہ شاعری کی مثال نہیں مل سکتی اور یہ فیض ہے پوری دنیا پر اور نوع انسانی کے قلب ونظر اور ذہن ودماغ پر رحمۃ اللعالمین ﷺ کی بعثت کے اثرات کا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سید الانبیاء کی سیرت، آپ کے اخلاق، آپ کی تعلیمات اپنی تمام جزئیات وتفصیلات کے ساتھ آج تک صحیح اور مکمل صورت میں محفوظ ہیں اور قوت وتاثیر اور جذبۂ حرارت سے معمور ہیں، نعتیہ شاعری کا سب سے اہم سرچشمہ اُمت کا اپنے نبی کے ساتھ عقلی، دینی، جذباتی اور قلبی تعلق ہے۔

قرآن حکیم نعت نبوی کا سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف مقامات پر رسالت مآب ﷺ کی نعت وثناء کو مختلف پیرایۂ بیان میں ظاہر فرمایا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الہامی انداز میں قرآن کو 'خلق محمدی ﷺ' سے تعبیر کرتے ہوئے گویا کلام الٰہی کو نعت نبوی کا ایک حسین عنوان عطا کیا، پھر اللہ نے اہل ایمان کو اور ملائکہ کو نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا جو حکم دیا، وہ بھی رفعِ ذکر نبی اور ثنائے محمد عربی ﷺ کی بلیغ تلقین ہے،

◆ ناظم : دار العلوم سیاٹل، امریکہ۔

مالک حقیقی نے آپ ﷺ کو ''إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ''(قلم:۴)''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ إِلاَّ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ '' (انبیاء:۱۰۷)اور''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' (شرح:۴) کا مژدہ سنایا اور مدارج ومقامات محمد ﷺ کی انتہاء کردی، اس کے بعد کسی انسان کے لئے مشق سخن کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی صفات محمودہ کے بیان کا حق ادا کرسکے، ہر کوئی یہ کہنے پر مجبور ہے:''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' :

بشر کی تاب وطاقت کیا جو لکھے نعت احمد کو
خدا ہی جانتا ہے خوب بس رتبہ محمدؐ کا

دکن کے معروف خطیب اور نامور شاعر نواب بہادر یار جنگ بھی نعت نبوی کی بیکرانی اور اپنی عجز بیانی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے :

مدحتِ شاہ دوجہاں مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ میرے تصورات، پست میرے تخیلات

ایسی عظمت شان کے حامل رسول کے حضور میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے اخلاص اور اپنی وفا کی نذر پیش کرنا اور اپنے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب جو آپ ﷺ کے شایانِ شان ہوں، یقیناً ایک مشکل ترین امر ہے، بقول اقبالؒ :

عشق کی منزل ہے وہ ،عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

بہرحال''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کی یہ پیشین گوئی قیامت تک کے لئے ہے :

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اور یہ بھی کہ :

آیۂ کائنات کا معنئ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اقبالؒ کے مطابق میر عرب ﷺ کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آتی تھی، اس دیار اور علاقہ میں اُردو زبان کی شاعری سے لگاؤ ظاہر کرنے والوں میں جہاں مسلمان پیش پیش رہے ہیں، وہیں غیر مسلموں نے بھی علم وادب کے جوہر دکھائے اور محسن انسانیت کے اخلاق واوصاف کا کھلے دل سے نہ صرف اعتراف کیا؛ بلکہ اکثر شعراء نے حضور

اکرم ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ مانگی ہے، تمام شعراء نے ادب واحترام کوملحوظ رکھا ہے، اُن شعراء کے کلام میں زبان و بیان کی گل افشانیاں بھی ہیں اور اضطرابی کیفیات کا اظہار بھی، جذبات کی جدت بھی ہے اور محسوسات کی شدت بھی، فکری لہروں کی روانی بھی ہے اور تاریخ کی ورق گردانی بھی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان شعراء نے تعلیمات اسلامی اور سیرت نبوی ﷺ کا بغور مطالعہ کیا ہے، اسی لئے بعض شعراء نے پیغمبر اسلام ﷺ سے اپنے قلبی تعلق کا واضح اظہار کیا ہے، ایسے اشعار پاکیزگی جذبات کا بہترین نمونہ ہیں۔

ہندو شاعر منشی بشیشور پرشاد نے نبی کریم ﷺ کی شان میں نعتیہ کلام کہا، جس کے چند اشعار میں انھوں نے دین اسلام کی اشاعت اور اس کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے اعتراضات وشبہات کا واشگاف الفاظ میں ازالہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں :

مذہبی دیوانگی اسلام کا عنصر نہیں — عقل پر کرتا ہے صیقل یہ جنوں پرور نہیں
قلب کے جذبات حیوانی کا یہ مظہر نہیں — نفس کے افعال شیطانی کا یہ مصدر نہیں
اور جو قائل ہے اس کا، وہ مسلماں ہی نہیں — بندۂ اسلام ہو کیسے جو انساں ہی نہیں
ہو بنا نفرت پہ جس کی، یہ وہ مذہب ہی نہیں — دوسروں سے ترک اُلفت، اس کا مطلب ہی نہیں

خون کافر پر نہیں حصر و قیام اسلام کا
اس سے مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
حبّ عالمگیر سے چمکا ہے نام اسلام کا
ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا

جگدیش مہتہ دردؔ دہلی کے متوطن ہیں، پیدائش سیال کوٹ میں ہوئی، انھوں نے رسول عالم ﷺ کے حضور میں عشق میں ڈوب کر نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے :

یا شاہِ عربؐ، غم سے عجب حال ہوا ہے
ہے مرنے میں کچھ لطف، نہ جینے میں مزا ہے
(اور درد عجب ہے)
بیکل ہوں جُدائی سے، ہے بے تاب مری جان
بے علم ہو کیوں حال سے، یہ رنج سوا ہے
(اور رنج وتعب ہے)

پیدل ہی میں گھبرا کے چلا آؤں مدینہ
پر تاب دتواں مجھ میں کہاں ایسا رہا ہے
(اور راہ صعب ہے)
خادم ہوں میں جب آپؐ کا تاخیر یہ کیسی
للّٰہ بتادو مجھے کیا میری خطا ہے
(کیا اس کا سبب ہے)

پنڈت ہری چند اختؔر نے یوں خراج عقیدت پیش کیا :

کس نے ذروں کو اُٹھایا اور صحرا کردیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا
زندہ ہوجاتے ہیں، جو مرتے ہیں اُس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے میحا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دریتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

نعتیہ شاعری میں جگن ناتھ آزادؔ کے سلام کو خاصی شہرت حاصل ہے، اس سلام میں آزاد کے خراج عقیدت کا انداز جس قدر پُرخلوص ہے، اس سے کہیں زیادہ اُن کے صبر وقرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، ہر شعر کے آخری مصرعہ پر آپ غور کریں تو اندازہ ہوجائے گا کہ آزاد نے بے شک اُردو کی نعتیہ شاعری میں کمال کردکھایا ہے :

سلام اس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں، دنیائے امکاں پر

سلام اس پر ، جو آیا رحمت للعالمین بن کر — پیام دوست بن کر، صادق الوعد وامیں بن کر
سلام اس پر، جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں — کیا حق کے لئے بیتاب، سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر، بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ — مئے حکمت کا چھلکایا، جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹے میں، جس نے ایک اُخوت کی بناڈالی زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر، فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی رہا زیر قدم جس کے ، شکوہ و فرغا قانی
سلام اس پر ، جو ہے آسودہ زیر گنبد خضرا زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا
مددگار و معاون بے بسوں کا ، زیر دستوں کا ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
سلام اس پر، کہ جس کے نور سے پرنور ہے دنیا سلام اس پر، کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس ذاتِ اقدس پر ، حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا ، آزاد کی رنگین بیانی کا

یہ ہیں دکن کے نامور شاعر اور حیدر آباد کے آخری نظام میر عثمان علی خان کے وزیر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشادؔ، اُن کے درج ذیل پُر درد حلاوت آمیز اشعار میں انابت وتواضع کا پہلو نمایاں ہے، چند اشعار ملاحظہ کیجئے :

آپ کا خوان کرم، سارے جہاں میں ہے بچھا یار و اغیار ہیں ، مہمانِ رسولؐ عربی
آپ کے دید کی خواہش ہے ، دل مضطر کو مضطرب رکھتے ہیں ، ارمان رسولؐ عربی
انبیاء جتنے ہیں، آپؐ اُن کے بھی شافع ہوں گے سب کے سب مانیں گے، احسانِ رسولؐ عربی
کیوں نہ تعریف کریں لوگ سخن کی پرشاد
دل وجان سے ہوں ثنا خوانِ رسولؐ عربی

ایک موقع پر کہتے ہیں :

کافر نہ کہو شادؔ کو ، ہے عارف وصوفی شیدائے محمدؐ ہے وہ شیدائے مدینہ
لازم ہے مجھ کو نغمہ سنجی رکھتا ہے یہ آرزو جی
ممدوح کی مدح لکھ رہا ہوں مداحِ حبیب مصطفیٰؐ ہوں

چوہدری کوثرؔ دلورام اُردو نعت گوئی میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں، زبان کی سادگی اور جذبات کی پاکیزگی اُن کے کلام کی خصوصیت ہے، اُن کا اندازِ کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی اُن کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں؛ بلکہ اُن کے دل کی آواز اور اُن کی طبع شاعرانہ کی فطری جولان گاہ تھی :

شہنشاہ اعظم ، محمدؐ محمدؐ رسول دو عالم ، محمدؐ محمدؐ
زبان کا یہی ہے ، اشارہ لبوں کو کہیں مل کے باہم ، محمدؐ محمدؐ
بہ ہنگام معراج چرچا یہی تھا فلک پر تھا پیہم ، محمدؐ محمدؐ

وہ ہے ابن آدم ، وہ ہے فخر آدم — مکرم معظم ، محمدؐ محمدؐ
یہ دعوے سے کہتا ہوں، سب کو سنا کر — خدا کا ہے محرم ، محمدؐ محمدؐ
اگر چہ نبیؐ آخری ہے وہ ؛ لیکن — ہے سب سے مقدم ، محمدؐ محمدؐ
صلہ ہو یہی ، نعت گوئی کا میری — خدا خوش ہو ، خرم محمدؐ محمدؐ
الٰہی مرے منہ میں ، جب تک زبان ہو — زبان پر ہو ہر دم ، محمدؐ محمدؐ

کرشن کمار سنگھ اُردو کے سچے عاشقوں میں ہیں اور نعت گوئی میں انھیں ملکہ حاصل ہے ، نعتِ نبوی ﷺ پر اُن کے مجموعے ''سمتِ کاشی سے چلا'' اور ''کرم بہ کرم'' شائع ہو چکے ہیں ، وہ کہتے ہیں :

مسلم نہیں ، ہندو بھی رسالت کے ہیں قائل
یہ عشق نبی کا نہیں اعجاز تو کیا ہے

ان کے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں :

روضۂ شاہِ مدینہ ، ہے نظر کے سامنے — بخش دی اللہ نے ، دنیا ہی میں جنت مجھے
کرے کیوں تمنا وہ خلد بریں کی — جسے راس آجائے کوئے محمدؐ
خدا شاہد محمد مصطفیؐ کا — دو عالم میں کوئی ثانی نہیں ہے
مرے دل میں بھی ہے عشقِ محمدؐ — مجھے بھی اپنی بخشش کا یقین ہے

عاشق لکھنوی پر بھو دیالی کا جذبۂ عقیدت واحترام ملاحظہ کیجئے :

رحمت للعالمین ، دامانِ رحمت کے سوا — زیب سر تاج شہی ، تاج شفاعت کے سوا
ہادی خیر البشر ، ماہ ہدایت کے سوا — کس قدر اوصاف ہیں ، اُن میں نبوت کے سوا
ساری دنیا میں بڑا کون ہے حضرتؐ کے سوا — بادشاہ دوسرا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں
شافع روز جزا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں — صدر بزم انبیاء ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں
اور محبوب خدا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں — میرے آقا کے سوا میرے حضرتؐ کے سوا

پنڈت امر ناتھ ساحر کی حضور پاک ﷺ سے شیفتگی دیکھئے :

میرا قلب مطلع نور ہے کہ حرم میں جلوہ یار ہے
دل و دید محو نظارہ ہیں کہ نہ گرد ہے ، نہ غبار ہے
ترے جلووں کا تری رحمتوں کا حساب ہے نہ شمار ہے
کہ صفاتِ کون و مکان کی تری ذات دار و مدار ہے

رام پرکاش ساحرؔ کی وارفتگی قابل دید ہے :

ذکرِحق، ذکرِ نبی ہے، بس اسی میں غرق ہو   ہاتھ کو جنبش نہ دے، تسبیح کا خود دانہ نہ بن
عشق احمد میں فنا ہوجا، عبادت ہے یہی   عشق کرنا ہے حقیقت میں تو خود افسانہ بن
روضۂ انور پہ ساحر ناصیہ فرسا ہو یوں   خود فنا ہو کر مجسم سجدۂ شکرانہ بن

ہربنس لال مجرمؔ فرماتے ہیں کہ خدا پر جان دینے والے ہزاروں ہیں؛ لیکن خدا جس سے محبت کرتے ہیں وہ صرف آپ ﷺ ہیں :

تصور نے تمہارے معجزے کیا کیا دکھائے ہیں   زمین سے تا فلک تم ہو، فلک سے تا زمین تم ہو
سمائے ہو تمہیں تم نور بن کر مری آنکھوں میں   مرے لب پر تمہیں تم ہو، مرے دل میں تمہیں تم ہو
خدا پر جان دیتے ہیں، ہزاروں عاشقانِ حق   مگر جس پر خدا جاں دے وہ محبوب حسیں تم ہو
تمہیں پر ہوگئیں ہیں ختم ساری رحمتیں حق کی   جبھی مجرم سمجھتا ہے کہ ختم المرسلین تم ہو

امر چند قیس جالندھریؔ کا اعتراف خوب ہے :

سر بہ سر گنج معانی آپ کا ایک ایک حرف   سر بہ سر مبنی ہے قرآں آپ کی تقریر پر
وہ ابر فیض نعیم بھی ہے نسیم رحمت شمیم بھی ہے   شفیق بھی ہے خلیق بھی ہے رحیم بھی ہے کریم بھی ہے
وہ حسن سیرت کا ہے، مرقع جمالِ حق ہے جمال اس کا   وہ پیکر فطرت معلیٰ، شبیہ خلق عظیم بھی ہے
خلیل کی وہ دعاء کا ثمرہ، کلیم نے دی بشارت اس کی   وہ خاتم نعمت نبوت، ظہور لطف عمیم بھی ہے

رتنؔ پنڈوری، پنڈت رلا رامؔ نے یوں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے :

آیا ہے لب پہ نام رسولِ کریم کا   جلوہ تڑپ اُٹھا ہے ریاضِ نعیم کا
بحر عدن میں لاکھوں ہوں، لولوئے شاہوار   پیغام لے کے آیا ہے جھونکا نسیم کا
شافع اگر حضور رسالت مآب ہوں   پھر کیوں نہ فیض عام ہو ربِّ کریم کا
کیونکر بیان ہو مدحتِ خیر البشر رتنؔ   ہے تنگ قافیہ مری طبعِ سلیم کا

زخمیؔ، منشی راج بہادر :

کیوں نہ اعجاز محمدؐ کے ہوں قائل اغیار
کرلیا ایک زمانہ کو مسخر اپنا

شیدؔا دہلوی، منشی چنڈی پرشاد کی نعت خوانی کا یہ رنگ بھی دیکھئے :

وہ لطف رنگ سحاب بھی ہے، نسیم رحمت مآب بھی ہے رسولوں میں انتخاب بھی ہے زمین پہ گردوں رکاب بھی ہے
رفیق بھی ہے خلیق بھی ہے آشنائے رمز طریق بھی ہے وہ ایک بحر عمیق بھی ہے، بشر فرشتہ جناب بھی ہے
رحیم بھی ہے کریم بھی ہے نعیم بھی ہے، حکیم بھی ہے جہاں میں فضل عظیم بھی ہے، علیم راہِ ثواب بھی ہے
ہے روح فردوس کا خزانہ کہ نعت گوئی کا ہے ترانہ کہ جس کا شیدا ہے اک زمانہ، یہ باغِ رضواں کا باب بھی ہے

ماہرؔ بلگرامی، کملا یت سہائے کا انداز ملاحظہ کیجئے :

چل گیا اسم محمدؐ کا وہ جادو دل میں
نام احمدؐ کا جو چرچا ہوا ہرسو دل میں
آج اوصاف نبی اس کو کرنا ہے رقم
خود جھکا جاتا ہے تعظیم میں رہ رہ کے قلم

رویندرؔ جین نے کیا خوب کہا :

آپؐ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں
صرف شامل ہوں مسلمان رسول اکرمؐ

سردارؔ لعل نشتر کہتے ہیں :

فقط ایک نشتر ہی کیا مدح خواں ہے
ثناء خواں محمدؐ کا سارا جہاں ہے

ستیہؔ پال رضوانی پیغمبر اسلام سے اظہار عقیدت ومحبت اس طرح کرتے ہیں :

از خاک عرب تابہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحب الطاف وکرم مانتے ہیں
ہم دَیر نشین بھی ہیں تیرے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہل حرم مانتے ہیں

مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ایسے بیسیوں شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش کئے جاتے، جن سے اندازہ ہوتا کہ اپنوں نے ہی نہیں، غیروں نے بھی محبت کے پھول نچھاور کئے ہیں، اُس عظیم وجلیل ذاتِ گرامی (ﷺ) پر جو ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی، جس کا ہر قول صدہا صداقتوں کا صدف ہے، اور جس کا ہر عمل

بے خزاں بہاروں کا امین ہے، جب ذکر اُس ذات کا ہو، جو حسن کائنات بھی ہو اور کائناتِ حسن بھی، تب بہت کچھ کہنے اور بہت کچھ کرنے کے بعد بھی ایک خلاء ایک کمی اور ایک حسرت ہی نظر آتی ہے :

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

● ● ●

نبی اکرم ﷺ کی امن پسندی اور مستشرقین کا اعتراف

مولانا سہیل اختر ندوی◆

استشراق کی تعریف ہر ایک نے اپنے اپنے زاویہ نظر سے کی ہے، یہی وجہ ہے کہ استشراق کی متعدد تعریفات پائی جاتی ہیں، ہم ان میں سے دو تعریف کو جو نسبتاً جامع ہے، یہاں نقل کر رہے ہیں۔

استشراق کیا ہے؟

جناب احمد عبدالحمید غراب نے مختلف تعریفوں کو ذکر کرنے کے بعد تمام کا ماحصل ان الفاظ میں کشید کیا ہے :

> استشراق، یورپ کے اہل کتاب کفار کی ان تحقیقات کا نام ہے، جو اسلام کی صورت بگاڑنے، مسلمانوں کے ذہن میں اس کی جانب سے شک پیدا کرنے اور اس سے برگشتہ کرنے کے لیے خاص طور پر اسلامی عقیدہ وشریعت، تہذیب وتمدن، تاریخ نیز زبان وبیان اور نظم وانتظام کے تئیں کی جائیں۔(۱)

ڈاکٹر عبدالمنعم فواد نے ان تمام تعریفوں کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد تھوڑی اور تعمیم پیدا کی ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

> استشراق، عربوں کے ماسوا، مشرق ومغرب کے غیر مسلموں کی وہ تمام کوششیں ہیں، جو اسلامی عقیدے، شریعت، تہذیب وتمدن، زبان وبیان اور نظم وانتظام کا مطالعہ کر کے اسلام کی شبیہ بگاڑنے اور تشکیک پیدا کرنے کے لئے کی جائیں۔(۲)

لیکن ان تعریفات میں ایک بات محل نظر یہ ہے کہ اس میں اسلام کی مخالفت اور تشکیک کو استشراق کا لازمی جزء بتایا گیا ہے، دیگر حضرات جس میں مشہور مفکر مالک بن نبی، ڈاکٹر علی خربوطلی اور محمد علی کرد وغیرہ ہیں، انھوں نے استشراق کی تعریف کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ مغربی صاحب علم حضرات کا مشرقی علوم وفنون کی تحقیق کرنے کا نام استشراق ہے۔(۳)

◆ پرنسپل: رحمانی پبلک اسکول، کشن گنج (بہار)۔
(۱) رویۃ اسلامیہ، للاستشراق: ۷، مؤلف: احمد عبدالحمید غراب۔
(۲) من افتراءات المستشرقین: ۱۸۔
(۳) المستشرقون والتاریخ الاسلامی، ص: ۱۲، مجلۃ المجمع العلمی: ۱۱/۳۰۔

استشراق کا آغاز کب سے ہوا؟

استشراق کا آغاز کب سے ہوا، اس کے بارے میں محققین کی آراء مختلف ہیں، کچھ تو اسے عہد رسالت کے یہودیوں سے جوڑتے ہیں اور کچھ اسپین کے اسلامی عہد سے اس کا آغاز کرتے ہیں؛ لیکن بیشتر اہل علم کا کہنا ہے کہ صلیبی جنگوں (۱۰۹۷ء-۱۲۹۵ء) میں شکست سے استشراق کا آغاز ہوا، اس سلسلے کی خاص بات بہت اہم ہے کہ لوئی نہم نے ۱۲۵۰ء میں مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد اپنی وصیت میں لکھا :

> میدان جنگ میں مسلمانوں سے بازی لے جانا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ دین اسلام نے ان کے اندر لڑنے مرنے کی روح پھونک دی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو شکست دینے کا واحد طریقہ کار یہی ہے کہ اب علم کے میدان میں زور آزمائی کی جائے اور مسلمانوں میں عقیدہ کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں اور ان کی ایمانی حرارت کو مادیت کے پانی سے ٹھنڈا کیا جائے۔(۱)

چنانچہ ۱۳۱۲ء کو جینوا کی کلیسا نے عربی زبان کو مختلف یونیورسٹیوں میں داخل نصاب کرنے کا فیصلہ کیا تو ۱۷۸۳ء میں اس کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اصل مقصد کی یاددہانی کروا کر اصل کام کا آغاز کیا گیا اور اس تحریک کا نام Orientalism کا دیا گیا، اس وقت استشراق اور مستشرق کا لفظ ''شرق'' سے وضع کیا گیا۔(۲)

مستشرقین کے اقسام

مستشرقین میں سبھی کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے سمجھ لینا ناانصافی ہوگی، جس طرح دنیا کا ہر گروہ اچھے اور بُرے افراد پر مشتمل ہوا ہے، اسی طرح مستشرقین میں بھی سبھی ایک سے نہیں ہیں۔

(ا) ملحد وکمیونسٹ

کچھ مستشرقین نظریاتی طور پر ملحد اور کمیونسٹ ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ خدا، نبی، جنت دوزخ اور اُمور غیب کی باتیں ان کے نزدیک قطعی طور پر قابل قبول نہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی اور کیسی بھی بھونڈی کیوں نہ ہو، ایک توجیہ اور قیاس آرائی پیش کرتے ہیں، یہ ان کی مجبوری ہے اور ہمیں اسی تناظر میں ان کا جائزہ لینا چاہئے۔

---

(۱) مجلہ مشکوۃ، شمارہ نمبر :۵۱، طبع :۲۰۰۸ء۔

(۲) تراث الاسلام:۱/ ۸۷، بحوالہ من افتراءات المستشرقین۔

(۲) علم کو پیشہ بنانے والے

مستشرقین کی دوسری قسم وہ ہے جنھوں نے اپنے علم کو پیشہ بنالیا، مستشرقین پر سب سے زیادہ خرچ چوں کہ کلیسا کرتی ہے؛ لہٰذا مستشرقین کا یہ گروہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ کلیسا کو زیادہ سے زیادہ کیسے خوش کیا جائے اوراس کی سب سے آسان تدبیر اور تیر بہدف طریقہ یہی ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف لکھا جائے، خوبیوں کو خامیاں بنا کر پیش کیا جائے اور انفرادی واقعات کو اجتماعی رنگ دیا جائے۔

(۳) متعصب، اسلام دشمن

مستشرقین کا تیسرا گروہ وہ ہے، جسے مذہبی بنیادوں پر اسلام اور مسلمانوں سے سخت نفرت ہے اوراس میں یہودی مستشرقین سب سے آگے ہیں، یہ اسلام اور سیرت نبوی کا مطالعہ اس نیت سے کرتے ہیں کہ کہیں کچھ ایسی بات مل جائے، جس سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کو داغدار کیا جائے، کچھ ضعیف اور موضوع روایتیں انھیں مل جاتی ہیں، اس کو لے کر اُڑ جاتے ہیں اور قیاس آرائی و بدگمانی کے زور پر ذرہ کو ریگستان اور سوئی کو بلم بھالا بنانے کی دھن میں لگ جاتے ہیں، اگر ان کو سیرت نبویہ اور اسلامی روایات کے ذخیرہ میں اپنی مراد کے مطابق کچھ نہ ملے تو بھی اپنی قیاس آرائی اور خیال کے زور پر کچھ مفروضے تراش لیتے ہیں اور پھر ان مفروضات کو ثابت شدہ حقائق کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۴) انصاف پسند اور غیر متعصب

مستشرقین کا چوتھا گروہ ان اہل علم پر مشتمل ہے، جن کا مقصد صرف علم کی خدمت ہے، وہ لائبریریوں کی خاک چھانتے ہیں، دنیا جہان میں علم کے مدفون خزینوں کی تلاش کرتے ہیں اور قیمتی مخطوطات پر جان و مال خرچ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہی اہل علم ہیں جو حقیقت میں مستشرق ہیں اور جو ہمارے شکریہ کے بجا طور پر مستحق ہیں اور انھوں نے ہی علوم اسلامیہ کی وہ کتابیں جو صدیوں سے گم نام تھیں، دوبارہ پوری آب وتاب کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیں، ہم بطور مثال ٹی ڈبلیو آرنلڈ کا نام پیش کر سکتے ہیں، جنھوں نے 'پریچنگ آف اسلام' (دعوت اسلام) جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھی، جس میں دنیا بھر میں اسلام کے فروغ اور دعوتی کام کا ذکر کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کا سبب تلوار اور ریاستی جبر کو قرار دینے والوں کے خلاف یہ کتاب ایک مسکت اور مدلل جواب ہے۔

مستشرقین جنھوں نے اسلام قبول کیا

بعض مستشرقین ایسے بھی ہوئے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا، ان میں سے چند کا ہم یہاں تعارف کراتے ہیں :

(1) ڈبلیوایچ کیولیم : یہ برطانیہ کے رہنے والے تھے، قانون داں تھے، قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور اپنے اسی مطالعہ کے نتیجہ میں انھوں نے اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے بعد لور پول میں مسلم مشن کا قیام عمل میں لایا، اور برطانیہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی، متعدد انگریزوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا، ان کے کام کی قدردانی ترکی کے سلطان نے بھی کی، ان کو ۱۸۹۱ء میں ملاقات کے لئے قسطنطنیہ بلایا گیا اور سرکاری مہمان کا درجہ دیا گیا، سلطان کے دل میں ان کی عظمت اس قدر گھر کرچکی تھی کہ سلطان نے ان کو فراموش نہیں کیا؛ بلکہ تین سال بعد ایک تاجر کے ہاتھوں ان کے لئے تحائف بھیجے۔(۱)

(2) رسل ویب : آپ کا پورا نام محمد الیگزنڈر رسل ویب (۱۸۴۶ء-۱۹۱۶ء) ہے، یہ ادیب، صحافی اور مصنف تھے، ۱۸۸۷ء میں منیلا (فلپائن کا دارالحکومت) میں امریکہ کی جانب سے قونصلر مقرر ہوئے، اور وہیں انھوں نے اسلام قبول کیا، منیلا سے وہ ہندوستان آئے، ہندوستان میں انھوں نے مختلف شہروں میں اسلامی تعلیمات پر لیکچر اور محاضرے دیئے۔

نوٹ : ان کے تعارف میں بعض ایسی باتیں بھی ملتی ہیں کہ یہ قادیانی گروہ کے خیالات سے متاثر تھے، اس کی وجہ بظاہر یہ لگتی ہے کہ اس وقت چوں کہ قادیانیوں نے ہندوستان میں زمین تنگ ہوتی دیکھ کر امریکہ اور لندن کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا تھا، ہوسکتا ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات کی جانب راغب کرنے والوں میں قادیانی مبلغین کی کوششوں کا بھی دخل رہا ہو اور اسی وجہ سے ان کے لئے نرم گوشہ ان کے دل میں ہو۔

(3) ڈاکٹر مارٹن لنگز : آپ برطانیہ کے رہنے والے ہیں، پہلے پہل مصری یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا، پھر برٹش میوزیم لائبریری کے سربراہ کی حیثیت سے عرصہ تک کام کیا، آپ نے اسلام کا تفصیلی مطالعہ کیا اور بالآخر تصوف سے متاثر ہوئے اور اسلام قبول کیا، آپ نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

استشراق کے اَدوار

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مستشرقین کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں پر نقل کررہے ہیں :

(۱) دعوت اسلام: ۴۲۴۔

(1) استشراق کے پہلے دور کا تعلق بہت قدیم اور اس وقت سے ہے، جب مسلمانوں نے اندلس میں اپنی حکومت قائم کی اور اندلس کو علم وتہذیب کا مرکز بنا دیا اور اندلس کے اطراف و دور دراز علاقوں سے عیسائی حصول علم کے لئے اندلس آنے لگے۔

(2) استشراق کا دوسرا دور صلیبی جنگوں سے شروع ہوتا ہے، صلیبی جنگوں میں جان و مال کی بے پناہ قربانی کے باوجود عیسائی مسلمانوں سے بازی جیت نہ سکے اور اس وجہ سے اسلام دشمنی کا جذبہ ان کے اندر بہت بڑھ گیا، یہی وجہ ہے کہ صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد یوروپ میں اسلام دشمنی پر لٹریچر اور ادب کا سیلاب آ گیا، جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے تعلق سے ہر ناروا اور عقل سے دور بات بھی قبول کی گئی۔

(3) استشراق کا تیسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب یوروپی طاقتیں مضبوط ہو چکی تھیں اور عالم اسلام کمزور ہو چکا تھا اور عالم اسلام کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے یوروپ نے استعماری اور استبدادی عزائم اور عمل کو بروئے کار لاتے ہوئے مشرق پر تسلط اور قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔

(4) استشراق کا چوتھا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب استعماری طاقتوں کے ظالمانہ، غیر منصفانہ قوانین اور وسائل کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف عوام اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے استعماری طاقتوں کو بے دخل کرنے کی تحریکیں چلانی شروع کر دیں۔

(5) استشراق کے پانچویں دور کا آغاز تب سے ہوتا ہے، جب یہ انکشاف ہوا ہے کہ عالم اسلام کو قدرت نے زر سیال سے افراط کے ساتھ نوازا ہے اور مغرب کی حریصانہ نگاہیں اس دولت پر مرکوز ہو گئیں اور یہ دور تا حال جاری ہے۔(۱)

مغرب نے اب یہ سیکھ لیا ہے کہ کسی ملک پر براہ راست قبضہ کرنا بدنامی اور بدامنی دونوں کا باعث ہے، بہتر یہی ہے کہ ان ہی ملکوں سے کچھ افراد کو آلہ کار بنا کر اپنا کام نکالا جائے، ان کی برین واشنگ کی جائے، ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات پیوست کر دی جائے کہ اسلام از کار رفتہ ہو چکا ہے اور اب ترقی تبھی ہو سکتی ہے، جب مغرب کے ہمنوا ہو جائیں اور ایسے ہی لوگوں کو اقتدار تک پہنچایا جائے۔

اس کے علاوہ مغرب نے یہ بھی جان لیا کہ اصل قبضہ تو اقتصاد و معیشت کا ہے؛ چنانچہ اقتصادی اور معاشی اعتبار سے عالم اسلام وسائل کے باوجود خالی ہاتھ کھڑا ہے، مشرق سے خام مال یوروپ اونے پونے داموں پر خریدتا ہے اور پھر اس خام مال کو تیار کر کے مہنگے داموں پر مشرق کو فروخت کرتا ہے۔

---

(۱) اسلام اور مستشرقین، اعظم گڑھ: ۲/۱۱-۱۷۔

رسول اللہ ﷺ کی امن پسندی

عموماً مستشرقین کا اعتراض یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، قرآن میں جہاد کی آیات ہیں جو لڑنے پر اُکساتی ہیں، پیغمبر کو جنگ سے کیا تعلق وغیر ذلک۔

جہاں تک اس اعتراض کی بات ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس اعتراض کا جواب اکبرالہ آبادی نے بہت اچھا دیا ہے، اکبرالہ آبادی کہتے ہیں کہ یوروپین ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؛ لیکن وہ یہ بتانا بھول جاتے ہیں کہ توپ کے زور سے کیا چیز پھیلی ہے اور پھیلائی جارہی ہے :

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے ؟

جہاں تک جنگ وجدال کی بات ہے تو آپ ﷺ نے ہمیشہ بات چیت اور صلح کو ترجیح دی اور قرآن کریم کی بھی تعلیم ہے کہ اگر کوئی گروہ صلح پر آمادہ ہو تو اس سے صلح کر لی جائے، خواہ مخواہ جنگ کے بہانے نہ ڈھونڈے جائیں۔(۱)

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا، کبھی تلخ گفتاری کا جواب تلخ گفتاری سے اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا؛ بلکہ ہمیشہ برائی کا جواب بھلائی سے، سب وشتم کا جواب دُعاؤں سے اور جنگ وجدال کا جواب دفاع سے دیتے رہے، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا طرز عمل مخالفین کے اعتراض کا عملی اور بہترین جواب ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ اس تعلق سے لکھتے ہیں :

> آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے، جو اسلام کو مٹانے میں سب کے پیش رو تھے، وہ بھی تھے، جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے، جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی آگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے، رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا

(۱)　الانفال:۶۱۔

اورخوف انگیز لہجہ میں پوچھا: تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ اگر چہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے؛ لیکن مزاج شناس تھے، پکاراُٹھے کہ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے، ارشاد ہوا: ''تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ، تم سب آزاد ہو، کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کرلیا تھا، اب وہ وقت تھا کہ ان کوان کے حقوق دلائے جاتے؛ لیکن آپ ﷺ نے مہاجرین کوحکم دیا کہ وہ اپنی مملوکات سے دست بردار ہوجائیں''۔(۱)

دشمنوں کے جارحانہ اقدامات کی وجہ سے آپ ﷺ کو دفاع کے لئے مجبور ہونا پڑا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے انسانی جان کی حرمت اور تقدس کا جو خیال رکھا، دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی ہے، ڈاکٹر حمید اللہؒ لکھتے ہیں :

قبائل کو مشرف بہ اسلام کرنے کی مہموں میں ہلاک ہونے والوں کے اعداد وشمار کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مہموں میں اسلحہ کا استعمال اور خونریزی برائے نام ہی ہوئی تھی ، رسول خدا ﷺ نے مدینہ میں آمد کے بعد ہی دشمنوں کے خلاف جنگ کی پالیسی پر عمل شروع کیا تھا، اس کے دس سال بعد ان کا وصال ہوگیا، اس دہائی میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ تیس لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیل گیا، ان جنگوں میں مسلمانوں نے دس سال تک اوسطاً نو سو مربع کلومیٹر علاقہ روزانہ فتح کیا، ان جنگوں میں ہر ماہ دشمن کے دو افراد بھی ہلاک نہیں ہوئے ،مسلمانوں کا جانی نقصان تو اس سے بھی کم ہوا تھا، تیس لاکھ مربع کلومیٹر پر فتح حاصل کرنے کے دوران دو تین سو افراد کا میدان میں کام آنا تاریخ عالم کے لئے نا آشنا اور غیر معمولی واقعہ ہے، انسانی خون کی حرمت کا یہ تصور جو رسول خدا ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران موجود تھا، ان کے خلفاء کی حکومتوں کے دوران بھی جاری وساری رہا۔(۲)

اس کے بالمقابل دنیاوی حکمرانوں اور فاتحین نے ،انقلابیوں نے فتح وانقلاب کے لئے انسانی خون کتنی بے دردی سے بہایا ہے، اسے دیکھئے: ''انسائیکلوپیڈیا آف وارز'' نامی کتاب میں ڈاکٹر چارلس فلپس اور ایلن ایگزلارڈ نے بڑی محنت سے ''ریکارڈڈ ہسٹری'' میں موجود تمام جنگوں کو جمع کیا، وہ لکھتے ہیں :

(۱) سیرت النبی: ۱/ ۵۷۴۔ (۲) پیغمبر اسلام: ۱۳۴، ڈاکٹر حمید اللہ۔

> صرف چند سال تک چلنے والی پہلی جنگ عظیم میں ہی مرنے والوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ سے اوپر ہے، منگولوں کا کوئی مذہبی نظریہ نہیں تھا، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے تین کروڑ لوگ مارے، کئی جدید جنگیں جیسے نپولین کی جنگیں، انقلاب امریکہ، انقلاب فرانس، امریکہ کی سول وار، پہلی جنگ عظیم، روسی انقلاب، دوسری جنگ عظیم، کوریا اور ویت نام میں ہونے والی جنگوں میں لاکھوں انسان کام آئے، ایک اندازہ کے مطابق صرف بیسوی صدی میں اس قسم کے قتل عام میں کم از کم ایک کروڑ ساٹھ لاکھ لوگ مارے گئے اور کیا آپ جانتے ہیں کہ ان میں سے بھی کم از کم ایک کروڑ انسان دنیا کی دو سب سے بڑی ملحد اور لادین ریاستوں روس اور چین میں قتل کئے گئے۔

ایک طرف انسانی جان کی یہ بے حرمتی دیکھئے اور دوسری جانب انسانی جان کی حرمت، تقدس اور احترام کے تعلق سے آپ ﷺ کا طرزِ عمل سامنے رکھئے۔

اب کچھ ایسے مستشرقین جنھوں نے آپ ﷺ کی امن پسندی کا اعتراف کیا ہے، ان کے اعترافات کے اقتباسات نقل کئے جارہے ہیں؛ تاکہ آپ ﷺ کو جنگجو کہنے والے مستشرقین ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں اور سوچیں کہ یہ تو ہمارے ہی بھائی ہیں، جو آپ ﷺ کو انسانیت کا محافظ اور امن پسند کہہ رہے ہیں۔

باسوراسمتھ: آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

> آپ ﷺ نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچایا، آپ کی عادت یہ تھی کہ مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک کہ دوسرا نہ کھینچ لیتا، کسی کی حفاظت کا ذمہ لیتے تو اسے پورے طور پر نبھاتے، آپ شیریں کلام تھے، جو آپ ﷺ کو دیکھتا، اس کا دل آپ کی عزت، محبت اور احترام سے معمور ہوجاتا تھا، جو بھی آپ سے قریب ہوتا، وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔(۱)

باڈلے: آنحضرت ﷺ کی امن پسندی اور دنیا پر احسانات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> محمد ﷺ خون بہانے کے دلدادہ نہیں تھے، جنگ میں جو لوگ قید ہوتے، ان کو اختیار دیا جاتا تھا کہ یا تو وہ فدیہ دے کر آزاد ہوجائیں، یا پھر اسلام قبول کرلیں، (یہ مذکورہ

---

(۱) باسوراسمتھ: ۱۳۱۔

مستشرق کی غلط فہمی ہے،سیرت رسول میں ایسا کوئی واقعہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے قیدیوں سے فدیہ نہ ملنے پر ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا ہو) قرآن کہتا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ایک دو مواقع کے سوا آپ ﷺ نے ہمیشہ دشمنوں سے اچھا سلوک کیا ہے(یہ ایک دو مواقع میں بھی آپ ﷺ کا طرز عمل انصاف سے ہٹ کر نہیں ہے ؛ بلکہ عدل و انصاف کے عین مطابق ہے) اگر آپ ﷺ انتقام کو اپنی تعلیم کا حصہ بنانا چاہتے تو یہ کر سکتے تھے اور یہ اس زمانہ کے دستور کے خلاف بھی نہیں ہوتا، اور اس زمانے سے بہت بعد تک عیسائی مذہب کے اخلاقی اُصولوں کے بھی یہ عین مطابق ہوتا،۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو انھوں نے قتل عام کیا، اور پورے شہر کو تباہ و برباد کر دیا؛ لیکن صلاح الدین ایوبی نے جس وقت بیت المقدس کو عیسائیوں سے دوبارہ واپس لیا تو اس نے عیسائیوں کی طرح کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی ، اور نہ خود مسلمانوں نے ہی مذہبی جنگجوؤں کی طرح ان مما لک کو تباہ و برباد اور ویران کیا؛ بلکہ وہ جہاں گئے ، انھوں نے وہاں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے، اور اس علاقہ وخطہ کو سرسبز وشاداب بنایا۔

یوروپ میں علوم وفنون کو ازسر نو زندہ کئے جانے کا سہرا محمد ﷺ کے پیروکاروں کا شرمندہ احسان ہے،جس وقت اسلامی ثقافت وتہذیب اپنے عروج پر تھی ، اس وقت یوروپ جہالت کی تاریکی میں اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، آپ ﷺ نے جو بھی جنگ کی ، وہ مصلحت کا تقاضا اور حالات وظروف کے اعتبار سے ناگزیر تھی اور جو بعد میں مجموعی طور پر فائدہ مند بھی ثابت ہوئی ، یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ ان حملہ آوروں کی طرح نہ تھے، جن کی فطرت میدان جنگ میں خون بہانا ہوتی ہے اور جنھیں انسانی خون دیکھ کر ہی تسکین ملتی ہے۔(۱)

آرتھر گلمن : پیغمبر اسلام ﷺ کے حسن اخلاق اور دشمنوں کو معاف کرنے کے فراخدلانہ رویہ پر اس طرح قلم اُٹھاتے ہیں :

محمد (ﷺ) کی فتح مذہبی تھی نہ کہ سیاسی ،آپ نے ذاتی تعریف کی ہر نشانی اور علامت کو

(۱) The Messenger : 137۔

رد کر دیا اور کسی بھی طرح کے شاہی لقب کو اختیار کرنے سے منع کر دیا، جب سرکش اور آپ ﷺ پر ظلم کرنے والے سرداران قریش آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تم مجھ سے کیا اُمید کر رہے ہو کہ میں تم سے کیسا برتاؤ کروں گا، ان سب نے کہا تھا کہ آپ شریف بھائی ہیں، اور آپ سے ہمیں رحم و معافی کی اُمید ہے، آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ تمہاری اُمید رائیگاں نہیں جائے گی، تم سب آزاد ہو، تمہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔(۱)

جان بیگٹ گلب : سرورِ دوعالم ﷺ کے صلح کل اور امن پسندی کو خراجِ احترام پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ہم جان گئے ہیں کہ آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ لڑائی سے پرہیز کیا جائے اور بات چیت کے ذریعہ معاملات حل کئے جائیں، یہ آپ ﷺ کی سیاسی فراست تھی اور آپ کی سیاسی فراست کی وجہ سے ہی قریش کو زیر ہونا پڑا۔(۲)

اپنی اسی تصنیف میں موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں :

فلسطین، مصر اور شام میں مسلمانوں کی تیز رفتار فتوحات کے سلسلے میں یہ بات دلچسپ ہے کہ ان مفتوح اقوام سے زبردستی مذہب تبدیل نہیں کرایا گیا؛ بلکہ انھوں نے اپنی مرضی اور خوشی سے اسلام کو اپنایا؛ کیوں کہ پیغمبر اسلام محمد (ﷺ) نے جبری تبدیلی مذہب کی حمایت کبھی نہیں کی اور نہ ہی کبھی عیسائیوں اور یہودیوں کا زبردستی مذہب تبدیل کرایا، مدینہ کے یہودیوں کو مدینہ سے اس لئے نکالا گیا کہ وہ فتنہ پرور قوم تھی اور محمد (ﷺ) کے مشن کی پوری طرح مخالف تھی، دوسرے الفاظ میں کہیں تو آپ (ﷺ) کی یہودیوں سے مخالفت سیاسی تھی، مذہبی نہیں، ان کو مدینہ سے نکال دینے کے بعد بھی کچھ یہودی مدینہ میں موجود تھے؛ لیکن ان موجودہ یہودیوں کو کبھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا، نہ ہی اس سلسلے میں ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا گیا، قرآن میں کئی آیتیں ایسی ہیں جو مذہبی آزادی کی وضاحت کرتی ہیں اور جن میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کا کام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہوتا ہے، نہ کہ ان پر جبر کر کے اسلام کی طرف لے آنا۔(۳)

---

(۱) The saracens by Arthur gilmen P: 184 London : 1887۔

(۲) The life and times of Muhammad by John baggatgubb, P:313, Publishers:stein and day, new York: 1970.

(۳) The life and times of Muhammad by John baggotglobal, P : 35۔

کیرن آرم اسٹرانگ : عہد نبوی ﷺ میں اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا تذکرہ یوں کرتی ہیں :

اسلامی حکومت کے اندر یہودیوں، عیسائیوں کو مکمل آزادی تھی اور ان کو تبلیغ مذہب کی بھی اجازت تھی بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے محبوب ترین ہستی محمد (ﷺ) کے خلاف گستاخی اور دریدہ دہنی نہ کریں۔

ایک دوسرے مقام پر کیرن آرم اسٹرانگ لکھتی ہیں :

محمد (ﷺ) ایسی تہذیب اور مذہب کے بانی تھے، جس کی بنیاد تلوار پر نہیں تھی، مغربی پروپیگنڈے اور پروپگنڈے کو افسانوی اور داستانی رنگ دینے کے باوجود اسلام کے نام میں امن وامان اور دیگر اقوام سے صلح کا مفہوم شامل ہے۔(۱)

ٹی ڈبلیو آرنلڈ : جنھوں نے اسلام کی دنیا بھر میں پرامن تبلیغ واشاعت پر شہرۂ آفاق کتاب لکھی ہے، وہ اپنے مطالعہ کا خلاصہ جو برسوں کی مدت اور ہزاروں صفحات پر محیط ہے، بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

اسلام جیسا کوئی مذہب وسیع النظر، روادار اور صلح کل والا نہیں ملے گا، جس نے دیگر اقوام اور مذاہب کے افراد کو اتنی زیادہ آزادی دی ہو، اسلام دیگر اقوام ومذاہب کے دین وایمان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے، سوائے ان چند استثنائی صورتوں کے، جب مسلمان حکمرانوں نے ملکی مصلحت اور حکمت کے خیال سے مذہبی اتحاد کا طریقہ اختیار کیا، رواداری مسلمانوں کی فطرت اور دوسروں کو مکمل آزادی ان کا خاصہ رہا ہے، ہمیں اپنی پوری توجہ ظلم وزیادتی کے چند گنے چنے واقعات پر ہی مبذول نہیں کرنی چاہئے، جو کہیں کہیں پیش آئے ہیں، اس کے مقابل اسلام کی وسیع النظری، مذہبی آزادی اور رواداری کے واقعات جو تاریخ کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں، ان پر بھی انصاف کی نگاہ ڈالنی چاہئے۔(۲)

ٹامس کارلائل : معروف مستشرق عالم ''ٹامس کارلائل'' (۱۷۹۵ء—۱۸۸۱ء) نے اپنی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں جہاں نبی پاک کو تمام انبیا کے سردار کے طور پر مانا اور پیش کیا ہے، وہیں اس نے اسلام کی اشاعت میں تلوار کے عمل دخل کو قطعاً جھوٹ اور یاوہ گوئی قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :

(۱) **Muhammad ... A western attempt to understand islam by karen Armstrong, P : 266, London 199**

(۲) The preaching of Islam by T. W. Arnold, P : 398

یہ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں کہ ایک شخص، جو اپنی دعوت کے ابتدائی دنوں میں بالکل تن تنہا ہو، کوئی اس کو ماننے والا نہ ہو، وہ اکیلے پوری قوم اور جماعت کے خلاف تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور انھیں اپنے آپ کو منوانے پر مجبور کردے۔(۱)

جارج برنارڈ شا : مشہور انگریزی مفکر اور فلسفی جارج برنارڈ شا نے نہایت کھل کر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، اسلام تنگ اور جامد خیالات پر مبنی مذہب نہیں؛ بلکہ اس میں زمانہ کے ساتھ چلنے اور بدلتے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی زبردست صلاحیت ہے اور اسی بنا پر یورپ میں اسلام وسیع امکان رکھتا ہے، وہ لکھتے ہیں :

آئندہ سو برسوں میں اگر کوئی مذہب انگلینڈ؛ بلکہ پورے یورپ پر حکومت کرنے کا موقع پاسکتا ہے تو وہ مذہب ''اسلام'' ہی ہوسکتا ہے ...... میں نے اسلام کو اس کی حیرت انگیز حرکت ونمو کی وجہ سے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہی صرف ایک ایسا مذہب ہے، جو زندگی کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، جو اس کو ہر زمانہ میں قابلِ توجہ بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے ...... میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے کہ وہ کل کے یورپ کو قابلِ قبول ہوگا، جیسا کہ وہ آج کے یورپ کو قابلِ قبول ہونا شروع ہوگیا ہے۔(۲)

نپولین بوناپارٹ : اسلامی تعلیمات کی آفاقی صداقت کا یوں اعتراف کرتا ہے :

فرانس کے طالع آزما سکندرِ زمانہ نپولین بوناپارٹ کا کہنا ہے کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں جب میں سارے ممالک کے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کروں گا اور قرآنی اُصولوں کی بنیاد پر متحدہ حکومت قائم کروں گا، قرآن کے اُصول ہی صحیح اور سچے ہیں اور یہی اُصول انسانیت کو سعادت سے ہم کنار کرسکتے ہیں۔(۳)

لارڈ ہیڈلی : مغربی مفکر لارڈ ہیڈلی بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے تعلق سے لکھتا ہے :

---

(۱) محمد المثل الأعلیٰ، تعریب: محمد السباعی، ص:۲۱، مصر: ۲۰۰۸ء۔

(۲) George Bernard Shaw in The Genuine Islam Vol.1, P: 8,1936

(۳) Napolen Bonaparte as Quoted in Cherfils,et Islam Paris, France, P : 105

کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بدر کے قیدیوں کے ساتھ یہ طرز عمل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد نہ متشدد تھے اور نہ ہی خون کے پیاسے تھے، جیسا کہ ان کے دشمن اور مخالفین کہتے ہیں ؛ بلکہ ان کا طرز عمل بقدر استطاعت ہمیشہ جنگ و جدال سے گریز کا تھا، جب پورا جزیرہ عرب ان کے زیر نگیں ہو گیا تھا، تب بھی انھوں نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا؛ بلکہ مخالفین کو جان و مال کی حفاظت کا پروانہ دیا اور حکم دیا کہ کوئی بھی ان کے مذہبی معتقدات اور مذہبی رسوم و رواج میں مداخلت نہ کرے۔(۱)

رابرٹ بریگال : مغربی مورخ رابرٹ بریگال مغربی تہذیب پر اسلام کے اثرات و احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مغربی تہذیب کی خوبیاں اور اس کی روشنی نہ یونان سے آئی ہے اور نہ ہی روم سے، اور نہ ہی اس تہذیب کو بازنطینی سلطنت وحکومت سے کوئی جلا ملی ہے اور نہ ہی جدید یوروپ کی تہذیب کا ماخذ اٹلی ہے؛ بلکہ یوروپ کی جدید تہذیب وتمدن اور اس کے ارتقاء میں اسلامی اندلس کا اثر ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جس کا انکار یوروپ کے لئے ممکن نہیں ہے، خواہ یوروپی تاریخ نگار کتنا ہی متعصب کیوں نہ ہو، اور اس کے دل میں اسلام کی جانب سے کتنی ہی دشمنی کیوں نہ بھری ہوئی ہو۔(۲)

ولیم میور : مشہور انگریزی مورخ ولیم میور اپنی کتاب 'لائف آف محمد' میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں کی کایا پلٹ کر دینے کی حیرت انگیز صلاحیت اور معاشرہ کو بدل دینے کی معجزانہ قوت اور اس کے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں :

محمد اپنے کلام کی وضاحت، آسان دین میں دوسروں سے ممتاز ہیں، اور ان کے کارناموں سے عقل حیرت زدہ ہے؛ کیوں کہ انھوں نے جس طرح لوگوں کے اخلاق کو سنوارا، اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔(۳)

---

(۱) الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عیون غربیۃ منصفۃ، ص: ۱۰۴۔

(۲) الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عیون غربیۃ منصفۃ، ص: ۱۰۶۔

(۳) الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عیون غربیۃ منصفۃ، ص: ۱۰۶۔

اس مقالے میں اس کی گنجائش نہیں آپ ﷺ کی امن پسندی، صلح جوئی اور نرم و گداز طبیعت پر مزید اقتباسات پیش کئے جائیں؛ لیکن جتنے بھی اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، ان سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ پر قتل وخونریزی اور غارت گری کا الزام واتہام اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے اور خود مستشرقین میں سے صاحبانِ علم وانصاف اس کی پرزورتر دید کررہے ہیں اور یہ عالم گیر حقیقت ہے کہ حق وصداقت پر زیادہ دنوں تک پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، کچھ عرصے کے لئے آسمان پر بادل چھاسکتے ہیں، سورج کی روشنی کوزمین تک پہنچنے میں ایک دن، کچھ دن یا کچھ مزید وقت درکار ہوسکتا ہے؛ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہمیشہ ظلم وانصافی کا بادل چھایا رہے، بالآخر ایک دن آئے گا کہ اتہامات والزامات کی گھنگھور گھٹائیں آپ ہی آپ چھٹ جائیں گی اور سچائی وصداقت کا آفتاب طلوع ہوکر رہے گا۔

• • •

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی

ڈاکٹر راہی فدائی باقوی◆

نعت شریف کے سلسلہ میں عام طور پر اہل علم کا یہ رجحان ہے کہ ان کے نزدیک نعت پاک کہنے والے شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت ومحبت میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان کا ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرع عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشاندہی کرتا ہوا نظر آتا ہے اور ان کے خیال میں شاعر نعتوں میں جس قدر وارفتگی کا اظہار کرے گا، اسی قدر اس کے اشعار میں تاثیر پیدا ہوگی، یہی سبب ہے کہ شعر کو دلی جذبات کا آئینہ کہا گیا ہے اور ایسے موقع پر ہی ''از دل خیزد بر دل ریزد'' (دل سے نکلنے والی بات ضرور دل پر اثر کرتی ہے) کا مقولہ استعمال کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف اسلامیات وادبیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت ایمان کی سلامتی کے لئے لازم وشرط اولین ہے، نہ کہ نعت گوئی کے لئے، جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے ''لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین'' (متفق علیہ) ''یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی ذات، اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ رہوں''۔

نعت گوئی کے لئے شرط یہ ہے کہ شاعر کو فن شاعری پر دسترس حاصل ہو اور وہ اپنے ممدوح کے اوصاف وکمالات کا بخوبی علم وادراک رکھتا ہو، پھر اس علم کو جذبہ میں اور جذبہ کو شعر میں تبدیل کرنے کا میلان طبع اپنے اندر پاتا ہو تو اس کی کہی ہوئی نعتوں میں دلکشی اور اثر انگیزی پیدا ہوگی، مزید براں اگر وہ لفظوں کی معنویت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صنائع وبدائع کا استعمال اپنے اشعار میں مناسب طور پر کرے تو اثر آفرینی میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور یہ تأثر تادیر قائم بھی رہے گا۔

◆ بنگلور، کرناٹک۔

غرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی شاعر کا نعتیہ کلام پڑھتے یا سنتے ہیں اور وہ دل کو چھو جاتا ہے تو فوراً کہہ اُٹھتے ہیں، شاعر نے آپ ﷺ کے عشق میں ڈوب کر شعر کہا ہے؛ حالاں کہ حقیقت حال ایسی نہیں ہوتی ہے؛ چنانچہ بعض نعت گوشعرا ایسے بھی ہیں، جنھیں آنحضرت ﷺ کی سنتوں کی پیروی کا خیال تو کجا اسلام کے فرائض وواجبات کا بھی لحاظ نہیں رہتا؛ مگر وہ بہترین نعتیہ اشعار کہتے ہیں اور ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ'' (۱) کی منھ بولتی تصویر پیش کررہے ہوتے ہیں، اگر واقعتاً وہ ''حُبِ رسول ﷺ'' میں غرق رہتے تو یہ مصداق ''الاناء یترشّح بما فیہ'' یعنی برتن وہی چیز اُنڈیلتا ہے جو اس میں موجود ہے، ان کا ظاہر بھی باطن کا عکس جمیل ہوتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک کی طرف شاعر کا میلان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے آنحضرت ﷺ کی مقدس ذات واعلیٰ صفات سے کسی نہ کسی حد تک لگاؤ اور تعلق ہے، جس کے زیر اثر وہ نعت کہنے پر آمادہ ہوا ہے، اس لگاؤ اور ربط وتعلق کی تعبیر ''عشق رسول ﷺ'' جیسے پُرمعنی و پُر وقار لفظ سے کرنے کی بجائے چاہت اور احترام کے الفاظ سے کریں تو مناسب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے کئی درجے ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ عشق ہے اور ادنیٰ درجہ احترام، اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سارے شعرائے کرام نے نعتیں کہی ہیں، جن میں غیر مسلم شعرا کی تعداد بھی معتد بہ ہے، ان غیر مسلم حضرات شعرا کے یہاں حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں رطب اللسان ہونے کا جذبہ اسی احترام کے راستے سے در آیا ہے، جسے احترام انسانیت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ تمام اقوام عالم کے اہل علم وفضل اور اصحابِ دانش وبینش کے نزدیک ''انسان کامل'' ہیں، آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور آپ کے عظیم اخلاق دوست ودشمن، اپنا پرایا اور ادنیٰ واعلیٰ سبھی کے حق میں یکساں ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم اہل سخن بھی آپ ﷺ سے متاثر ومرعوب ہیں، اس تاثر کے پیش نظر جناب پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی (ولادت: ۱۹۰۸ء، وفات: ۱۹۷۹ء) ابن وتلمیذ جوشؔ ملسیانی نے کیا خوب کہا ہے :

حاصل جلوۂ ازل ، پیکرِ نورِ ذات تو
شانِ پیمبری سے ہے سرورِ کائنات تو

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ، آپ ﷺ کے مبارک ومقدس عادات واطوار اور آپ ﷺ کے شمائل وفضائل سے متاثر ہوکر پروفیسر تلوک چند محرومؔ (ولادت: ۱۸۸۷ء، وفات: ۱۹۶۶ء) نے یہ اقرار کیا ہے :

مبارک پیش رو، جس کی ہے شفقت دوست ودشمن پر
مبارک پیش رو، جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

---

(۱) الصّف: ۲۔

آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعے سے کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ (ولادت: ۱۹۰۹ء) کا جذبۂ احترام چاہت ومحبت میں بدل گیا؛ چنانچہ ان کا ارشاد ہے :

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی ، اطاعت رسول کی
عشق ہوجائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
کچھ مسلماں کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

آخرالذکر شعر کے مضمون کو چندر پرکاش جوہرؔ بجنوری (ولادت: ۱۹۲۳ء) نے اس طرح ادا کیا ہے :

نہیں ذکر محمدؐ کے لئے تخصیص مذہب کی
یہ کس نے کہہ دیا، یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے

اسی طرح جناب جوش ملسیانی کے شاگرد کالی داس گپتا رضاؔ (ولادت: ۱۹۲۵ء) کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے :

جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر
آپؐ کے نام سے آجائے تو مستی اچھی

پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی (وفات: ۱۹۷۶ء) کے ایک شاگرد امیر چند قیسیؔ جالندھری کا یہ اعتراف بھی خوب ہے :

حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو
تکلفات کے پردے اُٹھا دیا تونے

حضرت پُرنور ﷺ کے بلندترین اخلاق اوراعلیٰ وارفع اقدار سے متاثر ہوکر کرشن بہار نورؔ نے خودکو آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اوراس عمل کو اپنی معراج قرار دیا، اس طرح انھوں نے اپنے تخلص نورؔ کا گویا حق ادا کیا، ان کا قطعہ :

دَیر سے نورؔ چلا اور حرم تک پہنچا
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
تیری معراج محمدؐ تو خدا ہی جانے
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی (ولادت: ۱۸۶۶ء، وفات: ۱۹۵۵ء) تلمیذ شمس العلماء الطاف حسین حالیؔ (متوفی: ۱۹۱۵ء) حضور اکرم ﷺ کے حسن گفتار و بلند کردار پر اس قدر وارفتہ ہوئے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ ان

کے پاس سب کچھ موجود ہے؛ مگر ایک چیز کی کمی ہے، جس کے بغیر زندگی لایعنی سی لگتی ہے، اور وہ ہے دل کی تاریکی کو دُور کرنے کا واحد ذریعہ ''نورِ ایمانی''، اسی کی آرزو میں حضرت کیفی نے بارگاہ الٰہی میں یہ دُعا کی :

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جیسے
بطحاء سے ہوا جلوہ فگن نورؐ خدا کا (۱)

آپ ﷺ کے مقدس حالات وکمالات کا تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے جناب بابو برج گوپی ناتھ صاحب بیکلؔ امرتسری نے کس عمدگی سے اپنے جذبات کا اظہار نظم مسدس میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں :

اے رسول پاک ، اے پیغمبر عالی وقار چشم باطن بیں نے دیکھی تجھ میں شانِ کردگار
تیرے دم سے گل نظر آئے، رہ عرفاں کے خار خوبیوں کا ہو تری کیونکر بھلا ہم سے شمار
نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی

کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے کیوں نہ راہ حق میں اپنا رہنما مانیں تجھے
دیکھنے کو دے خدا آنکھیں تو پہچانیں تجھے حق کی ہے بیکلؔ صدا 'شمس الضحیٰ' مانیں تجھے
گو مسلمانوں کا اک پیغمبر اعظم ہے تو
اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو (۲)

بیکلؔ امرتسری کے آخری بند کے آخری شعر پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ہندوحضرات کے یہاں جو ''اوتار'' کا عقیدہ ہے، اس کی ترجمانی شاعر نے اپنے شعر ''گو مسلمانوں کا اک پیغمبر اعظم ہے تو، اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو'' میں کی ہے، ان کے مذہب میں ''اوتار'' کا عقیدہ یہی ہے، جتنے مہا پُرش اور مقدس ہستیاں ہیں، وہ سب بھگوان اور خدا کے نہ صرف مظاہر ہیں؛ بلکہ ''اوتار'' ہیں، یعنی ان بزرگوں میں نعوذ باللہ خدا حلول کئے ہوئے ہے، یہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ ''اوتار'' کا اعتقاد اسلام میں صریح کفر و باطل ہے اور مظاہر حق ہونے کا اعتقاد صحیح اور درست ہے، ایک مؤمن کامل رب تعالیٰ کا مظہر جمیل اور اس کی قدرت کا عکس حسین ہوتا ہے، جس کے اشارے قرآن پاک اور حدیث شریف میں پائے جاتے ہیں اور یہ حقیقت اہل علم وعرفان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے، اس مقام پر تفصیل غیر ضروری ہے۔

---

(۱) مسلم سلیم، ہندو گو شعرا، کھوج خبر نیوز ڈاٹ کام Muslim salum.blogspot.in۔

(۲) ''مسلمان لاہور'' کا غیر مسلم نعت گو شعرا نمبر، جلد: ۷، شمارہ: ۸، ص: ۳۱، ۳۲۔

راقم نے مقالہ کی تمہید میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ غیر مسلم شعرا حضور اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی منور و مسعود شخصیت سے متاثر ہوکر آپ ﷺ کی چاہت و احترام میں نعت گوئی پر از خود آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی ثنا خوانی و مدح سرائی میں رطب اللسان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، اس جذبہ و احساس کو عشق و محبت کا نام دینا اور اس شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ ہمارے عام نقادوں کا خیال ہے، غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی، اگر واقعتاً حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے ان غیر مسلم شعرا کا عشق سچا اور پکا ہوتو ضرور انھیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توفیق ملی ہوتی، اس بات کا انھیں خوب علم ہے کہ وہ اسلام کے عقیدۂ توحید پر نہیں ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بھرپور تعریف وتوصیف کرنے کے باوجود اصل دین وتوحید الٰہی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلاتا اور اسے دیارِ رسول کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوتا، یہی وہ احساس ہے، جس نے شاعر کو درج ذیل شعر کہنے پر مجبور کردیا، ٹھاکر دامودر ذکی محبوب نگری (تلنگانہ) شاگرد ِ ازل لاہوری و حبیب اللہ وفاؔ حیدرآبادی (ولادت: ۱۹۰۳ء، وفات: ۱۹۷۶ء) نے اپنی شدید خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے :

اتنی سکت کہاں ہے، میں آسکوں وہاں تک — تو خواب میں تو آجا اک بار اے مدینہ

زیارت مدینہ منورہ کی آرزو میں بابو روشن لعل صاحب نعیمؔ ڈیرہ غازی خاں نے اپنے جذبات وتصورات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے :

للہ بلا لیجئے سرکارِ مدینہ — مرجائے نہ یہ ہند میں بیمارِ مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے درِ شاہِؐ عرب پر — مدفن ہو تہہ سایۂ دیوارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہِ فردوس مبارک — کافی ہے مجھے گوشۂ گلزارِ مدینہ
مرجائے نعیمؔ اُلفتِ سرورؐ میں الٰہی — تعویذِ لحد ہو در دربارِ مدینہ (۱)

اولین نعت گو غیر مسلم شاعر

دکن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس طرح اُردو زبان کے اولین شاعر حضرت بندہ نواز گیسو دراز (ولادت: ۷۲۱ھ، وفات: ۸۲۵ھ) گلبرگہ کی سرزمین میں آسودہ ہیں، اسی طرح اُردو کے اولین نعت گو غیر مسلم شاعر جن کا نام نامی ایکناتھ مہاراج ہے، دکن ہی کی خاک سے اُٹھے ہیں، ایکناتھ جیؔ مہاراشٹرا کے متوطن تھے، مراٹھی کے قدیم و اہم شعرا میں مہاراج کا شمار ہوتا ہے، انھوں نے مراٹھی کی صنف شاعری 'بھاروڑ' میں خوب طبع آزمائی کی ہے، ایک سنت ہونے کے اعتبار سے ان کا کلام عوام وخواص میں مشہور ہے، ایکناتھ جی کی ولادت حضرت بندہ نواز کے

(۱) ''مسلمان لاہور'' کا غیر مسلم نعت گو شعرا نمبر، جلد: ۷، شمارہ: ۸، ص: ۳۶۔

وصال کے ایک صدی بعد ہوئی تھی ،مشہور محقق وادیب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب نے ایکنا تھ جی کو کھوج نکالا ہے، ان کی نعتیہ شاعری پہلی بار ڈاکٹر نشیط کے توسط سے اہل علم میں روشناس ہوئی ہے، ایکنا تھؔ کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

خیال کیا، مچھلی والے ولیکن دریا ڈھونڈے گووند محمدؐ
کھیل کھلانے آیا محمدؐ
دشرتھ ، رام رانا ولیکن دیو چھراوے بند محمدؐ
کھیل کھلانے آیا محمدؐ
لنکا پتی راون مارا ولیکن راجیہ دیا بھبیشن محمدؐ
کھیل کھلانے آیا محمدؐ (۱)

اُردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی تعداد سینکڑوں میں ہے، جن میں سے بعض منتخب شعرا کو تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے ؛ تا کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں خراج احترام ونذرانۂ عقیدت گزارنے والوں کے جذبات واحساسات کی کما حقہ قدر افزائی ہو سکے اور ساتھ ہی ان کے اُسلوب ادا اور طرز نگارش کا کسی قدر اندازہ بھی لگایا جاسکے، راقم کی گذاش ہے کہ منصب نقد وانتقاد پر فائز حضرات نعت کی وسعت ووقعت، اس کے تنوع وترفع اوراس کی رنگارنگی وہمہ جہتی کا صحیح ادارک کرتے ہوئے نعت گو شعرا کو ان کا مناسب مقام ومرتبہ دینے میں تکلفات وتعصّبات سے کام نہ لیں۔

(۱) عاشقؔ دہلوی، مہارانہ کلیان سنگھ (ولادت: ۱۷۴۹ء، وفات: ۱۸۲۲ء) :

یہ لکھتے ہیں نعتِ رسولِ خدا مغیث الوراؐ خواجۂ دوسرا
محمدؐ ہیں محبوبِ پروردگار محمدؐ ہیں مطلوبِ پروردگار (۲)

(۲) ساقیؔ سہارن پوری، منشی شنکر لال ولد خوب چند (۱۸۶۰ء—۱۸۹۰ء) تلمیذ منشی لال کمند بے صبرؔ (وفات: ۱۸۸۵ء) وفیض یافتہ مرزا غالبؔ ومنشی تفتہؔ :

مرا ہر لفظ نعتِ احمدیؐ سے درّ یکتا ہے لکھا جو دائرہ ہے، وہ مہِ کامل کا ہالا ہے
صفاتِ ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے خیالِ اہلِ دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے کیا مری انؐ کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی

(۱) ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط ،اُردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے، بہار آفسٹ، اکولہ (مہاراشٹر) ۱۹۹۵ء،ص: ۵۴۔
(۲) علیم صبا نویدی، نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے، مطبوعہ تمل ناڈو، اُردو پبلی کیشنز، چنئی: ۲/ ۲۰۰۲ء ص: ۳۱۔

ساقیؔ نے کفر وشرک کے خلاف بلا تکلف لکھا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کا کلام نہیں؛ بلکہ خدا ترس مؤمن کا کلام ہے، یہ شعر دیکھئے :

ہوئی کافور نورِ مصطفیؐ سے شرک کی ظلمت　　سیاہی سے ندامت کی دلِ کفار کالا ہے (۱)

(۳) ساحرؔ دہلوی پنڈت امرناتھ مون (۱۸۶۳ء—۱۹۴۲ء) وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹر :

مرا قلب مطلع نور ہے کہ حرم میں جلوہ یار ہے　　دل و دیدہ محوِ نظارہ ہیں کہ نہ گرد ہے نہ غبار ہے
بے سایہ نور باعث ایجاد و مغفرت　　جس کے وجودِ جود سے رحمت نہال ہے
اُمت کا اپنی شافع روز جزا بنا　　اب پرسش جواب نہ روئے سوال ہے (۲)

(۴) شادؔ، مہاراجہ کشن پرشاد ولد راجہ ہری کشن پرشاد (۱۸۶۴ء—۱۹۴۰ء) وزیر اعظم سلطنت آصفیہ، حیدرآباد، مصنف مجموعہ نعت ''ہدیۂ شادؔ'' (مطبوعہ: ۱۳۲۶ھ)، شادؔ صاحب کے کلام سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ یہ ایک غیر مسلم کا کلام ہے، وہ نعت گوئی کی توفیق پر خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہتے ہیں :

مشغلہ نعتِ نبیؐ کا ہے مجھے شکرِ خدا　　بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو

شادؔ کی وارفتگی اور جذبات کی فراوانی کا عالم دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی ثنا خوانی کس کس زبان و کس کس قلم سے کروا رہا ہے اور کن کن زاویوں سے رسول اکرم ﷺ کی مدح سرائی ہو رہی ہے، مہاراجہ شادؔ کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے :

کافر عشق محمدؐ خلق کہتی ہے مجھے　　سب مسلماں قدر کرتے ہیں مرے زنار کی
کافر ہوں کہ مؤمن ہوں، خدا جانے میں کیا ہوں　　پر بندہ ہوں ان کا، جو ہیں سلطانِ مدینہؐ
ہم خیالِ رخِ پُرنور میں حیراں ہوں گے　　یاد آئیں گے جو گیسو تو پریشاں ہوں گے
لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف　　جان و دل سے کبھی صدقے، کبھی قرباں ہوں گے
ہم کو تو گلشن طیبہ میں اُڑا کر لے جا　　ہم ترے باد صبا، بندۂ احساں ہوں گے
جب سے وحدت کا ہوا دل میں خیال　　تھا جو بیگانہ، یگانہ ہو گیا
کفر چھوڑا پی کے مئے توحید کی　　رنگ شادؔ اب عاشقانہ ہو گیا (۳)

---

(۱) ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ، اردو میں نعتیہ شاعری، مطبوعہ کراچی (پاکستان) ۱۹۷۶ء ص: ۲۷۵-۲۷۶۔

(۲) ''مسلمان لاہور'' ص: ۴۲-۴۷۔　　(۳) ''اُردو میں نعتیہ شاعری'' ص: ۴۹۲-۴۹۳۔

(۵) کوثریؔ، چودھری دِلّو رام ولد بھورا رام حصاری (۱۸۸۲ء—۱۹۳۳ء) اُردو کے ممتاز نعت گوشاعر ہیں، جنھیں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے ''حسان الہند'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا، کوثریؔ نے دولت ایمانی سے محرومی کے باوجود حضور اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں نعتوں کا نذرانہ پیش کیا، آل اطہار واصحاب کبار کی منقبتیں لکھیں اور اسلامی روایات پر بہترین نظمیں قلم بند کیں، زندگی بھر یہی مشغلہ رہا، حیدرآباد، بھوپال، رام پور وغیرہ درباروں میں انھیں نعت خوانی کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی، کوثریؔ نے کیا خوب کہا ہے :

شکر اے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مُہنّد کا
محمدؐ اور دِلّو رام میں نقطہ نہیں کوئی کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

دِلّو رام کوثریؔ کو یہ اعتماد ہے کہ دوزخ کی آگ انھیں جلائے گی نہیں؛ کیوں کہ وہ مداح نبی ﷺ ہیں، جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے :

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پاسکا
میں نے کہا کہ جائے تعجّب نہیں ذرا واقف نہیں تو میرے دلِ حق شناس کا

انھیں یقین ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی معیت حاصل ہوگی، جس کے وسیلے سے خدائے رب العزت کا ساتھ بھی میسر آئے گا؛ چنانچہ وہ اس طرح رقم طراز ہیں :

کوثریؔ تنہا نہیں ہے، مصطفیؐ کے ساتھ ہے جو نبیؐ کے ساتھ ہے، وہ کبریا کے ساتھ ہے
لے کے دِلّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے (۱)

(۶) فلکؔ لاہوری، لالہ لال چند، تلمیذ دوارکا پرساد افقؔ لکھنوی (۱۸۷۷ء—۱۹۶۷ء) :

نغمۂ وحدت حق دہر میں گایا تونے کملی والے یہ عجب گیت سنایا تونے
ربِ بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکّہ نقش اوہام پرستی کا مٹایا تونے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی خاکِ ناچیز کو اکسیر بنایا تونے
گنبد وسقفِ فلک، گوش زمیں گونج اُٹھے کوسِ توحید عرب میں جو بجایا تونے (۲)

---

(۱) ''مسلمان لاہور''، ص: ۲۵-۲۶۔ (۲) ''اُردو میں نعتیہ شاعری''، ص: ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵۔

(۷) جواںؔ سندیلوی، منی لال، تلمیذ ہنرؔ سندیلویؔ و آرزوؔ لکھنوی (۱۸۸۹ء—۱۹۷۴ء) کے مسدس کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں، جس میں انھوں نے واقعہ معراج کو کس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے :

آج کیا ہے، جو سجاوٹ ہے سرِ چرخِ بریں　　چاندنی رات بھی دلکش ہے، ستارے بھی حسیں
نور ہی نور ہے ظلمت کا کہیں نام نہیں　　قابل دید ہے گلزارِ جناں کی تزئیں
حکم خالق ہے ، فرشتے سبھی ہشیار رہیں　　مرے محبوبؐ کی تعظیم کو تیار رہیں (۱)

(۸) جوہرؔ بلگرامی، شنکر سہائے ولد بابو سری واستو (۱۸۹۰ء—۱۹۷۱ء) منصف و ناظم دیوانی و فوجداری، حیدر آباد دکن :

یوں تو دنیا میں بہت سے ہوئے مولیٰ والے　　پر تریؐ شان ہی کچھ اور تھی بطحاء والے
تو وہ مخلوق کہ خالق تری تخلیق پہ خوش　　بعد مولیٰ تجھےؐ کیوں مانیں نہ مولیٰ والے
آئے گا سوا نیزے پر جب نیرّ اعظم　　ہم ہوں گے تہہ دامن سلطانِؐ مدینہ (۲)

(۹) جذبؔ رائچوری، پنڈت رگھوندر راؤ، تلمیذ ترقیؔ و شوکت میرٹھی (۱۸۹۴ء—۱۹۷۳ء) ایڈوکیٹ :

لکھتا ہوں ثنائے رخِ نیکوئے محمدؐ　　روکش خورشید فلک روئے محمدؐ
مکہ سے مدینہ سے ہی نہ پہنچی سرِ افلاک　　بوئے گل رُخسار و گیسوئے محمدؐ
اس جذبؔ دل افگار کو رویا میں کسی شب　　یارب تو دکھادے رُخ نیکوئے محمدؐ (۳)

(۱۰) ساحرؔ جبل پوری، منشی مہادیو پرساد تلمیذ مضطر خیر آبادی (۱۸۹۵ء—۱۹۷۱ء) بڑے پُر گو شاعر گذرے ہیں، ساحرؔ نے آقائے نامدار ﷺ کی مدحت و ثنا کرتے ہوئے قربت رسول اکرم ﷺ کی تمنا میں خود کو وقف کیا ہے اور اپنے گناہوں کی مغفرت بھی طلب کی ہے، جناب ساحرؔ اپنا مدعٰی پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں :

جنت کی سمت رُخ نہ کروں آپؐ کے بغیر　　حضرتؐ کا ہوں گدا تو طبیعت غیور ہے
ممکن ہے مدح کس سے ہو، اس ذات پاک کی　　مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے
کافی ہے یہ نصیحت اغیار کے لئے　　وہ دور ہے خدا سے ، نبیؐ سے جو دُور ہے

(۱) ''نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے''، ص: ۴۹۔
(۲) نوراحمد میرٹھی ''بہر زباں بہر زماں ﷺ'' ادارۂ فکرِ نو، کراچی: ۱۹۹۶ء، ص: ۲۲۸۔
(۳) ''مسلمان لاہور''، ص: ۴۷-۴۸۔

مقصود عرضِ حال ہے ورنہ غلام کو دعویٰ کلام کا نہ زباں کا غرور ہے
خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو مداح ہے حضورؐ کا اتنا ضرور ہے
لاکھوں خطائیں کی ہیں بس اتنی اُمید پر حضرتؐ بھی ہیں کریم ، خدا بھی غفور ہے
محشر میں دیکھ لیں گے جنھیں اشتباہ ہو ساقیؐ ہے اور جامِ شرابِ طہور ہے

جناب سامیؔ نے مقطع کے بعد ایک تاریخی شعر رقم کیا ہے، جس میں اس واقعہ کا سن ہے؛ جب کہ جبل پور میں ۶ رشعبان ۱۳۴۵ھ، مطابق فروری ۱۹۲۷ء کو بعد مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا اور وہ صاف طور پر آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمدؐ'' کی شکل اختیار کر گیا، اس نظارہ سے بہت سارے خوش نصیب بہرہ ور ہوئے، اسی کی طرف سامیؔ نے اپنے دو شعر میں اشارہ کیا ہے :

تارے سے نامِ نامیٔ حضرت عیاں ہوا یہ معجزہ حضور کرامت ظہور ہے
تھی مجھ کو فکرِ سال کہ ہاتف نے دی ندا لوحِ فلک پہ جلوۂ نامِ حضورؐ ہے (۱)
۱۳۴۵ء

(۱۱) حامیؔ بریلوی، بشن نارائن ولد پنڈت دیبی پرشاد صادقؔ بریلوی (ولادت تقریباً:۱۸۹۶ء) صاحبِ دیوان شاعر تھے، شاعری انھیں ورثہ میں ملی تھی، تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی کے مؤلف مولانا عبدالعزیز خان بریلوی نے جناب حامیؔ کی خوب تعریف کی ہے :

ہو کیوں نہ بشر تابع فرمانِ محمدؐ فردوس میں جائیں گے غلامانِ محمدؐ
عاشق تپش مہر قیامت سے ڈریں کیوں کافی ہے انھیں سایۂ دامان محمدؐ
از بسکہ گنہگار ہوں ، محشر میں الٰہی چھوٹے نہ مرے ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
بخشیں مجھے توفیق اگر نعت کی حامیؔ بھولوں نہ کبھی عمر بھر احسانِ محمدؐ (۲)

(۱۲) اخترؔ ہوشیار پوری، پنڈت ہری چند تلمیذ حفیظؔ جالندھری (۱۹۰۰ء—۱۹۵۸ء) کو اپنے وسعت مشرب پر فخر ہے اور وہ تصور میں سبز گنبد کی زیارت سے مشرف ہو کر انتہائی خوش ہیں :

(۱) ''مسلمان لاہور''، ص:۳۸-۳۹۔
(۲) ''بہر زماں بہر زباں ﷺ''، ص:۲۴۳۔

وسعتِ مشرب سے ہیں اک مخزن اسرار ہم　　کفر ہم ، اسلام ہم ، تسبیح ہم ، زنّار ہم
سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں　　لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
نام پاک احمدِ مرسل سے ہم کو پیار ہے　　اس لئے لکھتے ہیں اخترؔ نعت میں اشعار ہم (۱)

(۱۳) باغؔ اکبرآبادی، حکیم بال کشن داس ولد حکیم ہنومان سہائے تلمیذ حضرت سید محمد علی شاہ میکشؔ اکبر آبادی وفلکؔ حیدرآبادی (۱۹۰۶ء — ۱۹۵۹ء) بڑے شائستہ وشستہ مذاق کے حامل تھے، حکیم باغؔ صاحب کی نعتوں میں دلکشی ودل آویزی موجود ہے، یہ شعر دیکھئے :

رہا کرتا ہے اس میں جلوۂ یکتا محمدؐ کا　　مرا دل ہے ازل سے آئینہ خانہ محمدؐ کا
گلہ غم کا نہیں، غم دینے والے یہ شکایت ہے　　جو تجھ کو غم ہی دینا تھا، تو غم دیتا محمدؐ کا
اگر تجھ کو محبت ہے، جو تیرا عشق صادق ہے　　تو آنکھیں بند کر کے کھینچ لے نقشہ محمدؐ کا (۲)

(۱۴) دلؔ کشمیری، منوہر لال ولد گوندامل آنند شاگرد اثرؔ لکھنوی وجوشؔ ملسیانی (ولادت: ۱۹۱۲ء) مصنف مجموعۂ کلام ''نقدِ دل'' (مطبوعہ: ۱۹۷۳ء) دلؔ اسٹیٹ بینک آف انڈیا جموں کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوکر وظیفہ یاب ہوئے، دلؔ صاحب نے جموں میں ایک ادبی انجمن کی بنیاد ڈالی، جو اولاً ''بزم سخن'' کے نام سے اور بعد میں ''بزم اُردو'' کے نام سے مشہور ہوئی، دلؔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی تعریف وتوصیف میں اس طرح رطب اللسان ہیں :

آقا جو محمدؐ ہے عرب اور عجم کا　　بے مثل نمونہ ہے مروّت کا کرم کا
حاصل ہے جنھیں تیرے غلاموں کی غلامی　　لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا
فردوس نظر ہے ترے مسکن کی زیارت　　روضہ ترا دنیا میں بدل باغِ ارم کا
کیا دلؔ سے بیاں ہو تیرے اخلاق کی توصیف　　عالم ہوا مدّاح تیرے لطف وکرم کا (۳)

(۱۵) مکھنؔ حیدرآبادی راجہ مکھن لال (وفات مابعد: ۱۸۴۴ء) صاحب دیوان شاعر تھے، جس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ ''گورنمنٹ میانسکرپٹ لائبریری'' کی زینت ہے، انھوں نے نعتیں فارسی اور اُردو دونوں

(۱) ''مسلمان لاہور''، ص: ۳۴-۳۵۔
(۲) ''بہر زماں بہر زباں ﷺ''، ص: ۱۶۴۔
(۳) ''بہر زماں بہر زباں ﷺ''، ص: ۲۶۴۔

زبانوں میں کہی ہیں، ۱۲۶۰ھ، مطابق ۱۸۴۱ء میں عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ صنف رباعی ہی میں کیا، مکھن لال کو حضور اکرم ﷺ سے بے پایاں عقیدت تھی، اس لئے آپ ﷺ کی شفاعت کی آرزو میں اشعار کہے ہیں :

بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم   جا پکڑ دامن شفیع رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم   بول اپنا پکار حال سقیم
کر مدد مجھ پہ یا رسول اللہ   تا نہ دیکھوں عذاب نارِ جحیم (۱)

(۱۶) رونقؔ دہلوی، منشی پیارے لال تلمیذ راسخؔ دہلوی (وفات: ۱۹۳۴ء) بلند پایہ شاعر تھے، زباں وبیان پر قدرت حاصل تھی، نعتوں میں طباعی کا مظاہرہ خوب کیا ہے :

کلمۂ صلی علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں   خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا
عفو ہوجائیں گی محشر میں خطائیں ساری   داورِ حشر کو دوں گا میں حوالا تیرا
آہ کر ہجرِ محمدؐ میں سنبھل کر اے دل   عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا (۲)

(۱۷) منظرؔ، ڈاکٹر کے، مدنا منظر تماپوری (وفات: ۱۹۸۲ء) سول سرجن ہونے کے باوجود فطرتاً صوفی منش تھے، اُردو، ہندی، کنڑی اور انگریزی میں شعر کہتے تھے، اُردو شاعری میں نعتوں کی طرف ان کا میلان زیادہ تھا، حضور اکرم ﷺ کی شان یکتائی میں شعر کہتے ہوئے ان پر محویت کا عالم طاری رہتا تھا، اسی لئے ڈاکٹر صاحب کے اشعار میں تاثیر کا عنصر نمایاں ہے :

تمہارے چہرۂ زیبا کو ہم قرآں سمجھتے ہیں   تمہاری ہر ادا کو معنیٔ فرقاں سمجھتے ہیں
تمہارے عشق میں جینا، تمہارے عشق میں مرنا   اسے ہم دین کہتے ہیں، اسے ایماں سمجھتے ہیں
الٰہی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آئے   کروں سجدہ جہاں نقشِ کفِ پا ہو محمدؐ کا (۳)

حضور پُرنور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور آج بھی بہت سارے غیر مسلم شعراء اس پاک شغل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں، ان شعرا میں جناب چندر بھان خیالؔ (ولادت: ۱۹۴۶ء) اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے ''لولاک'' (مطبوعہ: ۲۰۰۲ء) کے نام سے منظوم سیرت طیبہ تحریر کی، خیالؔ صاحب اولین غیر مسلم منظوم سیرت نگار ہیں ''لولاک'' کے چند بند ملاحظہ ہوں :

(۱) ''اُردو میں نعتیہ شاعری''، ص: ۲۴۳-۲۳۴۔   (۲) ''مسلمان لاہور''، ص: ۳۳۔
(۳) ڈاکٹر مدنا منظرؔ ''منظر بہ منظر''، انجمن ترقی اردو ہند (کرناٹک) بنگلور، مطبوعہ: ۱۹۸۲ء، ص: ۱۷-۲۵۔

اوج بخش وبخت آور ، نام تھا محمدؐ کا | آسروں نے ڈھونڈا تھا ، آسرا محمدؐ کا
رفعتوں کی خاموشی ، وسعتوں کی تاریکی | ختم ہوگئی جیسے مصطفیٰؐ کی آمد پر
برق سی گری اک دم، واہموں کے برگد پر | ہل اُٹھا نظامِ شر، خیر کی اس آمد پر
جذبۂ صداقت اب، زندگی کے صحرا میں | چہچہاتی چڑیوں سا چہچہاتے پھرتا تھا (۱)

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کا کرشمہ ہے کہ آج کے لسانی ومذہبی تعصب کے زمانے میں بھی اُردو کے غیر مسلم شعرا ہی نہیں؛ بلکہ ہندی کے غیر مسلم شعرا بھی نعتیں کہنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کررہے ہیں، جس کی ایک مثال جواں سال شاعر گیان چند مرمکیاؔ بنگلور (ولادت: ۱۹۵۹ء) کی ہے، جن کا کلام ہندی رسائل میں شائع ہورہا ہے، دیکھئے کہ مرمکیاؔ کا یہ شعر کس قدر سادگی وشائستگی کا نمونہ ہیں:

کرنے دو مجھے صاحب ایمان کو سلام | حضرت رسولؐ پاکِ مہربان کو سلام
جب آپؐ نے انسانیت کی راہ دکھائی | انسان بھی کرنے لگے انسان کو سلام

راقم کو اس مقالے کی تیاری میں محترم ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا تعاون حاصل رہا، جس کے لئے وہ ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہے، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

• • •

(۱) چندر بھان خیالؔ ''لولاک''، فرید بک ڈپو، دہلی، مطبوعہ: ۲۰۰۲ء، ص: ۴۴۔

اقلیتوں کے حقوق
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں!

مولانا سید احمد ومیض ندوی◆

نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل دنیا میں جہاں شرک و بت پرستی کا رواج تھا، اور بے ایمانی وخدا فراموشی کا دور دورہ تھا، وہیں انسانی حقوق کی پامالی بھی بڑے پیمانے پر تھی، مختلف طبقات تھے جو ظلم و ستم کا ہدف بنے ہوئے تھے، اور کوئی ان کے حقوق ادا کرنے والا اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے والا نہیں تھا، ان سخت حالات میں دنیا میں انسانیت کے حقیقی خیر خواہ، مظلوموں و ستم رسیدوں کے مسیحا، اور انسانی حقوق سے محروم افراد کے حقوق کے علم بردار نبی آخر الزماں محمد ﷺ کی آمد ہوئی، آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری ساری انسانیت کے لئے رحمت بن کر ہوئی اور بطور خاص مظلوم طبقات اور زندگی کے حقوق سے محروم لوگوں کے لئے ایک عظیم نعمت ثابت ہوئی، نبی کریم ﷺ نے شروع سے ہی سے یتیموں، بیواؤں، غلاموں، عورتوں، پریشان حالوں، مصیبت زدوں اور خاندانی ظلم وجور سے تنگ انسانوں کی مدد کی اور ان کو جینے اور آزادی کے ساتھ رہنے کے حقوق وتعلیمات دیئے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کو ساری انسانیت کے لئے رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (الانبیاء: ۱۰۷) ''ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے'' اور آپ ﷺ نے اپنے دور آخر میں خطبۂ حجۃ الوداع میں انسانوں کو جو ایک جامع منشور اور مکمل دستور عنایت فرمایا، اس میں حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں بڑی تاکیدی ہدایات اور تعلیمات عنایت فرمائیں، آپ ﷺ کی تعلیماتِ رحمت سے دنیا کی ہر مخلوق نے فیض پایا اور ہر ایک کو ان کے حقوق ملے۔

نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کے حقوق کی جو تعلیمات بیان کی ہیں، وہ ایسی جامع اور ہمہ گیر ہیں، جو دنیا کے ہر طبقے کو اپنے دامن میں جگہ دیتی ہیں، نبی کریم ﷺ اور حقوق یہ ایک مستقل اور تفصیل طلب موضوع ہے، اس وقت

◆ استاذ حدیث وادب: جامعہ دار العلوم حیدر آباد۔

آپ ﷺ کی سیرتِ پاک کی روشنی میں اقلیتوں کو جو حقوق ملے اور نبی رحمت ﷺ نے ان کے سلسلہ میں جو گرانقدر تعلیمات اور ہدایات دیں، اس کا ایک جائزہ لیتے ہیں، اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے دنیا میں اسلام ہی وہ واحد مذہب اور پیغمبر اسلام ﷺ ہی وہ واحد شخصیت ہے جنھوں نے غیروں کے سلسلہ میں میں بڑی باریکی، دوراندیشی اور جامعیت پر مبنی تعلیمات اور ہدایات دیں ہیں، اور غیر مسلم اقلیتوں کو بھی اختیارات اور آزادی عطا کی، تنگ نظری وتعصب سے پاک، ہمدردی وخیر خواہی اور انسانی بنیاد پر بے نظیر تعلیمات کا عظیم نظام دیا۔

اقلیتوں کا مفہوم

اقلیت سے مراد وہ چھوٹا طبقہ جو مذہبی، لسانی، ثقافتی اور نظریاتی طور پر ملک کی بقیہ آبادی سے مختلف ہو اور اس وقت پوری دنیا میں کہیں نہ کہیں اقلیتیں موجود ہیں، اگر کوئی مسلم ملک ہے تو وہاں غیر مسلم اقلیت پائی جاتی ہے، اور غیر مسلم ملک ہے تو وہاں مسلم اقلیت کا وجود ہے، اسلام میں ذات، پات، قبیلہ وزبان پر کی بنیاد پر کسی قسم کی تفریق نہیں ہے، انسان تمام کے تمام اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، اسلام کے نزدیک وجہِ تفریق صرف ایمان ہے، یہی ایک بنیادی اساس ہے، دیگر مذاہب کی طرح نہیں کہ جن میں خود ان کے ہم مذہب ذات اور قبیلوں میں بٹ کر مختلف گروہوں میں منقسم ہوجاتے ہیں، جب کہ اسلامی مملکت میں اقلیتی طبقہ کو اہل ذمہ کہتے ہیں، یعنی صرف ایک ہی تقسیم یا تو مسلمان یا غیر مسلم اقلیت، اور اس غیر مسلم اقلیت میں مسلمانوں کے علاوہ سب شامل ہوجائیں گے اور اس غیر مسلم کو ذمی اور معاہد کہتے ہیں، جس سے حفاظت کا عہد وپیمان ہوتا ہے؛ چوں کہ ذمی، ذمہ سے مشتق ہے، ذمہ کے لغوی معنی عہد وپیمان، کفالت، امان وضمانت کے ہیں، فقہاء نے ذمی اور اہل ذمہ کی درج ذیل تعریف کی ہے :

وسمی أهل الذمة لدخولهم فی عهد المسلمین وأمانهم ۔ (۱)

اور اہل ذمہ کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے اور مسلمان ان سے کئے گئے عہد کے پابند ہیں، اس لئے ان کو ذمی یا اہل الذمہ کہا جاتا ہے۔

اس وقت ہر طرف اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہے، اور اقلیتوں کے حقوق سے محروم ہونے پر تحقیقات اور کمیشنوں کی بہتات ہے، جب کہ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات دیکھیں تو دنیا حیران رہ جائے گی کہ آج سے چودہ سو برس قبل محمد رسول ﷺ نے اقلیتوں کے حقوق اور ان کے فرائض سے متعلق کتنی عمدہ اور اہم تعلیمات دی ہیں۔

(۱) النہایہ فی غریب الحدیث والأثر، لابن اثیر: ۲/ ۱۶۸۔

اقلیتوں کے حقوق اور ارشاداتِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق کی اہمیت کو بیان کیا، آپ ﷺ نے تیرہ سال نبوت کے مکہ مکرمہ میں گزارے، اس دوران آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے ساتھیوں حضرات صحابہ کرامؓ کو بڑی مشقتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور ظلم وستم سہنا پڑا، اس لئے بھی آپ ﷺ کو اقلیتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کی بڑی فکر رہی اور آخر لمحہ تک اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے رہے، آپ ﷺ نے زبانی طور پر جہاں اقلیتوں کے حقوق کو بیان فرمایا وہیں عملی انداز میں ان کو پورا کر کے بتایا اور دنیا کے سامنے ایک بہترین مثال پیش فرمائی۔

آپ ﷺ نے فرمایا :

> ألا من ظلم معاهدا أو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة ۔ (۱)
>
> خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (غیر مسلم اقلیت) پر ظلم کیا، یا اس کا حق غصب کیا، یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی، یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا۔

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے گویا ایک اُصول پیش کیا کہ کبھی اور کسی دور میں کسی بھی اقلیتی فرد پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا جائے، اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے اور اس کی کسی بھی چیز کو اس کی خوشی اور مرضی کے بغیر حاصل نہ کرے، ورنہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ اس مسلمان کے خلاف اس فرد کی حمایت میں اللہ کے بارگاہ میں مقدمہ دائر کریں گے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :

> من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما ۔ (۲)
>
> جس کسی نے کسی معاہد کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ :

> ان رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الكتاب ، فرفع الى النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا أحق من وفى بذمته ، ثم أمر به فقتل ۔ (۳)

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۶۵۷۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۳۱۔ (۳) السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۴۶۳۵۔

ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا،
تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں؛
چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

یہ چند روایات اور ارشادات ہیں، جس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کے بارے میں کیسی تعلیمات دی ہیں؟ اور کس قدر ان کے حقوق کا خیال فرمایا ہے۔

اقلیتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا سلوک

نبی کریم ﷺ نے صرف زبانی طور پر اقلیتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم نہیں دی؛ بلکہ عملی طور پر آپ ﷺ نے بتایا کہ کس طرح اقلیتوں کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ کرنا چاہئے، سیرت رسول ﷺ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ کا تیرہ سالہ دورِ نبوت مسلمانوں کے لئے کس قدر جاں گسل اور صبر آزما تھا؟ آلام ومصائب کے پہاڑ توڑے گئے، ایمان والوں کے حوصلے پست کرنے اور دین سے برگشتہ کرنے کے لئے کوئی تدبیر نہیں چھوڑی گئی، مکہ کی اکثریت مسلم اقلیت پر ظلم وستم کرتی رہی، حالات بدلے اور مکہ مکرمہ سے نکالے جانے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح وکامرانی کے ساتھ مکہ میں پوری شان وشوکت کے ساتھ داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا، فتح مکہ کے تاریخی دن جب مسلمان مکہ میں داخل ہونے لگے تو جہاں ایک طرف مسلمان خوشی ومسرت سے سرشار اور فتح وکامرانی کے جذبات سے معمور تھے وہیں مکہ کے باشندے اور دشمنانِ نبیؐ وصحابہؓ پریشان تھے کہ اب نہ جانے کیا معاملہ اور سلوک ہوگا؟ اور ظلم وستم کے بدلے نجانے کس انداز پورے کئے جائیں گے؟ مسلمانوں کا قافلہ مکہ میں داخل ہوا، انصار کا جھنڈا سعد بن عبادۃؓ کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا: ''الیوم یوم الملحمۃ'' آج لڑائی کا دن ہے، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ ناراض ہوگئے اور ابوسفیان سے فرمایا: ''الیوم یوم المرحمۃ'' آج رحمت کے عام کرنے کا دن ہے۔(۱)

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مخالفین سے پوچھا: ''بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا''؟ تو انھوں نے کہا: آپ شریف بھائی اور بھتیجے ہیں، آپ سے بھی ہمیں وہی توقع ہے، اس جواب پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: ''لا تثریب علیکم الیوم ، اذھبوا فأنتم الطلقاء''(۲) یعنی تم سے آج کوئی پوچھ گچھ نہیں تم سب آزاد ہو اور پھر اس کے بعد نبی رحمت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ :

(۱) فتح الباری: ۷/۶۰۱، ط: سعودیہ۔

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر: ۱۰۷۸۴۔

من دخل دار ابی سفیان فھو امن ، ومن اغلق بابہ فھو امن ۔ (۱)
جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ لگالے وہ بھی مامون ہے۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے باضابطہ ایک تحریری معاہدہ کیا اور ایک دستور مرتب فرمایا، معاہدہ اگرچہ بنیادی طور پر انصار کے بڑے قبائل اوس وخزرج کے ساتھ تھا، مگر اس میں مدینہ منوہ کے یہودیوں اوران کے تین بڑے قبیلوں بنوقریظہ، بنونضیر، اور بنوقینقاع بھی شامل کیا گیا، یہ دستور مسلم ریاست میں غیرمسلموں کے حقوق واختیارت اور فرائض وواجبات کی اساس اور بنیاد ہے، اس دستور سے متعلق مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ رقمطراز ہیں :

اس تحریری دستاویز سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مساوی حقوق اور برابری کا درجہ دیا گیا ہے، انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، عہد شکنی اور وعدہ خلافی یکساں طور پر سب کے لئے نا قابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اسلامی ریاست کی حدود میں جان ومال اور عزت وآبرو کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی گئی۔(۲)

ابن ہشام نے اس معاہدہ کے ۴۷ اُصول کو اپنی مایہ ناز تصنیف سیرت النبی المعروف ''سیرت ابن ہشام'' کی جلد:۲،ص:۳۴۷ پر ذکر کیا ہے۔

اقلیتوں کے مختلف حقوق اور نبوی تعلیمات

یہ تو ہم نے ایک عمومی معاملہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس کا ایک مختصر تذکرہ کیا، اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں، جو بتاتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اب آیئے ایک نظر اقلیتوں کے مختلف حقوق کے سلسلہ میں سیرت نبوی کیا ہدایات اور تعلیمات دیتی ہیں، اس کو ملاحظہ کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے من حیث القوم کسی بھی اقلیتی طبقہ کو جو حقوق دیئے ہیں، یہ یقیناً عدل وانصاف کا ایک بے مثال نمونہ ہے، منصفانہ اور غیر جانبدارنہ سلوک کا بین ثبوت ہے۔

مذہبی آزادی

نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کو مذہبی آزادی دی، کسی طرح بھی ان سے مذہب کے بارے میں سختی کا برتاؤ

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر:۲۶۲۹۔ (۲) انسانی حقوق اور اسلام:۲۳۶۔

نہیں کیا؛ چوں کہ عقیدہ وایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے، کسی کو جبری طور پر اور زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا، اور اگر ایسا کیا بھی گیا تو وہ دیرپا نہیں رہ سکتا؛ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (۱)

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہوکر واضح ہو چکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا، جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

أي : لا یکرہ أحد علی الدخول في دین الاسلام فأنه بین واضح جلی دلائله و براهینه ، لا یحتاج الی ان یکرہ أحد علی الدخول فیه ۔ (۲)

یعنی کسی پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اسلام کی تعلیمات واضح، صاف اور روشن ہیں، اب اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

یہ آیت ایک انصاری ابوحصین کے سلسلے میں نازل ہوئی، ان کے دو بیٹے تھے، شام سے آنے والے نصرانی تاجروں کے کہنے پر ان لڑکوں نے نصرانیت کو قبول کرلیا اور ان تاجروں کے ساتھ ملک شام جانے کا ارادہ کرلیا، ان کے والد جو صاحب ایمان تھے، نبی کریم ﷺ کے پاس آکر شکایت کی اور درخواست کی بزور انھیں ایسا کرنے روکا جائے، (۳) حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کا ایک عیسائی غلام اسق تھا، حضرت عمرؓ اس سے کہتے کہ تم اسلام لے آؤ، تو میں مسلمانوں کے بعض اُمور میں تم سے مشورے لیتا، وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیتا، آپ اس پر یہ آیت تلاوت کرتے، (لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ) اور کچھ نہیں کہتے، (۴) نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کو یہ آزادی مذہبی اعتبار سے عطا کی، اور عملی طور پر بتایا کہ مذہبی بنیاد پر ان سے تعرض نہ کیا جائے، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے اہل نجران کو ایک خط لکھا، اس میں مذہبی آزادی کے بارے میں آپ ﷺ نے آزادی کے متعلق فرمایا :

(۱) البقرۃ:۲۵۶۔ (۲) تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۴۴، ط: قاہرہ۔

(۳) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۴/۲۵۶، ط: بیروت۔ (۴) تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۴۵، ط: قاہرہ۔

ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله صلى الله انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وبيعهم وصلواتهم لا يغيراسقف عن سقيفاه ، ولاراهب عن رهبانية ولا واقفا عن وقفاليته وكل ماتحت ايديهم من قليل أوكثير ۔ (۱)

نجران اوران کے حلیفوں کو اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی پناہ حاصل ہے، ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر وغائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اوران کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی، کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اوران کے زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔

اقلیتوں کو نبی کریم ﷺ نے جو مذہبی آزادی عطا کی ہے، یہ اس کی چند جھلکیاں ہیں، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت محمدیہ میں کس قدر انصاف اور عدل کے ساتھ دوسروں کو اپنے مذہب عمل کرنے اوراس کو اختیار کرنے کی آزادی اور چھوٹ دی گئی، اور کس کشادہ قلبی اور وسعتِ ظرفی کے ساتھ اقلیتوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا اوراس برتاؤ کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔

قانون کے نفاذ میں اقلیتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک

اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کو برابر کا درجہ حاصل ہے، یعنی جو سزا مسلمان کی ہوگی، وہی ذمی کو بھی دی جائے گی، ذمیوں کے ساتھ کسی طرح ناانصافی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی جانب دارانہ فیصلہ کیا جائے گا؛ بلکہ حقیقت کے بالکل مطابق جس سزا کا مستحق مسلمان ہوگا، اسی طرح ذمی کو بھی اسی قدر سزا دی جائے گی، اور دیوانی قانون میں بھی یکساں معاملہ کیا جائے گا، اس سلسلہ میں نبوی تعلیمات دیکھیں تو یہ حقیقت نمایاں نظر آئے گی۔

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا وہ مکتوب قابل اہمیت ہے، جو انھوں نے ایک عیسائی پادری کو لکھا تھا، جس میں انھوں نے مسلم ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق واختیارات اور فرائض وواجبات پر بڑی تفصیلی روشنی ڈالی اور ہر ایک شہری کے لئے یکساں حقوق ہونے کا ذکر فرمایا؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ :

واذا قتلتم مسلما أو معاهدا منكم أو من غيركم خطا فالدية على عواتقكم كما تكون على عواتق المسلمين ، وان قتل منكم رجل

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد: ۱/ ۳۰۸، ط: قاہرہ۔

بلا قرابة فالدية فی ماله ، واذا قتله عمدا فعلیه القصاص الا ان تشاء ورثته دية فياخذونها ۔ (۱)

اور اگر تم میں سے کسی نے مسلمان کو یا تم سے معاہدہ کئے ہوئے کسی فرد کو قتل کر دیا تو اس کے خون بہا کی ذمہ داری تم سب کی ہوگی، جیسا کہ مسلمانوں پر خون بہا کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اگر تم سے کوئی بغیر رشتہ داری والا شخص تم میں سے کسی فرد کو قتل کر دے تو دیت اس کے مال سے ادا کی جائے گی، اگر یہ قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہے تو قاتل کو بھی بدلے میں قتل کیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کے ورثاء خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبد الملک اموی نے دمشق کے کنیسہ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کرلیا، جب عمر بن عبد العزیز تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے ولید کے کنیسہ پر کئے گئے ظلم کی شکایت کی تو انھوں نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کردو :

فلما استخلف عمر بن عبد العزيز شكى النصاى اليه ما فعل الوليد بهم فى كنيستهم فكتب الى عامله يامره برد مازاده فى المسجد ۔ (۲)

مسلمانوں نے برابری اور حقوق کی ادائیگی میں اتنا پاس ولحاظ کیا اور جس کی جو جگہ تھی، انھیں دلائی اور جو کچھ زیادتی کی گئی، اس کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا :

دية اليهودی والنصرانی وكل ذمی مثل دية المسلم ۔ (۳)

کہ یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔

اقلیتوں کی ضروریات کی ذمہ داری

مسلم مملکت میں اقلیتوں کے جہاں بہت سارے حقوق ہیں، وہیں یہ بھی بطور خاص ہے کہ ان کی دیکھ بھال

(۱) اسلام میں انسانی حقوق: ۲۴۵۔ (۲) فتوح البلدان للبلاذری: ۱۷۱، ط: بیروت۔

(۳) مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۹۷، ط: بیروت۔

کی جائے اوران کے حال سے حکام واقف رہیں اوراس سلسلہ میں جوتعاون ان کو درکار ہو، ان کو بہم پہنچائیں ؛ چنانچہ سیرت نبوی ﷺ میں یہ چیز بھی بہت نمایاں ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلم اقلیت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اوراس معاملہ میں آپ ﷺ نے تعلیمات بھی دیں، حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کولکھ دیا تھا کہ: عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائدنہیں کرنا، جزیہ صرف ان پر عائد کریں، جن کے بال اُگ آئے ہوں یا بالغ ہوگئے ہوں،(۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آپؓ نے اس پوچھا کہ: تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے، اسے اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اورلوگوں کا خیال رکھو اوران سے جزیہ لینا موقوف کردو؛ کیوں کہ یہ کوئی انصاف نہیں کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اوراب بڑھاپے میں بھی ان کواسی طرح رسوا کریں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا اثر ہے کہ اسلامی مملکت میں جوغیر مسلم بوڑھا ہوجائے اور کام نہ کرسکے یا کوئی ناگہانی آفت اسے ناکارہ کردے، یا پہلے وہ دولت مند تھا، بعد میں کسی حادثہ کی وجہ سے غریب ہوگیا تو ایسے آفت رسیدہ لوگوں سے نہ صرف یہ کہ حکومت ٹیکس نہیں وصول کرے گی ؛ بلکہ ان کو ان کے اہل وعیال کو سرکاری خزانہ سے گزارہ الاؤنس بھی دیا جائے گا،(۲) نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کی اس وقت بھی امداد فرمائی، جب وہ مسلمانوں سے برسر جنگ تھے، اور مکہ میں قحط تھا، پانچ سو دینار آپ ﷺ نے بھیج کرحکم دیا کہ ابوسفیان اورصفوان بن اُمیہ اس رقم کولوگوں میں تقسیم کردیں؛ کیوں کہ کسی کی مدد کرنا اخلاق حمیدہ میں سے ہے۔(۳)

اقلیتوں کے مال کا تحفظ

سیرت نبوی ﷺ میں غیر مسلم کے مال کو بھی وہی اہمیت دی گئی، جو مسلمان کے مال کو حاصل ہے، جس طرح مسلمان کا مال قابل حفاظت سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ان کے مال کو بھی وہی حیثیت حاصل ہے، اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا اُصولی فرمان بڑی اہمیت والا ہے، آپؓ نے فرمایا: ''**لتكون دمائهم كدمائنا ، واموالهم كاموالنا**''(۴) ''ان کا خون ہمارے خون کی طرح اوران کا مال ہمارے مال کی طرح ہے'' اقلیتوں کے مال کے تحفظ کی اس قدر اہمیت بتائی گئی کہ اگر ان کے مال کو کوئی مسلمان چوری کرے تو اس کے ہاتھ اس جرم کی پاداش میں

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۳۳۔
(۲) کتاب الخراج: ۱۲۶، لابی یوسف، ط: بیروت۔
(۳) ردالمحتار: ۳/ ۳۰۲، ط: ریاض۔
(۴) نصب الرایہ: ۴/ ۳۶۹، کتاب الدیات مکتبۃ المکیۃ۔

کاٹے جائیں گے، جو کہ چور کی سزا ہے؛ چنانچہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: ''ویقطع المسلم بسرقة مال المسلم والذمی''۔(۱)

روزگار اور کاروبار کی آزادی

نبی کریم ﷺ نے ہر ایک کو جائز طور پر کمانے کی ترغیب دی اور حلال ذریعہ سے مال حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، بلا کسی تفریق آپ ﷺ نے ہر ایک کو آزادی کے ساتھ کاروبار کرنے اور روزگار کرنے کا حق دیا؛ البتہ اگر کوئی ایسا پیشہ اختیار کرتا ہے، جس کی اہلیت نہیں اور اس نااہلی کے نتیجہ میں دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے منع کیا جائے گا؛ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کو جو فن طب سے واقفیت نہیں رکھتا اور اس کے باوجود علاج و معالجہ کرے تو مریض کو پہنچنے والے نقصان کا ضامن قرار دیا: ''من تطبب ولم یعلم منه طب قبل ذلک هو ضامن''(۲) اسی طرح غیر مسلم کو ملازمت کے لئے بھی رکھا جا سکتا ہے اور ان کے علم و ہنر سے فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہجرت کے موقع پر ایک غیر مسلم کو دلیل (راہبر) کے طور پر استعمال فرمایا۔(۳)

ایک تجزیہ

بہر حال نبوی تعلیمات اور اُسوۂ رسول اکرم ﷺ میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو ہر طرح سے حقوق دیئے گئے، شخصی، اجتماعی، معاشی، قومی، سماجی ہر ایک حق انھیں دیا گیا اور دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر نظام اور ادائیگی حقوق کے سلسلہ میں ایک بے مثال نمونہ آپ ﷺ نے پیش فرمایا، دنیا ہر دور میں ان ہی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اقلیتوں کو حقوق فراہم کر سکتی ہے اور باہمی رواداری کو برقرار رکھ سکتی ہے۔

عصر حاضر کے ایک نامور مصنف اور سیرت النبی ﷺ کے ایک عظیم محقق محترم پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

> تفصیلات میں جائے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ تمام یہودی، عیسائی، عرب اور مجوسی اقلیتوں کو بنیادی حق کے علاوہ ان کو دوسرے تمام حقوق حاصل تھے، جیسے شخصی اور اجتماعی آزادی کا حق، دینی و مذہبی حقوق، جن کے تحت وہ اپنے تمام دینی فرائض انجام دیتے اور اپنے معابد و مدارس کا انتظام کرتے تھے، سماجی حقوق، جن میں نکاح و طلاق

(۱) المغنی لابن قدامہ: ۱۲/۴۵۱، ط: ریاض۔

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۴۶۵۔

(۳) احکام اہل الذمۃ: ۱/۵۶۱، ط: سعودیہ۔

اوردوسرے معاشرتی معاملات میں وہ آزاد تھے، اقتصادی و معاشی حقوق جیسے تجارت وزراعت، حرفت واُجرت کے علاوہ متعدد دوسرے مشاغل وہ اختیار کر سکتے تھے، حتیٰ کہ وہ بسا اوقات محض اپنی مالی برتری اور بہتر معیشت کے سبب مسلمانوں اوررسول اکرم ﷺ کا استحصال تک کرتے تھے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو مکی مسلمانوں کی اقلیت سے زیادہ حقوق، بہتر مراعات اور وسیع تر آزادی وخودمختاری حاصل تھی، محض اس بنا پر کہ اس کے سربراہ رحمۃ للعالمین تھے اوران کی ریاست ایک فلاحی ریاست تھی۔

● ● ●

مسلم اقلیت اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا شکیب احمد قاسمی ◆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت جس دور اور جس زمانے میں ہوئی ہے، وہ دور تاریخ انسانی کا نہایت ہی تاریک ترین دور تھا، چہار دانگ عالم میں ظلم وستم، قتل وغارت گری، سفا کی وخونریزی اور حشت بربریت کی گرم بازاری تھی، ہرایک کی مجرمانہ نگاہ دوسرے کے لئے خوف وہیبت اور بے اطمینانی کا پیغام تھی، ایسے ماحول میں ایک ایسے محسن انسانیت کی بعثت ہوئی، جنھوں نے اپنے مصلحانہ و پاکیزہ کردار، بے داغ زندگی اور بے مثال طرز تمدن کے ذریعہ پورے معاشرے کی تطہیر کی، انھوں نے گھناؤنی فضا، گندے ماحول، اور قلب وجگر کے چین وسکون کو سلب کردینے والے طرز معاشرت کو معطر فضا، صالح ماحول اور دل ودماغ کے چین وسکون کو باد بہاری میں تبدیل کردیا اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن وامان کا نقیب بن کر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی اور پھر آپ نے انسان کو ہر زمانے اور ہر ماحول میں اس کی زندگی کے لئے ایسے اخلاقی وعملی ہدایات دیئے، جو ہر حال میں یکساں اور مناسب نظر آتی ہیں، اور دنیا کو بتایا کہ تم سب انسان ہو، سب انسان برابر ہیں، نہ کوئی ذلت کا داغ لے کر پیدا ہوا ہے، نہ کوئی عزت کا تاج لے کر، بزرگی اور کرامت وشرافت کا معیار خدا ترسی اور تقویٰ ہے، محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی اور ان کے تمام اقوال واعمال پوری انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہیں، اور آپ کی سیرت میں دنیا کی تمام بحرانی کیفیت کا حل موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہی قائدین ومتبوعین، حکام ومحکومین کے لئے رشدوہدایت ہے، اسی میں سیاست وحکومت، دولت واقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لئے اُسوۂ ونمونہ ہے۔

آج جب کہ مسلمان اس منہج ربانی سے دور ہٹ کر ظلم وستم اور جہل وپسماندگی کا شکار ہے، ان کے لئے کیا ہی بہتر ہوگا کہ وہ ہوش کے ناخن لیں اور اس فکری متاع کو اپنی زندگیوں میں اُتار لیں، اسی میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہے، اس تحریر کا عنوان ''مسلم اقلیت کے لئے اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے، جس میں اُسوۂ نبوی میں مسلم اقلیت کے لئے نشان راہ کی جستجو کی گئی ہے۔

◆ استاذ: دارالعلوم وقف دیوبند، یوپی۔

اقلیت کا مفہوم

اقلیت اکثریت کی ضد ہے اس کی جمع اقلیات آتی ہے۔(۱)

ڈاکٹر حافظ محمد غانم نے اقلیت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: اقلیت کسی ملک کے باشندوں کی وہ جماعت ہے، جو اپنی قومیت یا اپنی زبان یا اپنے مذہب میں اس ملک کے اکثریتی باشندوں سے مختلف ہو۔(۲)

اقلیت کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے: اقلیت ملک کے ان افراد کی جماعت ہے، جن کو اقتدار یا غلبہ حاصل نہ ہو، ملک کی شہریت تو اسے حاصل ہو؛ البتہ وہ قومیت یا مذہب یا زبان میں پوری قوم سے مختلف ہو اور اپنی ثقافت اپنی روایات اور اپنی مخصوص زبان کے تحفظ کی خواہاں ہو۔(۳)

ڈاکٹر وائل احمد علاّم کے مطابق اقلیت کسی ملک میں موجود ہم وطنوں کی وہ جماعت ہے جو تعداد میں کم ہو، اس ملک میں وہ غیر مقتدرانہ صورت حال میں ہو، وہ کچھ ایسی نسلی یا مذہبی یا لسانی خصوصیات کی حامل ہو، جو ملک کے اکثریتی باشندگان کی خصوصیت سے مختلف ہوں، ان کے درمیان یک جہتی کا وہ احساس پایا جاتا ہو، جسے ایک منفرد جماعت کی حیثیت سے باقی رہنے کی اجتماعی قوت ارادی کی موجودگی تقویت پہنچاتی ہو اور ان کا مقصد عملی اور قانونی اعتبار سے اکثریت کے ساتھ ساتھ مساوات کا حصول ہو۔(۴)

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ محمد اقلیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اقلیت ایک ایسے انسانی گروہ کا نام ہے جو قومی، نسلی، مذہبی یا لسانی بنیاد پر متحد ہو اور ملک میں موجود دوسرے بااختیار گروہوں سے مختلف ہو۔(۵)

بہر حال ان تمام تعریفات کے خلاصہ کے طور پر اقلیت کی جو تعریف کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے: اقلیت سے مراد کسی ملک کے باشندوں کی ایسی جماعت ہے جو مغلوب ہو، دیگر باشندوں کے مقابلے میں تعداد کم ہو، اور جماعت کے افراد ایک دوسرے سے نسلی، مذہبی، لسانی یا ثقافتی لحاظ سے مربوط ہوں، اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہوں۔

حیاتِ طیبہ، مسلم اقلیت کیلئے ایک نمونہ

اقلیت کی اس تعریف کے بعد آیئے ہم غور کرتے ہیں، مسلم اقلیت چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کے لئے سیرت نبوی ﷺ میں کیا پیغام ملتا ہے۔

(۱) المعجم الوسیط، ص: ۷۸۵۔ (۲) مبادی القانون الدولی العام، دار النھضہ العربیہ، القاہرہ، طبع سوم: ۱۹۷۲ء، ص: ۵۲۳۔

(۳) المرکز الدولی للاقلیات فی القانون الدولی العام، منشاۃ المعارف الاسکندریہ: ۱۹۹۰ء، ص: ۸۶۔

(۴) حمایۃ حقوق الاقلیات فی القانون الدولی العام، طبع دوم، ص: ۲۰۔ (۵) فقہ الاقلیات، ص: ۱۶۔

رحمت اللعالمین محمد عربی ﷺ کی حیات طیبہ کو تین ادوار پر تقسیم کیا جاسکتا ہے :

(۱) پہلا دور بعثت ونبوت سے قبل چالیس سال۔

(۲) دوسرا دور بعثت ونبوت کے بعد سے فتح مکہ تک۔

(۳) تیسرا دور فتح مکہ سے اخیر تک۔

پہلے دور میں پورا قریش آپ پر جاں نثار تھا، تمام لوگ آپ کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے، آپ ﷺ کی شناخت آپ کی صداقت وامانت، شرافت و پاکیزگی، تواضع وانکساری اور تقویٰ و پاکبازی تھی، مکہ کا ہر شخص آپ کی شرافت و پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق کا قائل تھا، اور آپ کو عام طور پر صادق وامین کہا جاتا تھا۔

حِلفُ الفُضُول

آپ کا اکثر وقت عبادت خدا اور بنی آدم کی فلاح وبہبود اور خیر اندیشی میں مصروف رہتا تھا، ان ہی دنوں آپ ﷺ نے اکثر قبائل کے سرداروں اور باشعور لوگوں کو ملک کی بدامنی، راستوں کے خطرات، مسافروں کا لٹنا، غریبوں کمزوروں اور زیردستوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کرکے ان کی اصلاح کی جانب توجہ دلائی، ان سب برائیوں کی اصلاح کے لئے بالآخر ایک کمیٹی تشکیل پائی، جس میں بنو ہاشم، بنومطلب، بنواسد بن عبدالعزی، بنوزہرہ بن کلاب، اور بنوتمیم بن مُرّہ شامل ہوئے، اور سب نے مل کر آپس میں یہ عہد و پیمان کیا، مظلوم ومسافر خواہ کہیں کا بھی ہو، اس کی مدد کرنی ہے، بدامنی کو دور کرکے زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم کرنے سے روکنا ہے۔

شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں، اور اگر دور اسلام میں اس عہد و پیمان کے لئے بھی مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔(۱)

اگر بنظر غائر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس معاہدے کی روح عصبیت کی تہہ سے اُٹھنے والی جاہلی حمیت کے منافی تھی، جس میں ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کا اعلان تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشرہ سے ظلم وجور کو دور کرنا، مظلوموں کی دادرسی اور کمزوروں کو انصاف دلانا اُسوۂ نبوی اور فریضۂ مومن ہے، ہم جس ملک میں بھی رہتے ہوں، وہاں کی ایسی قومیں جو امتیاز اور طبقاتی عدم مساوات کا شکار ہیں، ان کو ظلم وجور سے نجات دلائیں، اور ان کی مدد کے لئے کوئی حلف الفضول قائم کریں۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۳۳-۱۳۵، البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۹۱-۲۹۳۔

کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کا تنازعہ

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اس کے مقام تک اُٹھا کر رکھنے میں قریش میں سخت اختلاف پیدا ہوا، جس کی بناء پر ان کے درمیان خون ریز جنگ چھڑنے والی تھی، وہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا، اور آپ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا، قریش کے سرداروں کی نظر جب اس ہاشمی نوجوان پر پڑی تو سب نے بیک آواز ہوکر کہا: ''هذا محمدنا الامین رضیناه هذا محمدنا الامین'' (یعنی یہ محمد امین شخص ہیں، ہم ان سے خوش ہیں، یہ امین ہیں)۔(۱)

اور سب نے آپ ﷺ کے حکیمانہ فیصلے کو قبول فرمایا، اس طرح ایک خوں ریز جنگ چھڑتے چھڑتے رہ گئی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے تدبیر سے کام لیتے ہوئے اس کی تحکیم کے لئے چادر منگائی، اس میں پتھر رکھ کر ہر قبیلہ سے ایک ایک نمائندہ کو طلب فرمایا؛ تا کہ سب مل کر یہ چادر تھامیں؛ چنانچہ سب نے مل کر چادر اُٹھائی، اور جب چادر اس مقام کے قریب آ گئی جہاں پتھر نصب کرنا تھا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ سماج میں اختلاف کو خوش تدبیری اور ذہانت سے حل کرنا چاہئے اور اس انداز میں کہ ہر طبقہ کی دلداری و دل جوئی ہو۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ ابتداء ہی سے بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، آپ ﷺ اصابت فکر، دور بینی اور حق پسندی کا بلند معیار تھے، آپ ﷺ کو حسنِ فراست، پختگیٔ فکر اور وسیلہ ومقصد کی درستگی سے حظ وافر عطا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھے، ان سے سخت بیزاری محسوس کی، آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا۔

اور اس دوران تمام لوگوں کے درمیان آپ ﷺ کی شخصیت صاف ستھری، بلند پایہ اور مقبول ترین تھی۔

آپ ﷺ کی زندگی کا دوسرا دور

آپ ﷺ کی زندگی کا دوسرا دور بعثت ونبوت کے بعد سے فتح مکہ تک کا ہے، اس دوسرے دور میں آپ ﷺ کی زندگی کے دو پہلو ہیں، پہلا مکی زندگی کا پہلو، اور دوسرا مدنی زندگی کا پہلو، اور فتح مکہ تک یہ مکمل ۲۱ سال کا عرصہ ہے، اس عرصہ میں آپ ﷺ کی مکی زندگی کا دور خصوصیت سے اقلیتوں کے لئے عملی نمونہ ہے، جس میں اقلیتوں کے لئے بے شمار تعلیمات پنہاں ہیں۔

---

(۱) ابن ہشام: ۱/ ۱۹۲-۱۹۷۔

(۲) ابن ہشام: ۱/ ۱۹۲-۱۹۷۔

مکی زندگی

اسلام کی تبلیغ کی ابتداء جس معاندانہ ماحول میں ہوئی، وہ تاریخ انسانی کی دردناک؛ لیکن تابناک مثال ہے، جب کوہ صفا سے انسانیت کو انقلاب آفریں آواز پہنچی تو صورت حال یکسر بدل گئی، ادھر آپ ﷺ کو حکم باری ہوا کہ ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' (۱) آپ ﷺ نے پہلے اپنے قریب ترین لوگوں پر یہ واضح کردیا کہ اب رسالت کی تصدیق پر تعلقات موقوف ہیں، اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں، وہ اس خدائی انذار کی حرارت میں پگھل کر ختم ہوچکی ہے۔

ابھی یہ آواز گونج ہی رہی تھی کہ: ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ'' (۲) کا ایک اور حکم نازل ہوا، اس حکم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے گلی کوچوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کردی، اور شرک کے خرافات واباطیل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واشگاف کرنا شروع کردیا، ایک ایسی آواز سن کر جس میں مشرکین اور بت پرستوں کو گمراہ کہا گیا تھا، غیض وغضب سے پھٹ پڑا، گویا بجلی کا کڑکا تھا، جس نے ان کے پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، ان کو اپنی آزادخیالی بے مہار زندگی اور مذہب وقانون کی بندشوں سے بے پرواہ رہنے جیسی عادت کے لئے اسلام اور بانیٔ اسلام دشمن نظر آنے لگے، اور انھیں یہ لگنے لگا کہ ان کی پشتینی رسم ورواج کا صفایا ہوجائے گا؛ چنانچہ وہ اس انقلاب کی جڑ کاٹنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسلام اور اسلام کے نام لینے والوں کا نام ونشان مٹانا انھوں نے اپنا مقصد زندگی بنالیا؛ لیکن ان کی شدید ایذارسانیوں کے باوجود آپ ﷺ صبر وثبات کے ساتھ تصادم سے گریز کرتے ہوئے تبلیغ دین میں مصروف رہے، اور شاید اللہ کو بھی یہ بات منظور تھی کہ آپ ﷺ کو آزمائشوں کی بھٹی میں تپا کر، عسرتوں کی راہ سے گذار کر ان لوگوں کے لئے بھی آپ کی حیات طیبہ کو اُسوہ بنایا جائے، جو زندگی کے مشکل ترین حالات گذار رہے ہیں، آپ ﷺ کی مکی زندگی خصوصاً ان لوگوں کے لئے اُسوہ، جو کسی بھی ملک میں اقلیت میں ہیں۔

موجودہ جمہوری نظام مملکت میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود نظام حکومت میں شریک وسہیم ہیں، قانوناً انھیں اپنے مذہبی اور عائلی مسائل کو اپنے مذہب کی تعلیمات کی روشنی میں انجام دینے کی اجازت ہے، مکی حیات نبوی میں آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مذہبی اُمور وشعائر کے انجام دینے کی اجازت نہیں تھی، پورا قریش آپ کی صداقت کا قائل ہونے کے باوجود آپ کا اور آپ کے اصحاب کا مخالف تھا، موجودہ جمہوری نظام سلطنت میں اقلیت عملی نہیں تو فکری مظالم کا ضرور شکار ہے۔

---

(۱) الشعراء:۲۱۴۔ (۲) الحجر:۹۴۔

اس لئے وہ مسلم اقلیتیں جو اپنے ملک میں کسی بھی طرح کی مظلومانہ زندگی گذار رہی ہیں، ان کے لئے آپ کی مکمل مکی زندگی تو اُسوۂ ہے ہی؛ لیکن وہ اقلیتیں جو جمہوری نظام مملکت میں رہتی ہیں، ان کے لئے بھی آپ ﷺ کی مکی زندگی میں بہت سے پیغام ہیں۔

صبر وتحمل اور اشتعال وتصادم سے گریز

آپ کی مکی زندگی کا سب سے اہم وصف صبر وتحمل ہے، آپ کی مکی حیات ہمیں بتاتی ہے کہ آپ نے اشتعال وتصادم سے گریز کرتے ہوئے پوری مکی حیات میں صبر کا دامن تھامے رکھا؛ حالاں کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ بے جا زیادتیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اور ایسی زیادتیاں کہ جسے سن کر روح کانپ اُٹھے۔

مستدرک میں حاکم نے نقل کیا ہے کہ ایک روز آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے، جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر اس کو کھینچنا شروع کیا، ایک موقع پر جب آپ نماز میں مصروف تھے تو ابوجہل کے اشارے پر اونٹ کی اوجھڑی آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ڈال دی گئی، آپ کو شاعر، مجنون، ساحر، اوروں سے سن سن کر افسانے بنانے والا، قوم میں پھوٹ ڈالنے والا، مکہ کو اُجاڑنے والا، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو ماں سے جدا کرنے والا کہا گیا، نبوت کے چھٹے سال ایک روز آپ ﷺ خانہ کعبہ میں وعظ فرما رہے تھے تو ابوجہل نے وہاں پہنچ کر آپ کو گالیاں دیں، بری طرح ستایا؛ لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، بے بسی کے ساتھ گھر واپس ہو گئے۔(۱)

آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھائے گئے، راہ چلتے آپ کے سر مبارک پر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا؛ لیکن آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے اُف تک نہیں کی، صبر کے ساتھ ان کے مظالم سہتے رہے، اور ابلاغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے، پیغام ربانی کو پہنچانے کے لئے آپ ﷺ طائف پہنچے تو اُمید کے برخلاف وہاں کے لوگوں نے درشت مزاجی سے آپ کا استقبال کیا، آپ ﷺ کا استہزاء وتمسخر کیا گیا، آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ آپ لہولہان ہو گئے، آوارہ گردوں کی ٹولی آپ ﷺ کے پیچھے لگا دی گئی؛ لیکن اتنے شدید مظالم کے باوجود آپ ﷺ مایوس نہیں ہوئے، آپ ﷺ کو یقین تھا کہ وہ اس سیدھی راہ پر نہیں آئے تو ان کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لائیں گی؛ اس لئے آپ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کے بجائے دردانگیز دُعا مانگی۔(۲)

آپ ﷺ پر اتنے شدید مظالم کے علاوہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی سخت آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس کا کوئی قبیلہ

(۱) سیرۃ النبی: ۱/ ۲۲۳۔ (۲) بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ، حدیث: ۳۲۳۱۔

نہ تھا، ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جور وستم روا رکھے تھے، جنھیں سن کر مضبوط انسان کا دل درد سے تڑپنے لگتا ہے، اس کی بھی متعدد مثالیں تاریخ کے اوراق میں ملتی ہیں۔

حضرت عمرؓ اور آپ کے گھر والے اسلام لائے تو اسلام کی قوت بڑھی، مسلمان اب تک چھپ کر اپنے گھروں میں نماز ادا کیا کرتے تھے، اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے، اس سے کفار کا اشتعال اور بھی بڑھا، انھوں نے بنو ہاشم کا مقاطعہ (بائیکاٹ) شروع کر دیا، ان سے رشتے ناطے، لین دین بند کر دیئے، ان کا گلیوں میں نکلنا روک دیا، رسول اللہ ﷺ نے مجبوراً گھر بار چھوڑ کر فدائیوں کے ساتھ شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں پناہ لی، یہاں تین برس تک پناہ گزیں رہے، کھانے پینے کے سامان کی کمی کی وجہ سے بچے بھوک سے بلکتے، پناہ گزیں پتیاں کھا کھا کر صبر واستقلال سے دن کاٹتے رہے، تین سال تک یہی صورت حال رہی، تین سال بعد انھیں گھر آنے کی اجازت ملی۔(۱)

حضرت بلالؓ کو ان کے آقا اُمیہ بن خلف نے گرم ریت پر لٹایا، تپتا ہوا پتھر ان کے سینے پر رکھا، ان کی مشکیں باندھ کر ستایا، ان کی گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی پہاڑیوں میں گھسٹوایا، ان تمام مصیبتوں میں ان کی زبان سے صرف اَحد اَحد کے نعرے نکلتے رہے، حضرت عمار بن یاسرؓ بنومخزوم کے غلام تھے، انھوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی، مشرکین — جن میں ابوجہل پیش پیش تھا — سخت دھوپ کے وقت انھیں پتھریلی زمین پر لے جا کر اس کی تپش سے سزا دیتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آل یاسر صبر کرنا، تمہارا ٹھکانا جنت ہے'' آخر کار یاسرؓ ظلم کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے اور حضرت سمیہؓ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کی شرمگاہ میں ابوجہل نے نیزہ مارا، اور وہ دم توڑ گئیں، یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں، علاوہ ازیں حضرت عمارؓ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا۔(۲)

اس کے علاوہ ابتداء اسلام میں صحابہ کرامؓ پر ظلم وستم کی ایک لمبی داستان ہے، ابوجہل کا حال یہ تھا کہ جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے برا بھلا کہتا، ذلیل ورسوا کرتا اور مال وجاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی اس پر برانگیختہ کرتا۔(۳)

ان حالات کو دیکھ کر آپ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ بے چین ہو کر تڑپ اُٹھتے؛ لیکن ان سب کے باوجود آپ ﷺ نے کوئی اقدام نہیں کیا، بعض صحابہؓ نے تنگ آکر جہاد کی اجازت چاہی؛ لیکن آپ ﷺ صبر وتحمل ہی کی تلقین اور ترغیب فرماتے رہے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۳۹۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۱۹-۳۲۰۔ (۳) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۲۰۔

اس مکی دور میں کبھی آپ نے خانہ خدا کو آلائش اصنام سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کی، اس لئے کہ اس وقت اشتعال وبے صبری کی ایک چنگاری بھی اس گھروندے کو خاکستر کرسکتی تھی؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہر جگہ سپر انداز ہوجائیں، صبر کے نام پر بزدلی اور ضمیر فروشی کا ثبوت دیں، اور دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنے مذہبی تشخصات سے ہاتھ دھولیں، اس کا نام مداہنت ہے، اور یہ بھی نہ ہو کہ قانون کو بالائے طاق رکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کریں؛ بلکہ ایسے موقع پر صبر کے ساتھ اعتدال کے وصف کو اپنائیں۔

استقامت علی الدین اور مذہبی بقاء

آپ ﷺ کے اس مکی دور سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دین کے وجود و بقا اور دین پر استقامت کے لئے ممکنہ وسائل کو اختیار کریں، اور استقامت علی الدین کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں، کتنے ہی مظالم سہنے پڑیں؛ لیکن دین و مذہب کا ساتھ نہیں چھوٹنا چاہئے، کفار کی ظالمانہ اذیتوں کے باوجود ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے کہ اس نے دین میں داخل ہونے کے بعد روگردانی کی ہو، اس کی شہادت خود ابوسفیان نے نجاشی کے دربار میں دی، استقامت علی الدین کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے آئین دستور کے حدود میں رہتے ہوئے مواقع سے فائدہ اُٹھائیں، اور اس میں کوتاہی نہ برتتے ہوئے جانی تحفظ کے ساتھ ساتھ مال و معاش، تہذیب وتمدن، کلچر وثقافت، مذہبی اقدار وروایات، اور حقوق کا قانونی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے تحفظ کریں۔

اخلاق

آپ ﷺ کے مکی دور حیات کا سب سے نمایاں وصف بلند کردار، اعلیٰ اخلاق اور بے داغ زندگی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے کوہ صفا سے اعلان نبوت فرمایا تو وہ قریش جن کے سامنے آپ کے شب وروز تھے، جو آپ کے اخلاق ومعاملات کو پرکھ چکے تھے، استفسار پر سب نے بیک زبان آپ کے صادق وامین ہونے کی شہادت دی، اور مکہ میں شدید مخالفت کے باوجود اہل مکہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس ہی رکھنا مناسب سمجھتے تھے؛ چنانچہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو اپنے جانی دشمنوں کی امانتوں کو ان تک پہنچانے کے لئے بظاہر حضرت علیؓ کو بھی خطرہ میں ڈال کر دشمن کے عہد وپیمان کا پاس ولحاظ کیا، اور یہی حالت آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی تھی، جو اپنے کردار کی پختگی میں ممتاز ونمایاں حیثیت کے حامل تھے، جس طرح آپ ﷺ امانت ودیانت، خوش معاملگی، صدق وراستی اور وفاشعاری کا نمونہ تھے اسی طرح اور اسی سانچے میں آپ نے صحابہؓ کو بھی ڈالا تھا، یہی وجہ تھی کہ ہزار استفسار کے باوجود ابوسفیان ہرقل کے دربار میں آپ ﷺ کی کوئی اخلاقی کوتاہی نہ بیان کرسکے۔(۱)

(۱) بخاری، کتاب الوحی، حدیث نمبر: ۷۔

تمام مسلمانوں کے لئے اور خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو کسی ملک میں اقلیت میں ہیں اور ان میں بھی وہ اقلیات جو جمہوری ممالک میں قیام پذیر ہوں، ان کے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ عام لوگوں کے مقابلے اپنی اخلاقی سطح کو بلند رکھیں، ان کے اخلاق اس درجہ نمایاں ہوں کہ وہ واضح طور پر محسوس کئے جائیں، جب تک صورت حال تبدیل نہیں ہوگی، تب تک ہمیں اپنی ہمسایہ قوموں کی محبت حاصل نہیں ہو پائے گی۔

دینی تعلیم وتربیت

ایمان واسلام قبول کرنے والوں کی سب سے بڑی دینی ضرورت ان کی دینی تعلیم وتربیت تھی، جو انھیں ان کے فرائض سے آگاہ کرتی تھی، اور یہی اسلام کی تعلیم کا آغاز تھا؛ لیکن اس کے لئے مراکز تعلیم کی تشکیل کا کام اہم تھا، مراکز تعلیم وتربیت دو طرح کے تھے، ایک عام مسلمانوں کے گھروں میں اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی، جس کی مثال آپ ﷺ کا بیت مبارک تھا، جس میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ وغیرہ کو تعلیم دی گئی تھی، دوسرا مرکز تعلیم حضرت عمرؓ کے بہن وبہنوئی، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطابؓ کا خانہ مبارک تھا، جہاں حضرت خباب بن ارتؓ ان دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھاتے تھے، جن کو سن کر حضرت عمر اسلام لائے تھے، ان کے علاوہ تمام اہم صحابہ کرامؓ بالخصوص تعلیم یافتہ حضرات کے گھر دینی تعلیم کے مراکز تھے، پھر اس کے بعد دار ارقم پہلا اجتماعی مدرسہ ومرکز تھا، جو اس اقلیتی دور میں نبوت کے دوڈھائی سال بعد تعلیم وتربیت کے لئے آباد ہو گیا تھا۔

اسی مقام پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اس مرکز کی ایک امتیازی حیثیت بن گئی، جس سے بے شمار صحابہ کرام نے اسلامی تعلیم وتربیت پائی، اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں بھی اسلامی تعلیم تربیت کے مراکز قائم کر کے تعلیمات اسلامی کو عام کیا جائے۔

ابلاغ دین

سخت اذیتوں کے باوجود ان حضرات نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، توحید کا پیغام پہنچاتے رہے، شرک وبت پرستی سے لوگوں کو روکتے رہے، اور دعوت الی اللہ کے لئے کسی خاص طریقہ پر اکتفا نہیں کیا، نہ کسی اجتماع میں ابلاغ دین سے حجاب فرمایا، صفا کی پہاڑی پر، دیوار کعبہ کے سائے میں، مکہ کی گلیوں میں، عکاظ کے میلوں میں، طائف کے بازاروں میں، حج اور مقامات حج میں، ہر جگہ، ہر مقام میں زبان وبیان سے اور جہاں ضرورت ہوتی وہاں تحریر وقلم سے اِبلاغ دین کا فریضہ انجام دیا، اور ہمیشہ اپنے مقصدِ دعوت کو پیش نظر رکھا،

ہم جس ملک میں اور جس حالت میں بھی رہیں، وہاں کے قانونی دائرے میں رہتے ہوئے تمام ممکن وجائز ذرائع ووسائل سے کام لیتے ہوئے اسلام کے پیغام کو پہنچانا آپ ﷺ کے اس اقلیتی دور کا سب سے بڑا پیغام ہے، جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں اور مظلوم ہوں اور وہ ایسی اجتماعی تنظیمی قوت کے مالک نہ ہوں کہ ان کا مقابلہ کرسکیں، اور ان سے جہاد کرسکیں، جب بھی ان کے لئے دو ہی راستے ہیں، دعوت دین اور جب دعوت کا حق ادا کرنے کے بعد لوگ قبول نہ کریں اور وہاں اپنے آپ کو ایمان پر باقی رکھنا مشکل ہو تو اس صورت میں ہجرت!

دعوت دین مسلمانوں کے لئے نصرتِ حق کی کلید اور اعداء دین کے لئے خدائی مواخذہ کا سبب ہے، بدر کے میدان میں مسلمانوں کی بے سروسامان، فاقہ مست، مقدار کے اعتبار سے قلیل فوج کا مکہ کے غرق اسلحہ وآہن کثیر تعداد سورماؤں پر غلبہ حاصل کرنا اللہ کی طرف سے دعوت کا حق ادا کئے جانے کے باجود قبول اسلام سے انکار کرنے والوں کا مواخذہ تھا۔

آپ ﷺ کی مکی زندگی سے مجموعی طور یہ پیغام ملتا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے حق وصداقت کے موقف پر مکمل یقین واعتماد کے ساتھ جمنا چاہئے، اور انھیں پورے وثوق سے حق کی دعوت دینی چاہئے، اہل وطن سے خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر وخیال اور مذہب کے ماننے والے ہوں، اخلاق ومحبت، خیرخواہی و ہمدردی کا برتاؤ ہونا چاہئے، اور ہمیں چاہئے کہ ہم معاشرے کے سامنے اپنے اعلیٰ کردار وعمل، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت اور اخلاص وخیرخواہی کے ذریعہ بلند پایہ اخلاقی اقدار اور روایات وآداب کا مظاہرہ کریں۔

مدنی زندگی

آپ ﷺ کی مدنی زندگی مکی زندگی سے مختلف نقشہ پیش کرتی ہے، مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی حیثیت مختلف ہوگئی تھی، مکہ میں مسلمان ایک اقلیت کے طور پر رہ رہے تھے؛ لیکن یہاں انھیں اکثریت حاصل تھی، یہاں مواخات کے طرز عمل نے مسلم معاشرے کو استحکام بخشا، اور ہر جارحیت کے خلاف مجتمع ہونے میں تقویت بخشی، یہاں مسلمان اکثریت میں ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بن چکے تھے، اور یہاں آپ نے جو مختلف معاہدے کئے ان کا مجموعہ میثاق مدینہ (دستور مدینہ) کے نام سے مشہور ہوا، غیر مسلم طبقات وقبائل نے آپ ﷺ کی سیاسی قیادت وحکمرانی تسلیم کرلی، آپ ﷺ نے ہجرت کے چند ماہ بعد جو دستاویز مرتب فرمائی، وہ آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا معاشرتی دستور تھا، جس میں شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور فرد کو اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل تھا، اس سے انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت ملی، ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی اس میں رہنے والوں کے لئے امن کا گہوارہ بن گئی۔

آپ کے مدنی مواخاۃ اور دوسرے سیاسی اقدامات کے بعد ایک وسیع تر اسلامی امت کا سلسلہ چل نکلا، یہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہوگئی تھی؛ لیکن اس کے باوجود وہاں کی اقلیت یعنی یہودی قبائل وطبقات کو وہ تمام سماجی دینی، اور تمدنی حقوق دیئے، جو مکی دور کے مسلم اقلیت نے وہاں کی اکثریت یعنی قریش سے طلب کئے تھے، مدینہ کی اقلیت کو جو حقوق دیئے گئے، اسے دنیا بھر سیاسی دستور اور نظام نے ہر جگہ تسلیم کیا، ان میں سب سے اہم جان ومال اور آبرو کی عزت وتحفظ کا حق تھا، دیت وقصاص کے معاملات حسب دستور قبائل انجام دئے گئے۔

غرضیکہ مدینہ کی اکثریت نے وہاں کی اقلیت کا ہر حال میں احترام ملحوظ رکھا، مسلم اکثریت کا دور ایک تاریخ ساز دور ہے، اور مسلم اکثریت کا عنوان اپنے اندر بہت سے پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہیں، اور یہ ایک مستقل عنوان کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ زیر بحث عنوان سے مختلف ہے۔

خلاصہ یہ کہ خریطہ عالم میں کہیں مسلمانوں کی پوزیشن مکی دور حیات کی ہے، اور کہیں مدنی دور حیات کی، کہیں مسلمان اقل القلیل ہیں تو کہیں اکثر الکثیر؛ لیکن ان سب کے لئے زندگی کے ہر شعبہ حیات میں رسول اکرم ﷺ کے اقوال واعمال اور تقاریر اور صحابہ کرام کے اقدامات، معمولات اور سنن نمونہ حیات ہیں، اس وسیع کائنات میں تمام مسلم اقلیتوں کو اپنے اپنے اختلاف احوال اور تنوع معاملات کے مطابق عمل کرنا ہے، ان میں سے کچھ احوال ومعاملات مشترکہ اور آفاقی ہیں، جن میں تمام مسلم اقلیتیں ان کی امین ہیں، اور کچھ میں ان کے ظروف زمان ومکان اور اسباب نے فرق پیدا کر دیا ہے، مکی ومدنی حیات طیبہ اور حکمت نبوی ﷺ اس جہاں رنگ وبو میں آباد مسلم اقلیتوں کے لئے راہنما خطوط اور لائحہ عمل متعین کرتی ہے، ضرورت ہے ایمانی بصارت وفراست کی۔

• • •

بنیادی انسانی حقوق اور خطبہ حجۃ الوداع

مولانا محمد عبد القوی صاحب ◆

انسان

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے، اسی نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی پیدا فرمایا؛ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا وابونا آدم علیہ السلام کے جسدِ خاکی کو تیار فرمایا تو اسی جسد کی بائیں پسلی سے ان کی زوجہ حضرت حوّا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کی جانب نظر کی تو اُنھیں اپنے ہی جسم کے ایک حصے سے بنی حوّا کی طرف قلبی التفات اور طبعی اُنس و یگانگت محسوس ہوئی، گویا اسی اُنسیت کی وجہ سے یہ مخلوق اور اُس کی ذریت انسان کے نام سے موسوم ہوئی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اکثر مخلوقات پر شرف وفضیلت عطا فرمائی، سب سے پہلے تو یہی کہ اس مخلوق کو اپنے ہاتھوں سے — جو بھی مراد ہو — پیدا فرمایا، جب کہ ساری مخلوق کو حکم کُن سے پیدا کیا؛ پھر تمام مخلوقات کے مقابلے میں اُسے احسنِ تقویم پر پیدا کیا، یعنی نہایت ہی حسین وجمیل اور فہیم وعقیل بنایا، اسے تمام اسماء کا علم اپنے خزانۂ غیب سے عطا فرمایا، فضیلتِ علم سے سرفراز کرنے کے بعد فرشتوں جیسی نورانی وقدسی مخلوق سے اُسے سجدہ کروایا، پھر کائناتِ ارضی کا نظام سپرد کر کے اسے زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا، اسی طرح اُسے اپنے خطاب کا اہل اور اپنے احکام کا مکلف بنایا، نیز بحر وبر پر غلبہ وقدرت عطا کر کے اس کی تکریم فرمائی، اور طیب و پاکیزہ چیزوں کو اس کی روزی بنا کر اپنی شانِ تقدس و پاکی سے نسبت نصیب کی، مختصر یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نہایت ہی معزز ومکرم شاہکار ہے۔

انسانیت

جب انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں اس قدر عزت واکرام اور امتیازی مقام عطا فرمایا تو پھر کیوں کر اس مقام کی حفاظت اور اس احترام کے بقاء وتسلسل کا انتظام نہ فرماتا؛ چنانچہ آپ دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ شریعت اسلامی کے

◆ ناظم : ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد۔

بنیادی مآخذ یعنی کتاب وسنت میں بے شمار احکامات تو براہِ راست انسانیت کے حقوق سے متعلق شامل ہیں اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو پوری شریعت ہی انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھنے، اس کے حقوق ادا کرنے، اس کو اپنے رب کی معرفت دینے اور قرینۂ بندگی و نیاز مندی سکھا کر اُخروی نعمتوں کا حق دار بنانے کے لئے اُتاری گئی ہے۔

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ملکوتی، بہیمی اور شیطانی صفات کا مجموعہ ہے، جب تک وہ آسمانی تعلیمات اور انبیاء علیہم السلام کی صفات سے متصف رہتا ہے اس وقت تک ملکوتی صفات غالب رہتی ہیں اور اسے چھوڑ دیتا ہے تو بہیمیت کی سطح پر اُتر آتا ہے، جب بہیمیت حد سے گذر جاتی ہے تو طاغوتی اور شیطانی حرکات پر آمادہ ہو کر انسانیت وآدمیت کا امتیاز کھو بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ انسانیت کے لئے ننگ وعار بن کر رہ جاتا ہے۔

ایسے ہی وقت اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نبوت عطا کر کے مصلحانہ شان کے ساتھ کھڑا کرتا ہے اور اس کے ذریعے شیطانی اور بہیمانہ میں ڈوبے انسان کو اس گندگی سے باہر نکال کر پھر سے انسان بناتا ہے؛ سیدنا وحبیبنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت بھی ایسے ہی حالات میں ہوئی، ساری دنیا میں انسانیت دم توڑ رہی تھی اور آدمی آدمیت کو ترس رہا تھا، اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا تھا اور آپ کے تشریف لانے سے پھر کیا ہو گیا؟ اُس کی ایک جھلک چشم سر سے دیکھنا چاہیں تو صحابیٔ رسول حضرت جعفر طیارؓ کی وہ جامع ومختصر تقریر سن لینا کافی ہے، جو انھوں نے شاہِ حبشہ کے دربار میں فرمائی تھی۔

انسانیت کے محسن اعظم

> اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے اور مردار کھایا کرتے تھے، بدکاری اور قطع رحمی میں مبتلا تھے، پڑوسیوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے، ہمارا طاقتور ہمارے کمزوروں کو کھا جاتا تھا، ہم ایسی ہی (انسانیت سوز) حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہی ایک رسول کو مبعوث فرمایا، جن کے حسب ونسب، طہارت وعفت اور صدق و دیانت کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں، انھوں نے ہمیں پتھروں اور خود ساختہ بتوں کو پوجا چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی طرف آنے کی دعوت دی، ہمیں سچ بولنے، امانتوں کو ادا کرنے، صلۂ رحمی کرنے، پڑوسیوں کا خیال رکھنے، اور ظلم وقتل سے بچنے کا حکم دیا، ہمیں بُرے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ہڑپ کر لینے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، ہمیں توحید، نماز، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ کی تعلیم دی تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے۔

غور کیجیے! تو نبی کریم ﷺ اور ان کی دعوت کے تعارف پر مبنی حضرت جعفر طیارؓ کی جامع ومختصر تقریر میں اکثر حصہ اور زیادہ تر اُمور انسانوں کے حقوق کے احترام اور آدمیت وانسانیت کی بحالی کے اہتمام سے متعلق ہی دکھائی دیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلام انسانیت کی بحالی وتکمیل ہی کا دوسرا نام ہے، اسلام کا سورج انسانیت پر طلوع ہوتا ہے، اسلام کا نور انسانیت ہی میں جگمگاتا ہے، اسلام کا جلوہ انسانیت ہی میں نظر آتا ہے خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

خیارکم فی الجاھلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا۔
دورِ جاہلیت کے بہتر افراد اسلام میں بھی بہتر ہوں گے، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ رکھیں۔

آدمیت کے احترام اور انسانیت کے مقام پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد اب نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں انسانوں کے چند بنیادی حقوق (ہیومن رائٹس) کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

خطبۃ الوداع

اس سلسلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ جامع ومانع مختصر مکمل وہ خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے اہتمام اور خاص شان سے دیا تھا، پھر اُسے غائبین — یعنی بعد آنے والوں — تک پہنچادینے کی تاکید بھی فرمائی تھی، اس خطبے کو علماء نے حقوقِ انسانی کا اسلامی منشور قرار دیا ہے، موضوع کی مناسبت سے اس خطبے کی ایمانیات وعبادات سے متعلق دفعات کو حذف کر کے صرف حقوقِ انسانی سے متعلق دفعات نمبروار پیش ہیں۔

جاہلی افکار کا اختتام

انسانی حقوق تلف کر کے ان کے ساتھ ناانصافی اور ظلم وزیادتی پر مبنی ضوابط دورِ جاہلیت کی دین تھے، ظاہر ہے کہ انسانی حقوق کی بحالی کے واسطے سب سے پہلے اس دورِ جہل وظلم کے خودساختہ قواعد وضوابط کا خاتمہ اور ان کی نفی ضروری تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس موقعہ پر قاعدہ کلیہ کے طور پر سب سے پہلے یہ اعلان فرمایا :

> جاہلیت کی خودساختہ تمام رسوم، خیالات واعتقادات میرے دونوں قدموں تلے روندے جاچکے ہیں، یعنی اب انھیں کبھی اُٹھایا اور اُبھارا نہ جانا چاہئے؛ کیوں کہ جب تک وہ وہ پامال رہیں گے برکاتِ اسلامی باقی رہیں گی، جب جب انھیں اُبھارا جائے گا، انسانیت پھر سے ظلم وجہل کے دلدل میں گرجائے گی۔

ذات پات کی بیخ کنی

ان جاہلی رسوم میں انسانی برادری کے درمیان اونچ نیچ اور ذات پات کی تقسیم بھی داخل تھی، جس کی وجہ سے انسانیت ایک حق نہیں، بے شمار حقوق سے محروم ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے اپنے زمانۂ دعوت میں صحابہ کرامؓ کے ذہنوں سے ذات پات کے بُت کو باہر کر کے ان کے درمیان مساواتِ انسانی قائم فرمادی تھی، ان کو بلا لحاظِ مرد وعورت اور بلا لحاظِ مذہب وملت انسانی حقوق کا احترام کرنا سکھایا تھا، اس لئے آج کے خطبے میں اس مسئلے کو بطورِ خاص اُٹھایا اور ارشاد فرمایا :

> لوگو! تمہارا رب یعنی مالک و پروردگار بھی ایک ہے اور تمہارا اَب یعنی نسل انسانی کی اصل بھی ایک ہے، پس تمہیں چاہئے کہ نسلی امتیازات اور نسبی مباہات (فخر وغرور) کو اپنے درمیان دوبارہ سر اُٹھانے نہ دو، ایک خاندان اور ایک برادری بن کر رہو، اُخوت و بھائی چارگی کی فضاء قائم رکھو۔

نسلی امتیاز کا تعاقب

اسی کی مزید تفصیل اور وضاحت کرتے ہوئے عربی عجمی، امیری وغریبی اور شاہی وگدائی کے امتیازات کا قلع قمع کرتے ہوئے بتلادیا کہ اب کبھی ان تقدیری وتخلیقی تنوعات کے حوالے سے ایک دوسرے پر برتری جتانے کا کسی کو حق نہ رہے گا، فرمایا :

> کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی نسبی ونسلی فضیلت حاصل نہیں ہے، فضیلت صرف ایمان اور پرہیزگاری کے معیار سے وابستہ ہے۔

اونچ نیچ کی نفی

جاہلیت میں غلاموں اور باندیوں کو استعمال تو بہت کیا جاتا تھا؛ مگر ان کے ساتھ سلوک اچھا نہیں کیا جاتا تھا، ان کے بنیادی حقوقِ انسانی تک کی پروا نہیں کی جاتی تھی، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے ہر ہر چیز میں انھیں نظر انداز کیا جانا اور امتیازی سلوک برتنا عام تھا، آپ ﷺ نے عمر بھر اپنے قول وعمل سے اس نابرابری وزیادتی کی مخالفت فرمائی تھی، انھیں آزاد کرنے کے فضائل بیان کر کے تدریجاً ان کی تعداد کم کی اور اس سلسلے ہی کے ختم ہوجانے کے اسباب بنادیئے تھے، اس اہم موقعے پر انھیں فراموش نہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

لوگو! اپنے غلاموں اور باندیوں کا دھیان رکھو، انھیں نیچ سمجھ کر امتیازی سلوک نہ کرو، جوتم کھاؤ، وہی انھیں کھلاؤ اور جوتم پہنو، وہی انھیں پہناؤ۔

ظاہر ہے کہ غلاموں کے ساتھ جاری سماجی ناانصافی اور معاملات میں نابرابری کے خاتمے کے لئے یہ ہدایت بالکل قطعی اور واضح راہ نمائی ہے۔

مرد وعورت کے حقوق

عورتیں اسلام سے قبل سماج کا مظلوم طبقہ تھیں، ان کے ساتھ ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم کو روا رکھا جاتا تھا، ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا اور تمام انسانی حقوق پامال کئے جاتے تھے، آپ ﷺ نے ۲۳ سالہ زمانۂ دعوت وتربیت میں اس ظلم کا یکسر خاتمہ فرما کر عورت کو — بنیادی انسانی حقوق میں — مرد کے شانہ بہ شانہ کھڑا فرما دیا تھا؛ اس آئینی وقانونی ہدایت نامے میں بطورِ خاص انھیں یاد کرتے ہوئے فرمایا :

لوگو! عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کی امان کے حوالے سے اپنی بیوی بنایا ہے، اور اللہ کا نام لے کر انھیں اپنے لئے حلال کیا ہے، اس لئے ان کے ساتھ بھلائی کا میں تمہیں پابند کرتا ہوں، وہ تمہارے ماتحت ایک قیدی کی طرح ہیں، وہ تمہاری کسی چیز کی مالک نہیں ہیں، تم پر لازم ہے کہ تم انھیں اچھے طریقے پر کھلاؤ اور پہناؤ اور ضروریات کا تکفل کرو، ان کے سلسلے میں خاص وصیت کر رہا ہوں، اس کا دھیان رکھو، عورتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ تمہارے بستر اور گھر کی حفاظت کریں، تمہاری مرضی کے بغیر کسی کو گھر میں نہ بُلائیں، کسی بُرے کام کا ارتکاب نہ کریں، خدانخواستہ وہ ایسا کر بیٹھیں تو تمہیں اظہار ناراضگی کے طور پر ان سے علاحدہ سونے یا ہلکی پٹائی کرنے جیسی مناسب تادیب کا حق حاصل ہے۔

خانہ جنگی کی تردید

معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کا خون بہانا، لمبی لمبی جنگیں لڑ کر ہوسِ انتقام کی تسکین کرنا جاہلیت میں عام تھا، ظاہر ہے کہ یہ انسانیت پر ظلم اور اس کے حقوق تلف کرنے کے مترادف ہے، آپ ﷺ نے اس رسمِ بد پر قدغن لگا کر حق انسانی کی وضاحت فرمادی، ارشاد فرمایا :

جاہلیت کے تمام خونی معاملات اب ختم کر دیئے گئے، لوگوں کو چاہئے کہ اب اس سلسلے کا خاتمہ کر دیں، سب سے پہلے میں اپنے خاندان کی طرف سے ربیعۃ ابن الحارث

> کے بیٹے کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں کہ اب اس سلسلے میں میرا خاندان کوئی انتقامی کاروائی نہیں کرے گا، دیکھو! میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی خوں ریزی اور آپس میں قتل وغارت گری کرنے لگو۔

مالیاتی مظالم کا صفایا

ساہوکاری اور سودی کاروبار کے ذریعہ دولت مندوں نے غریبوں اور محتاجوں کا خون چوسنے کو پسندیدہ مشغلہ بنا رکھا تھا، بے چارے ضرورت منداحتیاج کے ہاتھوں مجبور ہوکران ساہوکاروں کے پاس جاتے اورقرض حاصل کرتے، یہ ساہوکار تمام انسانی ہمدردیوں اور آدمیت کے تقاضوں سے مُعرّیٰ ہوکران غریبوں پر سود پر سود بڑھاتے چلے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ طرزِعمل انسانیت کا گلا گھونٹنے کے مترادف تھا، آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں قرض حسنہ یعنی للہ قرض دینے کی فضیلتیں بیان کیں، مقروض کو دینے پر اجروثواب کے وعدے فرمائے، سودی کاروبار اور رِبوٰی معاملات کو انسانی سماج کے ساتھ ظلم ونا انصافی قرار دیا، اس تاریخی خطبے میں آپ ﷺ اس اہم موضوع سے کیوں چشم پوشی فرماتے؟ ارشاد ہوا :

> جاہلیت کے تمام سودی معاملات آج ختم کردیئے جارہے ہیں، اب کوئی کسی سے بڑھا چڑھا کر اپنا مال طلب نہیں کرسکتا، گذشتہ قرضوں میں سے بھی صرف حقیقی قرض واپس لے لو اور سود خواہ کتنا بھی چڑھ گیا ہو، سب معاف کردو، سب سے پہلے میں اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا وصول طلب سود معاف کررہا ہوں۔

ترکہ ومیراث کا تحفظ

عام طور سے باپ کے مرنے کے بعد جو طاقتور ہوتا، وہ اس کی میراث پر قبضہ کر بیٹھتا تھا، جب کہ کمزور وارث اس سے اپنا حق طلب کرنے کی جرأت نہ کرسکتے تھے، اسی طرح بعض ظالم لوگ مرتے وقت اپنے مال میں ایسی وصیتیں کرجاتے جو وارثین کی حق تلفی کا سبب ہوتیں، آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بہت خیال رکھا اور تمام جاہلی روایات کا خاتمہ کرکے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک مبنی برانصاف ضابطہ بنادیا تھا، جس میں اگرچہ ایک تہائی مال کی حد تک وصیت کی گنجائش رکھی گئی؛ مگر اس گنجائش کو اضرار کے لئے استعمال کرنے پر پابندی لگادی، اس موقعہ پر ایک عام ضابطے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا :

> اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام نازل کرکے ہر حق دار کو اس کا واجبی حق ادا فرمادیا ہے؛ لہٰذا اب وارثین کے حق میں کسی وصیت کی ضرورت نہ رہی۔

اس اجمالی اعلان کے علاوہ آپ ﷺ کی تعلیمات میں صراحت موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی وصیت میں کسی حق دار کو ضرر پہنچانے کی کوشش کی تو وہ جنت میں داخلے سے محروم رہے گا، خواہ ساٹھ برس تک طاعات وعبادات میں مشغول رہا ہو۔

خیانت و بددیانتی

انسانوں کی جانوں کی طرح ان کے اموال بھی قابلِ حفاظت ہیں، مگر جب انسان پر شیطانی وطاغوتی قوت غالب آجاتی ہے تو پھر وہ بجائے ان کا محافظ بننے کے خود غاصب بن کر چوری، دھوکہ دہی، امانتوں میں خیانت جس طرح ممکن ہو، دوسرے کا مال ہڑپ کرنے لگتا ہے، آپ ﷺ نے مدت العمر دیانت وامانت، اکل حلال اور کسب حلال کی تعلیم دی، کسی کا مال ناحق استعمال کرنے پر سخت وعیدیں سنائیں، حجۃ الوداع کے اس اجتماع میں اس مسئلے کی جانب توجہ دلانے کو بھی آپ نے ضروری خیال فرمایا :

> لوگو! قرضے ادا کئے جانے چاہئیں، امانتیں واپس ہونی چاہئیں، اسی طرح ضمانتوں کو ذمہ داری سے پورا کرنا ضامن لازم ہوگا، کسی مسلمان کے لئے کسی اور کا مال اس کی دلی خوشی ورضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے، ایسی حرکت کر کے اپنے آپ پر ظلم مت کرو۔

ظلم وزیادتی کا استرداد

انسانوں کے ساتھ ایک ظلم اور ناانصافی یہ ہوتی ہے کہ بسا اوقات کسی کے جرم اور قصور کا وبال کسی اور پر ڈال دیا جاتا ہے، مثلاً باپ کے قصور کا وبال بیٹے پر ڈال دیا جائے، یا بیٹے کے قصور کا وبال باپ پر، اسی طرح طاقتور کی غلطی ضعیف و کمزور کو بھگتنی پڑے، یا بااثر کو چھوڑ کر بے اثر اور دست نگر کو سزا میں ماخوذ کر لیا جائے وغیرہ، آپ ﷺ نے اس وقت کے سماج میں جاری اس ظلم کا عملاً قلع قمع فرما کر انسانی سماج کو اس حق تلفی سے بچا لیا تھا؛ مگر اس موقعہ پر اس کے ذکر کو ضروری سمجھتے ہوئے ارشاد فرمایا :

> سنو لوگو! مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار رہے گا، کسی دوسرے پر اس کا وبال ڈالنا درست نہ ہوگا، کوئی باپ بیٹے کے قصور کا ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے پاپ کا جواب دہ ہوگا۔

حقوقِ انسانی کا احترام

سب سے بڑی چیز انسان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ ہے، مجموعی طور پر تمام حقوق ان ہی تین چیزوں سے متعلق اور ان ہی میں دائر ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ کی مبارک تعلیمات اور واضح ہدایات میں قولاً وعملاً ان حقوق کی جس

قدرتا کید آئی ہے، وہ کسی اور جگہ نظر نہ آئے گی، اس کے باوجود بہتر انسانی سماج کی تشکیل اور بقاء کے لئے دیئے جانے والے اس تاریخی منشور میں آپ نے اس کو شامل رکھنا ضروری سمجھا اور بڑے پیارے و دل نشیں انداز میں پیش فرمایا، آپ ﷺ نے پہلے لوگوں کو کا ذہن حج کے اس مہینے کی حرمت وعزت کی طرف متوجہ کیا، پھر مکہ کی اس مبارک سرزمین کی عظمت و قیمت کی یاددہانی فرمائی، پھر عرفہ کے دن کی اہمیت واشگاف کی، اس کے بعد فرمایا :

> لوگو! آج سے تمہاری جانیں، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کے دن کی، اس مہینے کی اور اس شہر کی توہین تم پر حرام ہے، اب قیامت تک کسی کے لئے کسی کا ناحق خون کرنے، ناحق مال لینے، اور بے عزتی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

غور کیجئے تو حقوقِ انسانی میں سب سے بنیادی حقوق یہی تین ہیں :

(۱) اس کی ذات ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو۔

(۲) اس کے اموال واملاک ہر طرح کی دست درازی و ہلاکت سے مامون ہوں۔

(۳) اس کی عزت وناموس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔

پیغمبر اسلام سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی جامع و مانع تعلیمات اور اپنی بے مثال و بے نظیر تربیت میں ان تینوں اُمور کو بنیادی اہمیت کے ساتھ ملحوظ ومحفوظ رکھا، بلالحاظِ مذہب وملت انسانوں کے احترام کی ہدایت دی، ان کے حقوق وآداب سکھائے، اس کی خلاف ورزی پر دنیوی واُخروی سنگین نتائج سے باخبر فرمایا۔

مثلاً نفس انسانی کے تحفظ کے لئے قتل اولاد کو حرام قرار دیا، خودکشی کو مذموم اور قابلِ مواخذہ جرم بتلایا، ایک دوسرے کو ناحق قتل کرنے کو کفر کے مترادف بتلایا، ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کی ہلاکت کے برابر جرم فرمایا، حتیٰ کہ ناگزیر جنگوں اور مقابلوں کے دوران بھی نفس انسانی سے ناروا سلوک کی ممانعت کردی، انسانی لاشوں کا مُثلہ کرنے اور ان کے مردہ اجسام کی توہین کرنے تک سے اُمت کو روک دیا، جرائم پر سزائیں دیتے وقت بھی ان کے حق نفس کو ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی، وغیرہ۔

املاکِ انسانی کے تحفظ کے سلسلے میں ایسی ہدایات جاری فرمائیں کہ ان پر عمل کرلیا جائے تو کسی شخص کے مال کو ذرہ برابر خطرہ اور کسی قسم کا خدشہ لاحق نہیں ہوسکتا، نہ صرف چوری اور ڈاکے کو حرام اور قابلِ سزا جرم بتلایا؛ بلکہ دل کی خوشی کے بغیر کسی کا مال کھانا بھی حرام فرمادیا، آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق استعمال کرنے پر پابندی

لگادی، ارشادفرمایا کہ جوشخص کسی کی زمین، جانور، کپڑا، یا کوئی بھی مال ناحق طریقے پر لے لے گاتو کل قیامت میں وہ سر پر اُٹھا کر لائے گا جس کے بوجھ تلے دبتے ہوئے مجھ سے مدد کا طلب گار ہوگا؛ مگر یادرکھو کہ ایسے ظالم کی میں ہرگز مدد نہ کروں گا، حد یہ ہے کہ غرباء کی مدد کے لئے مال داروں کے مال میں جو معمولی ساحق متعین کیا گیا ہے اور وہ حق اللہ کہلاتا ہے، اس کی وصولی میں بھی چُن چُن کر اچھا مال نکالنے کو ناجائز بتلایا وغیرہ، اور جہاں تک انسان کی عزت وآبرو کا مسئلہ ہے تو اس کے سلسلے میں اتنے تفصیلی اور غیر معمولی احکام ہیں کہ ان کی جانب اشارہ بھی ایک طویل فہرست بنادے گا، حُرمتِ آبرو کے تحفظ ہی کے لئے غیبت یعنی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنے کو حرام قرار دیا، کسی کے سامنے رُسوا کرنے کی ممانعت فرمادی، کسی عیب پر ہنسنے اور حقارت سے دیکھنے کو بدترین جرم بتلایا، بدگمانی کرنے اور تحقیق کے بغیر بُرا سمجھنے پر مواخذہ کی وعید سنائی، بدکاری کا الزام نہ ثابت کر سکنے پر اسّی کوڑے لگا کر گواہی کے اعتبار سے محروم کردیا، ہر دعوے کے ثبوت میں دو گواہ تسلیم کر لئے گئے؛ مگر زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی چاہدین کا پیش کرنا ضروری فرمایا گیا، ہر قسم کی اونچ نیچ، اور ہر طرح کی تفریق وتقسیم پر پابندی لگادی گئی، رشتہ داریوں کا احترام بھی اسی میں داخل ہے، حجاب کا حکم بھی اسی حُرمت وعزتِ نفس سے متعلق ہے، پڑوسی کے حقوق بھی اسی لئے ہیں، ملاقات کے آداب بیماروں کی خدمت، راستے کے حقوق غور کئے جائیں تو سب انسانی مرتبوں کی رعایت اور عزت کی حفاظت اور حقوق کی حرمت ہی سے منسلک ہیں، حق تعالیٰ ہم سب کو حقوقِ انسانی کو جاننے سمجھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اظہارِ تشکر

آخر میں یہ عاجز حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کا ممنون ہے کہ انھوں نے اپنے ادارے کے تحت ہونے والے ''بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار'' میں شرکت کا موقع عنایت فرماتے ہوئے مذکورہ بالا عنوان پر مقالہ تحریر کرنے کا مامور فرمایا، اگرچہ یہ عاجز اسفار کی کثرت اور انتظامی ذمہ داریوں کی وجہ سے باقاعدہ طور پر لکھنے پڑھنے میں بہت کوتاہ ہے؛ مگر مولانا کے احترام، عنوان کی کشش اور نسبت کی جاذبیت نے بالآخر ذہن کو کچھ لکھنے پر آمادہ کرلیا تو یہ تحریر سپرد قرطاس کردی گئی، اہل علم کو حق ہے کہ اس کی زلات اور لغزشوں پر تنبیہ فرمائیں؛ مشکور رہوں گا۔

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس سیمینار کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے معرفتِ رسول ﷺ کا سبب بنا کر کامیاب وبامراد کرے۔ آمین

• • •

ماحولیات کا تحفظ اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی◆

آج عالم انسانیت جن سنگین مسائل سے دوچار ہے، ان میں ایک اہم مسئلہ ماحولیات کے تحفظ کا ہے، جس کی سنگینی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جارہی ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ ماحولیات کو درپیش چیلنج کہیں اور سے نہیں آیا؛ بلکہ خود انسان کا پیدا کردہ ہے، اس طرح کہ اس کی بڑھتی ہوئی حرص وہوس اور سرکشی وشر پسندی نے دنیا کے فطری نظام کے تار پود کو بکھیر کر رکھ دیا، جس کی وجہ سے ماحولیات سے متعلق چیزوں میں قدرت کی جانب سے جو توازن رکھا گیا تھا، وہ درہم برہم ہو گیا اور اس طرح زندگی کے لئے درکار بنیادی چیزیں پانی، مٹی اور ہوا جو کبھی صحت وتوانائی اور خوشحالی کی ضمانت تھے، اب بھوک، مرض اور افلاس کا تحفہ دے رہے ہیں۔

کارخانوں کی دھواں اگلتی چمنیوں کی بہتات، فضا میں کاربن اُڑاتی گاڑیوں کی قطاریں، گندے اور مسموم پانیوں کے بہتے نالے، کچڑوں کا بڑھتا ہوا ڈھیر اور ان سے اُٹھتا ہوا تعفن، جوہری پلانٹ سے پھیلتی ہوئی تابکاری، کیمیکلز کا جنونی استعمال، جراثیم کش ادویہ کا بے تحاشہ چھڑکاؤ، ہر طرف جنگ کے امنڈتے بادل اور اس کے جلو میں ہزاروں ٹن دھماکو اشیا کی برسات، بارودی سرنگوں کی کاشت، پورے پورے خطہ کو لرزا دینے والے دھماکوں کی خوفناک آوازیں، ایٹمی اور ہائیڈروجن بموں کے تجربات اور ان میں بڑھتی ہوئی مسابقت کے سلسلہ نے اس سرزمین پر نہ صرف انسان؛ بلکہ ہر ذی روح کا مستقبل تاریک کر دیا ہے، پانی کی ارضی سطح دن بدن نیچے جارہی ہے، جب کہ درجہ حرارت کی سوئیاں اوپر اُٹھ رہی ہیں، اس کے نتیجہ میں طوفان، سونامی، زلزلہ اور سیلاب جو اللہ کی نشانی کے طور پر کبھی کبھار نظر آتی تھیں، اب معمول بن چکی ہیں، اس طرح انسان نے اپنی تباہی وبربادی کا جو سامان خود فراہم کیا ہے، آفات سماوی نے اس میں وافر حصہ ڈال کر اس کی تباہی کی راہیں مزید آسان کر دی ہیں، اور وہ دن دور نہیں جب اس سرزمین پر قیامت سے پہلے ہی قیامت برپا ہو جائے۔

◆ پرنسپل: سلام انڈین اسکول، بنڈلہ گوڑہ، حیدرآباد۔

یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ انسان کو دیر سے سہی؛ لیکن خطرہ کا کسی قدر احساس ہو چلا ہے؛ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں اسٹاک ہوم Stock holm میں پہلی بار ماحولیات کو درپیش خطرات اور اس میں بہتری کے لئے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار اور دانشور سر جوڑ کر بیٹھے اور اس موضوع پر غور وخوض کیا، اس کے بعد مختلف ممالک نے اس ضمن میں بہتری کے لئے کوششیں شروع کیں، ۱۹۷۶ء میں برسلونہ Barcelona میں بحر ابیض کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لئے کئی معاہدات کئے گئے، خلیج عرب کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لئے ۱۹۷۸ء میں کویت میں کانفرنس منعقد ہوئی؛ جب کہ خلیج عدن اور بحر احمر کو آلودگی سے بچانے کے لئے ۱۹۸۲ء میں جدہ میں کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا اس کے بعد سے اس طرح کی کاوشیں مسلسل جاری ہیں، ماحولیات کی آلودگی کا موضوع ہر جگہ زیر بحث ہے، اس موضوع پر نئی نئی کتابیں، تحقیقات اور مضامین ومقالات مسلسل منظر عام پر آرہے ہیں، یہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ماحولیات کے تحفظ اور بہتری کے لئے ہادی عالم کی جانب سے جو ہدایتیں دی گئی ہیں، انھیں واضح اور مرتب شکل میں پیش کردیا جائے؛ اس لئے کہ ماحولیات کو آج جو خطرات درپیش ہیں، اس کا اس سے بہتر کوئی اور حل موجود نہیں ہے۔

ماحولیات کا لفظ اُردو میں انگریزی لفظ Environment کے متبادل کے طور پر مستعمل ہے، یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی گردوپیش کے ہیں؛ البتہ اصطلاح میں اس کے تحت کرہ ارض کے علاوہ کائنات کا وہ حصہ بھی شامل سمجھا جاتا ہے، جو ہماری دنیا کو کسی نہ کسی طور پر متاثر کرتا ہے؛ لہٰذا ماحولیات پر گفتگو دراصل کائنات کی فطرت اور اس کے احوال وعوامل پر گفتگو ہے، اسٹاک ہوم کانفرنس کی سفارشات میں ماحولیات کے تین بنیادی عناصر کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو یہ ہیں: (۱) فطری ماحول، (۲) حیاتیاتی ماحول، (۳) معاشرتی ماحول۔

فطری ماحول

فطری ماحول سے مراد کرۂ ارض پر موجود وہ قدرتی چیزیں ہیں، جن کا وجود انسان کا مرہون منت نہیں اور نہ ہی اس میں اس کا کوئی عمل دخل ہے، جیسے صحرا وجنگل، حیوانات ونباتات، بحر وبر کے حصے، غلاف مائی وغلاف جوی، کوہ ودمن کا پر پیچ سلسلہ، اٹھلاتی وبل کھاتی ہوئی ندیاں اور جادو بھرے موسموں کی سحر طرازیاں وغیرہ جنھیں اللہ نے بنایا اور حضرت انسان کی دسترس میں دیا؛ تاکہ ان کے ذریعہ وہ سامان زیست کی تکمیل کرے اور اللہ کا شکر گزار بندہ بنے۔

حیاتیاتی ماحول

اس سے مراد خاندان قبیلہ اور معاشرہ ہے، جو اس سرزمین پر آباد ہے اور جس کے ذریعہ انسانوں کا یہ کارواں آگے بڑھتا رہتا ہے۔

معاشرتی ماحول

معاشرتی ماحول سے مراد انسان کے انفرادی واجتماعی تعلقات ہیں، جس کے نتیجہ میں تہذیب وتمدن کی بنیاد پڑتی ہے، زندگی کے اُصول وضابطے طے ہوتے ہیں، علمی وتحقیقی کاوشیں پروان چڑھتی ہیں، ادب وثقافت کی شمع فروزاں ہوتی ہیں اور ایجادات وانکشافات کے محیر العقول کارنامے انجام پاتے ہیں، اس کا ایک رُخ تو مادی ہوتا ہے، جس میں انسان اپنی ضروریات زندگی پر توجہ مرکوز رکھتا ہے، جیسے مکان، لباس اور وسائل حمل ونقل وغیرہ، جب کہ دوسرا رُخ روحانی ومعنوی ہوتا ہے، جس کے تحت عقیدہ ومذہب اور عبادت وریاضت وغیرہ آتے ہیں۔

اسلام میں ماحولیات کے تحفظ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن میں اس بات کا تفصیلی ذکر آیا ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو کس طرح بنایا، سجایا، سنوارا اور زندگی کے امکانات سے اسے اس طرح بھر دیا کہ ہر سمت، ہر جا اور ہر چیز سے زندگی کے نغمے پھوٹے پرتے ہیں، قرآن میں ۷۵۰ سے زیادہ ایسی آیتیں ہیں، جو کائنات کے اسرار سے پردہ اُٹھاتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فراہم کی جانے والی یہ بے پایاں نعمتیں اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ انسان ان کی قدر کرے، اس پر شکر ادا کرے، اس طرح کہ اس سے فائدہ تو اُٹھائے؛ لیکن اس کے ضیاع وبگاڑ کا سبب نہ بنے: ''لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ''(۱) ''زمین پر فساد مت پھیلاؤ''۔

یہ کائنات، وہاں بسنے والی انواع واقسام کی مخلوق اور اس کے گرد وپیش موجود چیزوں کی بہتری اور بقاء وسلامتی کی اہمیت کو ذہن نشیں کرانے کے لئے جو تعلیمات قرآن وحدیث میں دی گئی ہیں، ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، اس سے بآسانی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ماحولیات کے موضوع کو کتنی اہمیت دی گئی ہے، اسلام کی تعلیمات ماحولیات کے سلسلہ میں انتہائی واضح اور جامع ہیں؛ تاکہ ارض وسماء، نباتات وجمادات اور وہاں بسنے والی بے شمار مخلوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے، اس طرح کہ یہ سب انسان کے لئے ہمیشہ خیر کا سرچشمہ اور بھلائی وعافیت کا ذریعہ بنے رہیں، اس سلسلہ میں اسلام نے ترغیب کے ساتھ ساتھ ترہیب سے بھی کام لیا ہے؛ تاکہ انسان ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرے اور اس میں فساد وبگاڑ پیدا کرکے اسے اپنی اور دوسروں کی تباہی کا ذریعہ نہ بنالے۔

ماحولیات کے تحفظ سے متعلق تعلیمات نبوی کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ہم اسے دنیا کے اہم اور بنیادی عناصر کے تحت ترتیب وار ذکر کریں گے؛ تاکہ یہ تعلیمات واضح اور مرتب شکل میں ہمارے سامنے آجائیں، ہم جس دنیا میں رہتے اور بستے ہیں اس کے بنیادی عناصر سو سے بھی زیادہ ہیں؛ البتہ معروف عناصر میں تین کا نام سرفہرست ہے، جو اس دنیا کی جان ہیں اور اس دنیا میں بسنے والوں کی بھی، وہ ہے: (۱) پانی، (۲) مٹی، (۳) ہوا۔

---

(۱) الاعراف:۸۵۔

پانی

پانی کی حیثیت اس سرزمین پر سرچشمہ حیات کی سی ہے، اس طرح کہ ہر جاندار چیز کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے :

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ (۱)

ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل شیء خلق من الماء ۔ (۲)

تمام چیزیں پانی سے پیدا کی گئی ہیں۔

اس طرح پانی ہر جاندار کے لئے نہ صرف نقطۂ آغاز اور بیج کی حیثیت رکھتا ہے؛ بلکہ وسیع وعریض سرزمین کی ہریالی، اشجار و نباتات کی شادابی اور نہ صرف چرند و پرند کی رعنائی کا انحصار اس پر ہے؛ بلکہ خود حضرت انسان کا وجود بھی ۸۰ فیصد سے کچھ زیادہ ہی پانی پر مشتمل ہے، جس کے بغیر وہ دنیا میں پل دو پل کا مہمان ہوگا، پانی اللہ کی عجیب وغریب نعمت ہے، اس میں چشم بینا اور ذہن رسا کے لئے غور وفکر کا بہت سا سامان موجود ہے، اس طرح کہ اس دنیا میں عام طور پر چیزیں تین شکلوں میں پائی جاتی ہیں، ٹھوس، رقیق اور بخارات یا بھاپ، پانی واحد ایسا عنصر ہے جو مذکورہ تینوں شکلیں اختیار کرسکتا ہے۔

اتنی اہم اور بیش قیمت چیز جو اللہ نے حضرت انسان کی دسترس میں دیا ہے، وہ اس لئے نہیں ہے کہ انسان اس کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے اور ناقدری وناعاقبت اندیشی کی وجہ سے کائنات میں قائم اللہ کے ودیعت کردہ فطری نظام کو درہم برہم کردے اور اس طرح نہ صرف اپنے وجود؛ بلکہ پوری کائنات کی تباہی وبربادی کا سبب بن جائے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے واضح اور تفصیلی ہدایتیں دی گئی ہیں جن میں دو باتیں کافی اہم ہیں :

اسراف سے اجتناب

اسراف اور فضول خرچی سے نہ صرف نعمتیں ضائع ہوتی ہیں؛ بلکہ یہ دوسرے بہت سے مسائل کو جنم دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے ایک شیطانی عمل کہا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے :

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۔ (۳)

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

---

(۱) الانبیاء:۳۰۔ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۱۷۸۔ (۳) الاسراء:۲۷۔

اللہ تعالیٰ نے اسراف اور فضول خرچی سے اس لئے سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ اس نے اس دنیا میں اپنی نعمتوں کو محدود رکھا ہے؛ اس لئے کہ یہ دنیا ابدی نہیں؛ بلکہ فنا ہوجانے والی ہے؛ لہٰذا یہاں کی ہر چیز میں محدودیت ہے، کوئی چیز لامحدود و ابدی نہیں، نعمتوں کا بے محابا استعمال اور اس کے ضیاع کا نتیجہ لازمی طور پر اس کی قلت کی شکل میں سامنے آتا ہے، جس سے خلق خدا کے لئے ابتلاو آزمائش کے نئے دروازے کھل جاتے ہیں، پانی ایک عظیم نعمت ہے اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے وافر مقدار میں اس کا سامان کردیا ہے؛ لیکن انسان کی فضول خرچی کی عادت کی وجہ سے وہ ناکافی ہورہا ہے، پانی کے اسراف کے نتائج اب تیزی سے سامنے آرہے ہیں، آبی ذخائر، ندیاں اور تالاب وغیرہ خشک ہوتے جارہے ہیں، پانی کے اس بحران کی وجہ سے لوگ زیر زمین آبی ذخائر پر ٹوٹ پڑے؛ لیکن اب وہاں بھی پانی کی سطح تیزی سے نیچے اُترتی جارہی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ پہلے جہاں بورویلوں میں سوڈیرھ سوفٹ پر پانی آجاتا تھا، اب ہزار پر بھی مشکل سے آتا ہے اور موسم سرما میں خود ان کے لب بھی خشک ہی رہتے ہیں، شہروں میں پانی کے لئے ہاہا کار مچ جاتا ہے، جب کہ گاؤں میں دہقاں اپنے کھیتوں کی تشنہ لبی کو دیکھ کر خودکشی کرنے لگتے ہیں، پانی کا بحران کسی خاص خطہ تک محدود نہیں؛ بلکہ یہ اب عالمی مسئلہ بن چکا ہے، ماہرین کا خیال ہے کہ تیسری عالمی جنگ ہوسکتا ہے کہ پانی کے مسئلہ پر لڑی جائے۔

پانی کا اسراف نہ صرف اس دنیا میں بسنے والے جاندار؛ بلکہ پوری دنیا کے لئے ہی سنگین بحران کا سبب بن جاتا ہے؛ اسی لئے اسلام نے پانی کے اسراف سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے :

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ (۱)

کھاؤ اور پیو؛ لیکن اسراف مت کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس معاملہ میں اسلام نے اتنا سخت موقف اپنایا ہے کہ عبادت و طاعت میں بھی اسراف کی اجازت نہیں دی ہے :

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ بسعد وهو يتوضأ فقال : ما هذا الاسراف ؟ فقال : أ في الوضوء اسراف ؟ قال : نعم ، وان كنت على نهر جار ۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کا گذر سعدؓ کے پاس سے ہوا، وہ وضو کررہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اتنا اسراف کیوں؟ انھوں نے عرض کیا، کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر چہ تم بہتی ہوئی ندی پر ہو۔

(۱) الاعراف: ۳۱۔ (۲) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۵۰۔

عن ابن عباس یقول : بت عند خالتی میمونة ، فقام النبی صلی الله علیه وسلم فتوضأ من شنة وضوء ا یقلله ، فقمت فصنعت كما صنع ۔ (۱)

اب عباسؓ نے بیان کیا کہ میں اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر رات میں رکا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے تھوڑے سے پانی سے وضوفرمایا، میں بھی کھڑا ہوااور ویسا ہی کیا۔

ثم غسل رجلیه ثلاثا ثلاثا ، ثم قال هكذا الوضوء ، من زاد علی هذا أو نقص فقد أساء و ظلم ۔ (۲)

پھر آپ ﷺ نے تین تین مرتبہ پاؤں دھویا اور فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے، جس نے اس پر کمی یا زیادتی کی، اس نے اچھا نہیں کیا۔

آلودگی سے اجتناب

پانی کے اسراف سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ پانی کے تحفظ پر بھی اسلام نے کافی زور دیا ہے اور ان تمام چیزوں سے منع کیا ہے، جس سے پانی کی کوئی صفت مجروح ہوتی ہو، یا وہ ناقابل استعمال ہوجائے، یا آلودہ ہوجائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے خاص طور پر رات میں پانی کے برتنوں کو ڈھکنے کا حکم دیا؛ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی چیز اس میں گر جائے جس کی وجہ سے وہ قابل استعمال نہ رہے: ''خمروا آنیتكم ''(۳)''برتنوں کو ڈھک کر رکھا کرو''۔

آپ ﷺ نے پانی کے برتن سے براہ راست منھ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا؛ اس لئے کہ بعض لوگ دوسروں کا جھوٹا پینا پسند نہیں کرتے، اس کے علاوہ اس بات کا اندیشہ بہرحال موجود رہتا ہے کہ اگر اس شخص کو کوئی بیماری ہوتو اس سے پانی کے آلودہ ہوجانے کا امکان رہتا ہے؛ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا شخص اگر وہ پانی پیئے تو وہ بھی اس مرض سے متاثر ہوجائے: نهی رسول الله صلی الله عن اختناث الاسقیة،(۴)''برتن سے منھ لگا کر پانی پینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے پانی کے ذخیرہ کے ساتھ کوئی بھی ایسا کام کرنے سے منع فرمایا ہے، جس سے وہ ناقابل استعمال یا مضر ہوجائے جیسے اس میں پیشاب کرنا یا ناپاکی کی حالت میں غسل کرنا وغیرہ :

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۴۲۸۔
(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر:۱۳۵۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر:۶۲۹۵۔
(۴) بخاری، حدیث نمبر:۵۶۲۵۔

لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ ۔ (۱)
تم میں سے کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے اور پھر اس سے غسل کرے۔

لا تبل فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم تغتسل منہ ۔ (۲)
ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب مت کرو اور پھر اس سے نہاؤ۔

لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب ۔ (۳)
اگر کوئی حالت جنابت میں ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ أن یتخلی الرجل تحت شجرۃ مثمرۃ ونھی أن یتخلی علی ضفۃ نھر جار ۔ (۴)
رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص پھل دار درخت یا بہتی ہوئی ندی کے کنارے پر قضائے حاجت سے فارغ ہو۔

اذا استیقظ أحدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثا : فأنہ لا یدری أین باتت یدہ ۔ (۵)
سوکر اُٹھنے کے بعد تین بار ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہئے ؛ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ رات ہاتھ نے کہاں کہاں گذارا۔

پانی کا ذخیرہ خواہ ٹھہرا ہوا ہو یا جاری، اسے ہر اس چیز سے بچانا ضروری ہے، جو اسے آلودہ کردے؛ چنانچہ پیشاب یا ایسی کوئی بھی چیز جو پانی کی آلودگی کا سبب بنے ، اسے پانی میں ڈالنا جائز نہیں ہوگا ؛ چنانچہ ڈرینج کی غلاظت، صنعتی فضلات اور مضر اثرات والے کیمیکلز وغیرہ کو تالابوں ،نہروں ، ندیوں یہاں تک کہ سمندروں میں بھی ڈالنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس طرح کی کسی بھی حرکت کو اسلام میں جرم تصور کیا جائے گا۔

مٹی

ہماری دنیا کے عناصر میں دوسرا اہم عنصر مٹی ہے، اس دنیا کی زیبائیوں ورعنائیوں میں بلاشبہ مٹی کا اہم رول ہے،

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۵۔
(۲) صحیح مسلم: ۱/۱۳۸۔
(۳) صحیح مسلم: ۱/۱۲۸۔
(۴) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۔
(۵) صحیح مسلم: ۱/۱۳۶۔

لہلہاتی ہوئی کھیتیاں ہوں یا سرسبز جنگلات، بل کھاتی ہوئی ندیاں ہوں یا چنگھاڑتا ہوا سمندر، سب کی آماجگاہ یہی ہے، مٹی کی سحر طرازیاں اس کے اوپر موجود چیزوں میں ہی نہیں؛ بلکہ اس کے اندر بھی کچھ کم نہیں ہیں؛ چنانچہ انواع واقسام کی معدنیات، کوئلہ، گیس، خام تیل اور بہت سی چیزیں جو ہمیں اور ہماری دنیا کو شاد وآباد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں، ان سب کا مخزن یہی ہے، مٹی کی اہمیت کے لئے یہ بات بھی کیا کم ہے کہ خود حضرت انسان کی تخلیق بھی اسی سے کی گئی ہے :

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۔ (۱)

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں۔

ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض فجاء منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلک ۔ (۲)

اللہ نے آدم کو زمین کے ہر حصہ سے لی گئی مٹی سے بنایا، یہی وجہ ہے کہ آدم کی اولاد میں کالے گورے اور لال سب ہیں۔

زمین کے حوالہ سے یہ بات بھی کافی اہم ہے کہ اس اُمت کے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور اسے نہ صرف پاک؛ بلکہ پاک کرنے والا قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

جعلت لی الارض مسجدا وطهورا ۔ (۳)

ہمارے لئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے۔

زمین کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اسلام میں اس کے تحفظ وسلامتی کو کافی اہمیت دی گئی ہے، اور اس کے لئے خاص تعلیمات وہدایتیں دی گئی ہیں، آپ ﷺ نے زمین کو آباد کرنے پر زور دیا ہے؛ تاکہ اسے بنجر اور صحرا میں تبدیل ہونے سے روکا جا سکے؛ اس لئے کہ زمین کو اگر ایک عرصہ تک بیکار چھوڑ دیا جائے تو وہ بتدریج بنجر اور بے فیض ہوجاتی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا :

من كانت له ارض فليزرعها أو ليمنحها فان لم يفعل فليمسک ارضه ۔ (۴)

جس کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ اس میں زراعت کرے یا کسی کو دے دے، اگر ایسا نہ کرے تو اس سے زمین لے لی جانی چاہئے۔

(۱) سورۂ ص: ۷۱۔
(۲) جامع ترمذی، حدیث نمبر: ۳۰۴۰۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۳۳۔
(۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۰۳۔

عن عروہ قال : أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی أن الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ ، ومن احیا مواتا فھو احق بھا ۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ زمین اللہ کی ہے اور لوگ اللہ کے بندے ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی کسی بنجر اور غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔

زمین کے تحفظ وسلامتی کو یقینی بنانے کے علاوہ آپ ﷺ نے اسے ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھنے پر زور دیا ہے؛ چنانچہ فرمایا :

الایمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة ، فافضلھا قول لا الہ الا اللہ ، وادناھا اماطة الاذی عن الطریق ۔ (۲)

ایمان کے ساٹھ یا ستر شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا :

اتقوا اللعانین قالوا وما اللعانان یا رسول اللہ ؟ قال : الذی یتخلی فی الطریق ۔ (۳)

لعنتی ہونے سے بچو، دریافت کیا گیا، کون سے لعنتی یا رسول اللہ؟ فرمایا: جو راستہ میں قضاء حاجت کرے۔

جب عام گذرگاہوں پر کسی بھی ایسے کام سے منع کیا گیا ہے، جس سے گذرنے والوں کو تکلیف پہنچے تو اسلام اس بات کو کس طرح گوارا کرسکتا ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے، جو نہ صرف اس کی؛ بلکہ اس پر رہنے اور بسنے والوں کی تباہی وبربادی کا سبب بنے ، لہٰذا کچڑوں کا ڈھیر، صنعتی فضلات اور تابکاری مواد وغیرہ کو زمین پر یونہی چھوڑ دینا یا غیر محفوظ طور پر اسے دفن کرنا، اسی طرح کیمیائی کھاد اور زہریلی ادویات کا بے تحاشا استعمال جو زمین کو نقصان پہنچانے کے علاوہ پورے ماحول کو نقصان پہنچائے، اس کی کس طرح اجازت ہوسکتی ہے، زمین کے تحفظ اور اسے آلودگی سے پاک رکھنے سے متعلق جو تعلیمات نبوی موجود ہیں اس کی روشنی میں یہ سب جرم تصور کیا جائے گا اس لئے کہ اسلام اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتا کہ زمین پر فساد اور بگاڑ والا کام کیا جائے :

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ (۴)

زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۷۸۔
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۷۔
(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۵۔
(۴) اعراف: ۸۶۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۔ (۱)

اس سرزمین پر فساد پھیلانے کی کوشش مت کرو، اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

ہوا

ہوا اللہ کی عظیم نعمت ہے، ہر زندہ وجود خواہ وہ انسان ہو، حیوان ہو یا نباتات، ان سب کے بقا کی ڈور ہوا سے ہی بندھی ہوئی ہے، یہ ہوا ہی ہے، جو بادلوں کو اپنے دوش پر بٹھا کر مختلف جگہوں تک پہنچاتا ہے؛ تاکہ وہ وہاں زندگی اور سرسبزی وشادابی کی سوغات بانٹے، یہ نباتات کے ثمر بار ہونے کی راہیں بھی ہموار کرتا ہے اور کشتی رانی میں مدد دے کر ہمارے حمل ونقل کے کام کو آسان بناتا ہے۔

ہوا ہمیشہ ہی اہل علم کی توجہ کا مرکز رہا ہے؛ چنانچہ قدیم زمانہ سے ہی اس پر بڑے پیمانہ پر مقالات وکتابیں وغیرہ لکھی جاتی رہی ہیں، حکماء کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ انسانی مزاج، خوشی وغم یہاں تک کہ ان کی اخلاقی ونجی حالت تک کا تعلق اس سے ہوتا ہے، ہوا کے بدلنے کے ساتھ ہی سب کچھ بدل جاتا ہے، ہوا آکسیجن، نائیٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ گیسوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس میں آکسیجن وہ اہم گیس ہے، جو جانداروں کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے، اس کی مقدار ہوا میں صرف اکیس فیصد ہے؛ چوں کہ تمام جاندار اسی پر انحصار کرتے ہیں؛ لہٰذا ہوا میں اس کی مناسب مقدار کے موجود رہنے کے لئے قدرت نے درختوں کو آکسیجن کی تیاری کے کام پر لگا دیا ہے، ماہرین کا کہنا ہے کہ صرف ایک درخت اتنا آکسیجن فراہم کرتا ہے، جو ستر انسانوں کے لئے کافی ہے، درختوں کی اس اہمیت کی وجہ سے اسلام میں شجرکاری پر بہت زور دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی خاص طور پر حوصلہ افزائی فرمائی ہے :

ما من مسلم غرس غرسا فأكل منه انسان أو دابة الا كان له صدقة ۔ (۲)

کسی مسلم کے لگائے ہوئے درخت سے اگر کسی انسان یا حیوان نے کھالیا تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔

شجرکاری کی حوصلہ افزائی کے علاوہ آپ ﷺ نے غیر ضروری درختوں کے کاٹنے سے بھی منع فرمایا ہے :

لا تقطعوا الشجر فانه عصمة للمواشي في الجدب ۔ (۳)

درختوں کو مت کاٹو اس سے جانوروں کا تحفظ ہوتا ہے۔

من قطع سدرة صوب الله راسه في النار ۔ (ابوداؤد)

جس نے بیری کے درخت کو کاٹا تو وہ جہنم رسید ہوگا۔

---

(۱) القصص: ۷۷۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۱۲۔ (۳) مصنف عبدالرزاق: ۱۴۶/۵۔

ہوا کی صفائی کا جو فطری نظام موجود ہے، درختوں کی کٹائی اسے متاثر کردیتی ہے؛ اس لئے کہ یہ درخت ہی ہیں جو ہوا میں شامل ہوجانے والے گرد وغبار کو روکتے ہیں، کاربن ڈائی آکسائیڈ کو آکسیجن میں تبدیل کرتے ہیں، جس سے ہوا خالص اور صحت بخش بنی رہتی ہے، یہ پانی کے بہاؤ سے مٹی کی کٹائی کو بھی کم کرتا ہے، اس کے علاوہ پرندوں اور حیوانوں کو محفوظ ٹھکانا فراہم کرکے ہماری زندگی کی بہتری اور خوبصورتی میں تعاون کرتا ہے۔

ہوا جیسی اہم نعمت جسے قدرت کی جانب سے وافر مقدار میں مفت فراہم کیا گیا ہے، انسان کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے دن بدن مسئلہ بنتی جارہی ہے، صاف اور خوشگوار ہوا کا حصول اب کتنا مشکل ہوتا جارہا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چین میں بعض ایسی ہوٹلیں وجود میں آچکی ہیں، جو اپنے گاہکوں سے صاف ہوا کی فراہمی کے لئے الگ سے پیسے وصول کرتی ہیں؛ اس لئے کہ شہروں کی ہوائیں کچھ زیادہ ہی آلودہ ہوچکی ہیں، ہوا کی آلودگی میں جوہری تابکاری، خطرناک اسلحوں کا بے تحاشہ استعمال، کیمیکل مصنوعات، دھواں اگلتی فیکٹریاں اور دن رات کاربن بکھیرتی موٹر گاڑیوں کا ہجوم اہم کردار ادا کررہے ہیں، جن کی وجہ سے ہوا ۶۰ فیصد سے زیادہ آلودہ ہوچکی ہے، جس سے سبھی زندہ اجسام کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے، خاص طور پر کیمیکل سے ہونے والی آلودگی جین کو متاثر کررہی ہے، ہوا کی آلودگی سے نظام تنفس بری طرح متاثر ہوتا ہے، نفسیاتی امراض، امراض قلب اور پھیپھڑے کا کینسر تو عام سی بات ہے، یہ کہر کی زیادتی کا بھی سبب بنتا ہے جو موسم کو خراب کرنے کے علاوہ آبی جانداروں کو شدید نقصان پہنچاتا ہے اور بڑے پیمانہ پر ان کی موت کا سبب بنتا ہے، اس کے علاوہ نباتات بھی اس کی وجہ سے مختلف امراض کا شکار ہوجاتے ہیں، جس سے پیداوار میں کمی ہوتی ہے، ہوائی آلودگی اوزون کی سطح میں شگاف کا اہم سبب ہے جو سورج کی اضافی حرارت کو کرہ ارض تک پہنچنے سے روکتا ہے، اس کی وجہ سے زمین پر درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، جس سے بہت سے سنگین مسائل پیدا ہورہے ہیں۔

ہوا کی آلودگی کی اہم وجوہات میں سے ایک آتش بازی کا بڑھتا ہوا استعمال بھی ہے، جس کے لئے اب کسی تقریب کی مناسبت ضروری نہیں؛ بلکہ جب بھی کسی کا سر پھر جاتا ہے، وہ دو چار کریکر پھوڑ کر اپنی شیطانی آتما کی شانتی کا انتظام کرلیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہوا کی آلودگی کا گراف مزید دو چار ڈگری اوپر چڑھ جاتا ہے؛ جب کہ دیوالی کا تہوار جو کبھی روشنیوں کا تہوار ہوا کرتا تھا، اب بدترین ہوائی آلودگی کا تہوار بن چکا ہے؛ اس لئے کہ اس دن سروں میں جنون آلودگی کا سودا اس بری طرح سمایا ہوتا ہے کہ شہروں کی ہوا ۹۰ فیصد سے زیادہ آلودہ ہوجاتی ہے، دھماکوں کی خوفناک آوازیں اس پر مستزاد ہیں، جو قلب وسماعت پر اس طرح تازیانے برساتی ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کے دل خوف سے لرز لرز جاتے ہیں، اسلام میں اس قسم کی وحشت ودیوانگی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی چیزوں سے سختی سے منع فرمایا ہے :

لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً ۔ (۱)

کسی کو بلاضرورت خوف زدہ کرنا درست نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اسلام میں تیز اور کرخت آواز کو بھی ناپسند کیا گیا ہے :

عن أبي امامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره أن يرى الرجل جهيرا رفيع الصوت ۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ اونچی آواز والے شخص کو پسند نہیں کرتے تھے۔

جہاں تیز آواز کو ناپسند کیا گیا ہو، وہاں بینڈ باجے، لاؤڈ اسپیکر اور ہنگامہ وحشرات کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے، جو نہ صرف گردوپیش بلکہ ہواؤں کے دوش پر سوار ہوکر دور دراز تک پہنچ کر لوگوں کے امن وسکون کو غارت کردے، اس سے انسان نہ صرف دوسروں کو؛ بلکہ خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچاتا ہے، فرمان رسول: ''لا ضرر ولا ضرار'' کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے؛ لہٰذا انسان کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ عقل وخرد سے کام لے اور ہوا جیسی عظیم نعمت کی قدر کرے، اس کے تحفظ کی فکر کرے اور ان اسباب وعلل پر فوری روک لگائے جو ہوا کی آلودگی کا سبب بنتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی بڑھتی ہوئی حرص وہوس اور شرپسندی وفسادی مزاج نے ماحولیات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور کائنات میں موجود فطری توازن کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ کائنات کا کوئی ایسا گوشہ نہیں، جہاں ان کے شروفساد کی گہری چھاپ نظر نہ آتی ہو :

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ۔ (۳)

لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے ہر جگہ بحر وبر میں فساد پھیل گیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو ماحولیاتی آلودگی کے خطرات کا کافی حد تک احساس ہو چلا ہے اور اس کے تدارک کے لئے انفرادی واجتماعی ہر سطح پر کوششیں کی جارہی ہیں؛ لیکن یہ جزوی نوعیت کی کاروائی مسئلہ کا کوئی پائیدار حل نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مکمل اور پائیدار حل تعلیمات نبوی کو مکمل طور پر اپنا لینے میں ہے، جس میں ماحولیات کی اصلاح اور اس کے تحفظ کے لئے جامع نظام موجود ہے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اس کے مطابق اپنے سماج اور اپنی دنیا کو بدل دے :

بدل دیا نہ اگر آدمی نے دنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں

• • •

(۱) أبوداؤد، حدیث نمبر: ۵۰۰۰۔ (۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۳۲۶۷۔ (۳) الروم: ۴۱۔

تقسیم دولت اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولانا تنظیم عالم قاسمی ◆

مال و دولت انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے اور نہ اپنے متعلقین کی؛ اسی لئے شریعت اسلامی نے اپنے پیروکاروں کو کسب معاش کی ترغیب دی ہے، اور انھیں مختلف انداز سے سامانِ رزق تلاش کرنے پر اُبھارا ہے، ارشاد باری ہے :

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِن فَضْلِ الله ۔ (۱)

پھر جب نماز پوری ہوجائے تو تم خدا کی زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

ایک جگہ ارشاد ہے :

وَلَا تَنسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۔ (۲)

اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی مسلمانوں کو معاشی جدوجہد کی مختلف ارشادات کے ذریعے ہدایت دی ہے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذا صليتم الفجر فلا تنوموا عن طلب أرزاقكم ۔ (۳)

جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر سونے اور آرام کا نام نہ لو۔

تلاشِ رزق اور معیشت کی جستجو کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صبح سویرے عبادت سے فراغت کے فوراً بعد تجارت، صنعت وحرفت، محنت اور جدوجہد کے ذریعے کسبِ معاش کا حکم دیا ہے، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جو اپنی اور اپنے ماتحت افراد کی کفالت نہیں کرسکتا، وہ اپنے دین وایمان کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک موقع پر فقر وفاقہ کی وجہ سے کفر کے اندیشے کا اظہار فرمایا ہے۔ (۴)

◆ استاذ: دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

(۱) جمعہ:۱۰۔　(۲) قصص:۷۷۔

(۳) کنزالعمال، حدیث نمبر:۹۲۹۹۔　(۴) شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر:۶۱۸۸۔

حلال اور طیب طریقے سے مال کمانے اور معیشت کے وسائل اختیار کرنے کی آزادی ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے، تجارت اور کھیتی کرنے اور صنعت وحرفت کے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں، جن کا مقصد لوگوں کو اقتصادو معیشت پر اُبھارنا اور دنیا کو بہتر بنانا ہے؛ تاہم اسلام نے یہ نظریہ دیا ہے کہ جو مال بھی حاصل ہو، اس میں دوسروں کا بھی حق تصور کیا جائے، یہ سوچ اور عمل قابل مذمت ہے کہ ہم عیش وعشرت میں رہیں، راحت کے تمام وسائل اپنے لئے اکھٹے کر لئے جائیں اور دوسروں کو جو کسی وجہ سے نان شبینہ کے بھی محتاج ہیں، جو معذور اور بے کس ہیں، ان کو اپنے حال میں چھوڑ دیا جائے اور ان کی خبر گیری نہ کی جائے، یہ بخل ہے، جو اسلام کی نظر میں قابل مذمت ہے :

وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (۱)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لئے اچھی ہے، نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے، جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔

اس طرح کے مختلف نصوص وارد ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ دولت اور جائداد چند افراد یا چند صنعتی گھرانے تک محدود نہ رہیں؛ بلکہ وہ لوگوں کے درمیان گردش کرتی رہے اور اللہ کے تمام بندوں کے لئے اس سے استفادہ ممکن ہو سکے، یہ نظام اس سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے، جس کی بنیاد احتکار و اکتناز پر ہے، جس میں عوام کی فلاح وبہبود سے قطع نظر ساری دولت اور جائداد کو مخصوص طبقے کی ذاتی ملکیت سمجھ لی جاتی ہے، مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور امانت بھی، اسے تمام بندوں تک پہنچنا چاہئے؛ اس لئے اسلام اس نظام کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا، جس میں چند سو، یا چند ہزار، یا چند لاکھ، انسانوں کی خوشحالی، عیش پسندی، اور راحت کوشی کی قربان گاہ پر کروڑوں انسانوں کی بھینٹ چڑھادی جائے، محتاج ومسکین، بیوہ اور یتیم روتے اور بلکتے رہیں اور کوئی ان کی اشک شوئی کرنے والا نہ ہو، رسول اکرم ﷺ نے معاشی نظام کی بنیاد محبت وہمدردی اور اُخوت و بھائی چارگی پر رکھی ہے، ایسا نظام جس میں مفاد عامہ اور حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو، اسی لئے آپ ﷺ نے دولت پیدا کرنے کے ان تمام طریقوں کو ممنوع قرار دیا، جن میں محنت کے بغیر دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، یا جن صورتوں میں آپسی رضامندی کے بجائے دھوکہ اور فریب کا دخل ہوتا ہے، جیسے سود، رشوت، جوا، سٹہ بازی وغیرہ، سود کی لعنت اور اس کی خرابی سے

(۱) آل عمران:۱۸۰۔

ہر شخص واقف ہے کہ کس طرح ایک مالدار اور دولت کی ہوس رکھنے والا سود کے ذریعے غریبوں کا خون چوستا ہے اور ناحق ان کے پیسوں کو اپنے ذخیرے میں شامل کر لیتا ہے، رشوت میں دی جانے والی رقم بھی مجبوری کے طور پر پیش کی جاتی ہے، اس میں دینے والے کی رضا مندی شامل نہیں ہوتی؛ اسی طرح جوا اور سٹہ بازی کی تمام صورتوں میں فریب اور دھوکہ پایا جاتا ہے، اس کے ذریعے ایک شخص بلاوجہ اپنی دولت سے محروم ہوجاتا ہے؛ اس لئے اسلام نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا؛ اسی طرح اسلام نے احتکار کی تمام صورتوں سے بھی منع فرمایا، جن میں سرمایہ دار غلہ اور دیگر سامان ضرورت کو روک کر اس کی قیمت کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے، اس میں تاجرین اور صنعت کاروں کا فائدہ اور ضرورت مندوں کا بڑا نقصان ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے احتکار کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔(۱)

سرمایہ دارانہ نظام سے لوگوں کو بچانے کے لئے ایک طرف آپ ﷺ نے احتکار و اکتناز کی صورتوں سے ممانعت فرمائی اور دوسری طرف افراد سے کچھ لازمی و اخلاقی حقوق بھی وابستہ کئے کہ ان حقوق کی ادائیگی کے بعد معاشرہ جمع دولت کے مذموم طریقہ سے نجات پا جائے گا اور دولت مخصوص حلقوں تک محدود رہنے کے بجائے عام انسانوں تک پہنچے گی، ان حقوق اور پابندیوں کا مقصد خود قرآن نے بیان کیا ہے :

كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۔ (۲)

یہ اس لئے تا کہ دولت چند دولت مند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

لازمی حقوق — ایک نظر میں!

زکوٰۃ : کسی کے پاس مال جمع ہوجائے اور وہ اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہو تو ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر ملکیت جمع ہونے پر وہ صاحب نصاب کہلاتا ہے، اب اس پر محصول کا چالیسواں حصہ واجب الاداء ہوگا، رسول اکرم ﷺ نے سونے چاندی کا نصاب بیان کرنے کے ساتھ اموال ظاہریہ اونٹ، گائے، بھینس، بکری، گھوڑے وغیرہ کا بھی نصاب تفصیل سے بیان فرمایا ہے؛ اسی طرح زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ جس کو عشر کہا جاتا ہے، واجب ہے، احادیث میں اس کا بھی نصاب مقرر ہے، زکوٰۃ خواہ اموالِ ظاہریہ کی ہو، یا اموال باطنیہ کی، اس کے وجوب کا مقصد دولت کی تقسیم ہے؛ تا کہ مال چند اشخاص تک محدود نہ رہے، آپ ﷺ نے اس غرض کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''**تؤخذ من اغنیائھم فترد علیٰ فقرائھم**''(۳) ''زکوٰۃ مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کردی جائے گی'' جس پر زکوٰۃ فرض ہے، اس کے پاس ضرورت سے زیادہ مال

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۲۱۶۴۔ (۲) الحشر: ۷۔
(۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۹۶۔

ہوتا ہے؛اس لئے ایک خاص مقدار میں اس کے ملک سے دولت منتقل کر کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی ہے؛ تا کہ خوشحالی چند لوگوں تک محدود نہ رہے؛ بلکہ اس سرزمین پر بسنے والا ہر شخص راحت کی زندگی گذار سکے، ماہرین اقتصادیات نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ معاشی اور معاشرتی مسئلے کا بڑا حل ہے، اگر تمام اہل ثروت حساب سے صحیح صحیح زکوٰۃ نکالیں اور اس کو ایک ضابطہ اور نظام کے ساتھ ملی ضرورتوں پر صرف کیا جائے تو مسلمانوں کا ایک یتیم بچہ اور ایک لاوارث بیوہ بھی نان نفقہ کا محتاج نہ رہے، کوئی اندھا، لنگڑا، اپاہج اور معذور نان شبینہ کا محتاج نہ رہے اور مسلمانوں کے وہ تمام کام جو روپے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہو رہے ہیں، بہتر انداز میں جاری رہ سکتے ہیں؛ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عاملین کا تقرر فرمایا اور اس فریضہ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرمائی۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من آتاه الله مالا فلم يؤدّ زكوٰته مثل له ماله يوم القيامة شجاعاً اقرع ، له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ثم يأخذ بلهز ميته ثم يقول انا مالک انا کنزک ۔ (۱)

جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کے مال کو گنجا سانپ کی شکل دی جائے گی، جس کے دو سیاہ نقطے ہوں گے اور اسے اس کے گردن میں طوق پہنا دیا جائے گا، پھر وہ سانپ اس کے جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا میں تمہارا مال اور خزانہ ہوں۔

قرآن میں بھی نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ستر سے زائد مرتبہ بیان کیا گیا ہے، جس سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

صدقۃ الفطر : یہ بھی زکوٰۃ کی ایک قسم ہے، شوال کی پہلی تاریخ عید کے دن ہر صاحب نصاب پر اس کی جانب سے اور تمام زیر کفالت افراد کی جانب سے اس کا نکالنا واجب ہوتا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو یا نصف صاع گیہوں وغیرہ دیا جاتا ہے، اس کی وصولی کے لئے بھی عہد نبوی میں عامل مقرر تھا، اس کے وجوب کی اہم حکمت یہ ہے کہ مالداروں کے ساتھ غرباء بھی عید کی خوشی میں شامل ہوں، ایسا نہ ہو کہ اہل ثروت اور سرمایہ کار نئے نئے کپڑے پہن کر عید کی خوشیاں منائیں اور شہر کے غرباء و مساکین فقر و فاقہ کے شکار رہیں، یہ دولت محتاجوں میں صدقۂ فطر کے طور پر تقسیم ہوگی تو انھیں بھی خوشی میں شامل ہونے کا موقع ملے گا، اسی لئے عید سے قبل ہی صدقۂ فطر ادا کر دینا مستحب ہے۔

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۰۳۔

صدقات واجبہ : زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کے علاوہ بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں، جب کہ مالداروں پر اپنے سرمایہ کا لگانا واجب ہوتا ہے، جیسے جہاد اور رفاہ عامہ کے اہم مواقع، اسی طرح بعض ہنگامی حالات میں اہل ثروت پر انفاق واجب ہے، جیسے زلزلہ، طوفان، قحط سالی، اسی طرح فرقہ وارانہ فسادات کے موقعوں پر بعض لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں، ان کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کی ایک بوند کے لئے وہ محتاج ہو جاتے ہیں، اس طرح کے حالات میں سرمایہ داروں پر اپنی دولت خرچ کرکے ان کو سہارا دینا واجب ہے۔

والدین و اولاد کا نفقہ : ایک شخص کے مال و دولت میں سب سے پہلے اس کی ذات کا حق وابستہ ہوتا ہے، کھانا پینا رہنا سہنا، دوا و علاج اور بھی مختلف ضروریات اپنے مال سے پوری کی جائیں گی، اس کے بعد بیوی، اولاد، والدین اور دیگر محرم رشتہ دار جو محتاج ہوں اور ان میں کسب معاش کی صلاحیت نہ ہو، بقدر گنجائش ان سب کا نفقہ ایک شخص پر واجب ہوتا ہے، شریعت نے اپنے اقرباء اور خاندان پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی ترغیب دی ہے اور ان کو اپنی دولت کے ذریعے راحت رسانی پر اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر 'ابدأ بنفسک' (۱) (اپنی ذات سے ابتداء کر) اور ایک موقع پر 'ابدأ بمن تعول' (۲) (جو لوگ تیری کفالت میں ہیں، ان سے شروع کر) کے ذریعے خاندان کے تمام لوگوں پر نان نفقہ اور دیگر ضروریات کی شکل میں دولت کی تقسیم کی تاکید کی ہے۔

قانون وراثت : زمانہ جاہلیت میں وراثت کی تقسیم کا کوئی معقول نظام نہیں تھا، لڑکیوں یا عورتوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اسی طرح چھوٹے لڑکے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے، صرف بڑے بیٹے ورثہ پاتے اور بڑے بیٹے کی غیر موجودگی میں متوفی کا کوئی دوسرا رشتہ دار مثلاً باپ یا بھائی ورثہ پاتا؛ کیوں وہ صرف ان ہی لوگوں میں ورثہ تقسیم کرتے، جن میں دشمن سے جنگ کرنے کی صلاحیت ہوتی اور یہ لازمی نہیں تھا کہ متوفی کی ذریت ہی ورثہ پائے؛ بلکہ اگر کسی کو اولاد نرینہ نہ ہوتی تو وہ کسی کو متبنیٰ (لے پالک بیٹا) بنالیتا اور اپنی تمام دولت اس متبنیٰ کے لئے چھوڑ جاتا، اس طرح ان کی دولت تقسیم نہیں ہوتی اور چند مخصوص ہاتھوں میں دولت گردش کرتی رہتی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد وراثت کا مکمل اسلامی قانون نافذ کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں تفصیل سے بیان کیا ہے، تقسیم دولت میں اس قانون کو بڑی اہمیت حاصل ہے، وہ لوگ جو بڑے بڑے زمیندار تھے اور تاحد نظر ان کی اراضی پھیلی ہوئی تھیں، اس قانون وراثت کے ذریعے کچھ ہی عرصے میں چند کھیتوں کی شکل میں ان کی زمینیں تقسیم ہوگئیں اور یہ جائداد مخصوص افراد کے بجائے خاندانوں کے درمیان پھیل گئی، سرمایہ داری

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۰۶۔ (۲) صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۲/۴، حدیث نمبر: ۲۴۵۱۔

اور اکتناز کی جو بھی شکل ہو، اسلام کے دیئے ہوئے اس قانون نے اس کی کمر توڑ دی، اس قانون وراثت کی وجہ سے لاکھوں اور کروڑوں کے خزانے دیکھتے ہی دیکھتے ایک آدمی کی ملکیت سے نکل کر مختلف افراد کے درمیان بکھر جاتے ہیں اور کوئی مخصوص فرد دولت پر قابض نہیں ہوسکتا، شروع میں بعض افراد نے اس کی مخالفت کی؛ مگر جب انھیں تقسیم دولت کی شکل میں اس قانون وراثت کی افادیت محسوس ہوئی تو اس کو قانون رحمت سمجھا جانے لگا اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔

بہرحال دنیائے انسانیت پر اس قانون وراثت کا عظیم احسان ہے کہ اس نے سرمایہ دارانہ مذموم سسٹم کے خلاف سب سے پہلے اعلان جنگ کیا اور تقسیم دولت کی ایسی راہ کھولی جس سے جائداد افراد کے درمیان چلتی پھرتی نظر آنے لگی، یہ اور اس طرح کے بعض فرائض اہل ثروت اور مالداروں پر لازم کئے گئے جن سے دولت کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں، ہزاروں انسان چند افراد کی جائداد سے نفع اُٹھا سکتے ہیں اور آج جن علاقوں اور سماج میں شریعت کے مقرر کردہ ان فرائض پر عمل ہے وہاں غربت و افلاس کی زندگی نظر نہیں آتی، ملک اور سماج کے تمام باشندے خوشحال زندگی بسر کررہے ہیں۔

اخلاقی ذمہ داریاں

صدقات نافلہ : دولت کی تقسیم اور سرمایہ داری کی روک تھام میں صدقات نافلہ کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، اس میں وہ تمام طریقے داخل ہیں، جن سے کسی محتاج کی مالی مدد ہوسکے، لینے والا خواہ مالدار ہو یا غریب، خاندان کا فرد ہو یا اجنبی، جس قبیلے سے بھی اس کا تعلق ہو، اگر وہ پریشان حال ہے تو اس پر اجر وثواب کی نیت سے انفاق صدقات نافلہ میں داخل ہے، یہاں تک کہ بیوی بچے، والدین اور اقرباء پر بھی خرچ کرنے کو احادیث میں صدقات نافلہ سے تعبیر کیا گیا ہے، رسول اکرم ﷺ نے صدقات نافلہ اور انفاق پر مختلف انداز سے آمادہ کیا ہے اور سرمایہ داروں کو ترغیب دی ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنی دولت سے غرباء اور مساکین کو نفع پہنچائیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے اسے خرچ کریں، اس سے دولت اگرچہ دنیا میں تقسیم ہوگی، مگر یہ آخرت کا سرمایہ ثابت ہوگا اور رضائے الٰہی حاصل ہوگی، جو ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی دولت ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سواری اور قوت وطاقت کا سامان اپنی ضرورت سے زیادہ ہو، اسے چاہئے کہ اس زائد سامان کو اس کے سپرد کردے، جو اس سے محروم ہے اور جس شخص کے پاس کھانے پینے کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو تو اسے بھی چاہئے کہ وہ زائد سامان اس شخص کے حوالہ کردے جس کے پاس وہ سامان موجود نہ ہو، حضرت ابوسعید فرماتے ہیں: حضور ﷺ اس طرح

مختلف قسم کے سامانوں کا ذکر کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کرلیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو زائد از ضرورت سامان اپنے قبضہ میں رکھنے کا کوئی حق نہیں۔(۱)

ایک روایت میں ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین ہو، وہ اپنی زمین کسی محتاج کو دے دے؛ تاکہ وہ اس سے نفع اُٹھا کر اپنا احتیاج دُور کر سکے، اسی طرح دودھ دینے والی اونٹنی اگر کسی کے پاس زائد ہو اور قرب وجوار میں فقر وفاقہ کا کوئی شکار ہے تو اس کو دے کر اس کا فقر دور کرنے میں مدد کرے، مشہور محدث علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے اس طرح کی مختلف روایات نقل کرنے کے بعد بطور خلاصہ لکھا ہے :

> ہر بستی کے دولت مندوں پر فرض ہے کہ وہ محتاجوں اور ناداروں کے روٹی کپڑے کے ذمہ دار وکفیل ہوں اور اگر سرکاری خزانہ (بیت المال) ان غریبوں کی ضرورتوں میں کافی نہ ہو تو خلیفہ برحق دولت مندوں کو ان کی کفالت و پرورش پر مجبور کرسکتا ہے، اور بنیادی انسانی ضروریات کے لئے کم سے کم یہ لازمی ہے کہ ان کے لئے روٹی کپڑے اور رہنے کے لئے مناسب مکان کا انتظام کیا جائے۔(۲)

رسول اکرم ﷺ نے صرف ہدایت ہی نہیں؛ بلکہ اس پر عمل بھی کر کے اُمت کو بتایا اور انفاق کا بہتر اُسوہ آپ نے چھوڑا ہے، آپ ﷺ کا جود وسخا آندھی کی طرح تیز تھا، کہیں سے کوئی مال آتا تو جب تک وہ تقسیم نہ ہوتا، آپ ﷺ کو چین نہ آتا، ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، اس لئے فوراً جا کر اہل خانہ کو اسے خیرات کرنے کی ہدایت دے دی۔(۳)

ایک مرتبہ ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ سے بکریاں دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔(۴)

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے گذر رہا تھا، آپ ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا، ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے۔(۵)

(۱) صحیح مسلم:۱۸-۱۷۲۸۔ (۲) المحلی:۶/۱۵۶۔ (۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر:۱۲۲۱۔
(۴) صحیح مسلم:۵۷-۱۲۲۳۔ (۵) سنن دارمی، حدیث نمبر:۲۸۰۹۔

کتب سیر میں اس طرح کے متعدد واقعات منقول ہیں، جن سے رسول اکرم ﷺ کے غیر معمولی جود وسخا اور ایثار و ہمدردی کا علم ہوتا ہے، گویا آپ ﷺ نے تقسیم دولت کا یہ بے مثال اُسوہ اُمت کو دیا ہے، اور اس طرح دنیا کو جائداد کی ذخیرہ اندوزی سے بچاتے ہوئے ہمدردی واُخوت کے حِس کو بیدار کرنے کی تعلیم دی ہے، جس کی مثال اقوام عالم کے رہنماؤں کی سیرت میں نہیں پائی جاتی۔

اوقاف : اسلام نے اہل ثروت پر جو اخلاقی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، ان میں وقف کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے، عام طور پر انسان میں دولت وجائداد کی محبت غیر معمولی طور پر پائی جاتی ہے، پوری زندگی ان وسائل کی نہ صرف حفاظت؛ بلکہ فروغ میں لگا دیتا ہے، جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے اور اس میں بڑی دلچسپی سے کام لیتا ہے، حاجت مندوں کی اعانت اور غریب افراد کی امداد میں ہزار بار سوچتا ہے اور بڑی مشکل سے دولت کا کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، رسول اکرم ﷺ نے ان افراد کو یہ کہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ دلائی کہ مرنے کے بعد محنت سے کمایا ہوا سارا سرمایہ تمہارے وارثین کا ہو جائے گا اور تمہیں بعد میں بڑا افسوس ہوگا کہ ہم نے اپنی دولت کو خرچ کرکے آخرت کے لئے سامان فراہم کیوں نہیں کیا، اگر تم چاہتے ہو کہ موت کے بعد یہ افسوس نہ کرنا پڑے تو صدقۂ جاریہ کے طور پر اپنی زندگی ہی میں دولت کا کچھ حصہ وقف کردو، جس سے فقراء، مساکین اور حاجت مند استفادہ کریں گے اور اس کا ثواب تمہارے خزانے میں جمع ہوتا رہے گا، روایت کے الفاظ ہیں :

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة : صدقة جارية ، اوعلم ينتفع به او ولد صالح يدعوله ۔ (۱)

جب انسان مرجاتا ہے اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں، مگر تین مستثنیٰ ہیں، ایک صدقۂ جاریہ، دوسرا علم نافع، تیسرا نیک اولاد، جو ان کے حق میں دُعا گو رہیں۔

قانون ہبہ : جائداد اور دولت کی تقسیم میں قانون ہبہ بھی بہت مفید ہے، اس کے ذریعے ایک متمول شخص اپنا فاضل مال دوسرے کی ملکیت میں دے دیتا ہے، فقراء اور مساکین کو ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے کوئی مال ہبہ کیا جائے تو اس میں تقسیم دولت بھی ہے، اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا اجر وثواب بھی اور اگر کسی خوشحال کو ہبہ کرے تو اس میں باہمی محبت ومؤدت کے قیام واستحکام کا فائدہ ہے اور دولت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے، اس قانون کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تهادوا تحابوا، (۲) ''آپس میں ہدیہ کا لین دین کرکے محبت کا ماحول پیدا کرو''۔

(۱) صحیح مسلم: ۱۴-۱۶۳۱۔ (۲) الادب المفرد: ۵۹۴۔

جب سے سرمایہ داری کا ذہن عام ہوا ہے، ہبہ پر عمل بھی کم ہوتا چلا گیا اور لوگ اپنے مال پر اس طرح قبضہ کر بیٹھے کہ گویا یہی ان کا مقصد حیات ہے، اس کی وجہ سے بھائی بھائی میں نفرتیں پیدا ہوگئیں اور ہر شخص زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی ریس میں لگا ہے، اگر ہدیہ کا لین دین عام ہوجائے تو اُخوت اور بھائی چارگی کی فضا قائم ہوگی اور محتاجوں کی ضروریات کی بھی تکمیل ہوگی۔

وصیت : تقسیم دولت کے طریقوں میں سے وصیت بھی ایک طریقہ ہے، حالت صحت میں وسائل اکٹھا کرنے میں لوگ لگے رہتے ہیں؛ لیکن جب بیماری اور بالخصوص مہلک بیماری انھیں لگ جاتی ہے تو اب آخرت کی فکر ہوتی ہے اور اس کی کامیابی کے لئے ساری دولت لٹا دینے کے لئے تیار رہتے ہیں، مگر اس حالت میں وارثین کا حق دولت سے وابستہ ہوجاتا ہے، ہاں البتہ شریعت نے تہائی مال میں اختیار دیا ہے کہ وہ اتنی مقدار کار خیر میں خرچ کر سکتے ہیں، فی الفور دینے کے بجائے اگر کوئی موت کے بعد خرچ کرنے کی وارثین کو ہدایت دے دے تو یہ وصیت ہے، جس کا کتب احادیث وفقہ میں مستقل باب ہے، رسول اکرم ﷺ سے وصیت کے اُصول وضابطے اور اس کے آداب پر مختلف ارشادات منقول ہیں۔

عارضی اعانت : تقسیم دولت کی بعض ایسی صورتیں بھی احادیث میں موجود ہیں، جن میں اگرچہ ارباب ثروت اور سرمایہ داروں کی ملکیت ختم نہیں ہوتی اور وقت مقررہ پر ان کی دولت لوٹ آتی ہے، تاہم عارضی طور پر ہی سہی، حاجت مندوں کی حاجت پوری ہوتی ہے اور وقتی تڑپ اور بے چینی ان کی دور ہوتی ہے، جیسے قرض حسنہ، امانت اور عاریت وغیرہ۔

رسول اکرم ﷺ نے ضرورت مندوں کو قرض دینے کی مختلف انداز میں ترغیب دی ہے، اور اس کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

> ما من مسلم یقرض مسلما قرضا مرۃ الا کان کصدقتها مرتین ۔(۱)
> جو مسلمان کسی مسلمان کو ایک بار قرض دے گا تو اس کا اتنا ثواب ملے گا گویا اس نے دومرتبہ اتنی رقم راہ خدا میں دی۔

دوسری روایت میں ہے: الصدقۃ بعشر امثالها والقرض بثمانیۃ عشر ،(۲) ''صدقہ دینے کا ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا'' آپ ﷺ نے دولت مندوں کو یہ بھی تلقین کی کہ قرض داروں سے سختی سے پیش نہ آئیں ڈھیل اور نرمی سے کام لیں، دوسری طرف قرض خواہوں کو بھی بد دیانتی اور عہد شکنی سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۵۲۴۔ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۵۲۵۔

اسی طرح اگر صاحب ثروت شخص کسی کے پاس امانت رکھے اور امین کو بوقت ضرورت اس کے استعمال کی اجازت دے دے، اس سے سرمایہ بھی محفوظ رہے گا اور حاجت مند امین کی ضرورت بھی پوری ہوگی؛ البتہ امین کو دھوکہ اور فریب سے بچنے کی سخت تنبیہ کی گئی ہے۔

عاریت بھی اخلاقی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری ہے، عاریت کا مطلب کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی ملکیت بنا دینا ہے، انسانی سماج میں اس کی ضرورت واہمیت اور اس کی منفعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ انسان خواہ کتنا ہی مالدار ہو، کبھی نہ کبھی کسی ایسی چیز کی ضرورت پیش آہی جاتی ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی اور بسا اوقات بروقت نہ ملنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے، خاص طور پر نچلے طبقے کے افراد کو عاریت کی ضروت بکثرت پیش آتی ہے، قرآن کریم میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے، جو ایسے مضطر اور نادار افراد کی اعانت سے گریز کرتے ہیں، ارشاد باری ہے: وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ، (۱) ’’اور ان کے لئے بھی ہلاکت ہے، جو برتنے کی چیز کو عاریت پر نہ دیں‘‘۔

اس آیت میں معمولی چیزیں بھی داخل ہیں اور قیمتی چیزیں بھی، بہر حال یہ اخلاقی بلندی اور ایثار و ہمدردی کے قبیل سے ہے کہ پریشان حال لوگوں کی وقتی پریشانی دور کی جائے اور ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، ایسے وقت انسانی حِس کو بیدار کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ان صورتوں میں اگر چہ دولت مندوں کی دولت پھر لوٹ آتی ہے، مگر عارضی طور پر دولت ان کے قبضے سے نکل کر سماجی فائدے کے لئے چلتی پھرتی نظر آتی ہے، اور یہ بھی تقسیم دولت کا ایک شعبہ ہے؛ اسی لئے احادیث میں ان چیزوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک میں دولت کی خواہ کتنی ہی افراط کیوں نہ ہو، اگر تقسیم صحیح اُصولوں پر نہ ہو تو ملک کی صلاح وفلاح نہیں ہوسکتی، نہ وہاں سے غربت کا خاتمہ ہوگا اور نہ محتاجگی دور ہوگی، دولت اور وسائل پر چند افراد کا قبضہ ہوگا، خوشحالی مخصوص خاندانوں میں گھِر کر رہ جائے گی، وہ عیش وعشرت کی زندگی گذاریں گے، جب کہ ملک کے اکثر افراد افلاس کے شکار ہوکر کسمپرسی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوجائیں گے، انھیں ضرورت کی چیز بھی مہیا نہیں ہوگی، کھانے پینے دوا وعلاج سے محروم رہیں گے اور اگر اسلام نے تقسیم دولت کا جو اُصول دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے جو اُسوہ چھوڑا ہے، اس کے مطابق دولت وجائداد کی تقسیم عمل میں لائی جائے تو ملک کا کوئی فرد جان لیوا افلاس کا شکار نہیں ہوگا، تمام باشندے خوشحال زندگی بسر کرسکیں گے۔

امام الہند اور معروف سیاست داں مولانا ابوالکلام آزادؒ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

---

(۱) الماعون: ۷۔

اسلام نے سوسائٹی کا جونقشہ بنایا ہے، اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں ؛ بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہوجائے گا، جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس ومحتاج طبقے، ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہوجائے گی۔(۱)

آج ہندوستان اور ترقی یافتہ دیگر مما لک میں جہاں دولت کا چشمہ اُبلتا ہوانظر آ تا ہے، آئے دن وسائل میں غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے،نئی نئی کمپنیاں اورتجارتی منڈیاں قائم کی جارہی ہیں،سائنسی ترقی اورجدید انکشافات نے دولت کے دہانے کھول دیئے ہیں؛لیکن اس کے باوجودان ہی ملکوں میں ایک بڑا طبقہ افلاس اورخط غربت سے نیچے زندگی گذارنے پرمجبور ہے،فقروفاقہ کی وجہ سےخودکشی کے سینکڑوں واقعات رونما ہورہے ہیں،اس کی وجہ دولت کی غیرمساوی تقسیم ہے،دولت اورسارے وسائل چندافراداورمخصوص طبقات کے قبضے میں ہیں؛اس لئے جو مالدار ہیں، وہ مزید مالداراوردولت کے مالک بنتے جارہے ہیں اور جوغربت کے شکار ہیں ان کی غریبی مزید بڑھتی جارہی ہے۔

اس بےاعتدالی کے خاتمہ کے لئےتقسیم دولت کے اسلامی نظام کواختیار کرنا ہوگا اوراُسوۂ نبوی کو چھوٹی بستی سے لےکر بڑے بڑے شہر تک عام کرنا ہوگا،تب پورا ملک اورعلاقہ خوشحال ہوگا اور ہرطرف چین وسکون کی فضا قائم ہوگی۔

یادرہے کہ اسلام میں سرمایہ داری کی مخالفت کا مطلب اشتراکیت کی حوصلہ افزائی نہیں ہے، اشتراکی اقتصادی نظام میں دولت اوراس کے ذرائع میں انفرادی ملکیت تسلیم نہیں کی گئی ہے جب کہ اسلام نے مال ودولت پرانفرادی ملکیت کا اعتبار کیا ہے، اورافراد کو مال جمع کرنے کا حق دیا ہے؛ البتہ اس کی حدود قائم کردی گئی ہیں، اور چند لازمی اور کچھ اخلاقی پابندیاں عائد کردی گئی ہیں؛ تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کا سدباب ہوسکے اور انفرادی ملکیت کا جواز احتکار وا کتناز کا حیلہ نہ بن جائے،قرآن نے اس کوان الفاظ میں بیان کیا ہے :

وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً ۔ (۲)

نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

---

(۱) ترجمان القرآن: ۲/ ۱۳۲۔

(۲) بنی اسرائیل: ۲۹۔

یعنی نہ تو بخیل بن جاؤ کہ ہمدردی کے جذبات دل سے بالکل ختم ہو جائیں اور نہ ایسا خرچ کرو کہ خود محتاج بن بیٹھو، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان معتدل اور متوازن راہ تلاش کرو، جس میں اپنی ضرورت کی تکمیل ہو اور حاجت مندوں کی حاجت روائی بھی، اسلام کا یہی اقتصادی نظام ہے، جس کو ماہرین معاشیات نے دنیا کی فلاح وبہبود کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔

● ● ●

تعمیر انسانیت اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولانا عبدالباسط ندوی ◆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه اجمعين ، اما بعد۔

سب سے مقدم فرض

ہر دور کی انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل رہی ہے، وہ دراصل خود انسان کی تعمیر ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھی دراصل اسی کے لئے ہوتی رہی ہے، دنیا میں جتنے رہنما اور رشد وہدایت کے بانیان گزرے ہیں، سبھوں کے سامنے اور سبھوں کا مقصد اصلی بھی تاریخ نے انسانیت کی تعمیر اور اس کی فلاح و بہبود ہی محفوظ کی ہے، غرض اس دنیا میں پائے جانے والے ہزاروں کام میں سب سے اہم کام اور ہزاروں انواع کی مخلوقات میں سب سے اہم مخلوق انسان کی تعمیر اور اس کی اصلاح و ہدایت ہی اصل و اہم ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ کائنات انسانی کے سب سے بڑے مصلح کی حیات پر جب قلم اُٹھاتے ہیں تو اس کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں :

> عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح وتکمیل کی جائے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، زہد وتقوی، عصمت وعفاف، احسان وکرم، حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت و استغناء کے اُصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے۔(۱)

اس روئے زمین پر سب سے اخیر میں اور سب سے زیادہ صحیح وکامل ترین کتاب جو نازل کی گئی، اس کا بھی مقصد اصلی تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی ہی بتائی گئی، ارشاد ہے :

◆ سکریٹری: المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ۔

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: ۱/ ۱۸۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۔ (۱)

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اُتارا گیا ہے وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں کھلے ہوئے دلائل ہیں، ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کے۔

دوسری جگہ فرمایا :

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ (۲)

یہ ایک اعلان ہے سارے لوگوں کے لئے اور ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ونصیحت ہے۔

مکہ کی سرزمین میں خانہ کعبہ جس کو پوری دنیا کی سب سے پہلی سطح زمین بننے کا شرف حاصل ہے اور جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک تمام انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قبلہ وکعبہ رہا ہے اور ہے، قرآن کریم نے اس کو بھی تمام انسانوں کی رشد وہدایت کا مرجع قرار دیا :

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (۳)

سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے سب کے لئے برکت والا اور سارے جہان کے لئے رہنما ہے۔

قرآن کریم نے تو اپنے ماقبل انبیاء علیہم السلام پر کتابوں کے نزول کا بھی سب سے بڑا اور اہم مقصد انسانیت کی تعمیر اور اس کی ہدایت ورہنمائی ہی قرار دیا، قرآن کہتا ہے :

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ، مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۔ (۴)

اور اس نے اُتارا تھا توریت اور انجیل کو اس سے پیشتر لوگوں کی ہدایت کے واسطے، اور اس نے فرقان کو اُتار۔

دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے :

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ ۔ (۵)

---

(۱) البقرۃ:۱۸۵۔ (۲) آل عمران:۱۳۸۔

(۳) آل عمران:۹۶۔ (۴) آل عمران:۳-۴۔

(۵) الانعام:۹۱۔

آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے لے کر موسیٰ آئے تھے؟ بجائے خود بھی نور اور لوگوں کے لئے ہدایت بھی۔

بلکہ تمام اقوام عالم میں سے ہر قوم کی طرف الگ الگ مستقل طور پر ایسے رہنما اور مرشد بھیجے جانے کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے، جن کا مقصد صرف اور صرف انسانوں ہی کی انسانیت کی طرف رہنمائی اور ان کی تعمیر ہی رہی ہے، قرآن کریم آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ (۱)

بے شک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ'' (۲) (اور ہر اُمت کے لئے ایک پیام رساں ہوا ہے) اور ''وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ'' (۳) (اور کوئی اُمت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو) اور انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آخری کڑی اور آخری نبی و خاتم المرسلین کی حیثیت سے جب آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو ارشاد ہوا :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (۴)

اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے پیمبر بنا کر بھیجا ہے، بطور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

عزم محکم

غرض انسانیت کی تعمیر اور اس کی رہنمائی و ہدایت، دنیا کے تمام کاموں میں سب سے افضل اور اہم کام ہے جس کے لئے تمام انبیاء کی بعثت ہوئی اور تمام کائنات سجائی گئی، آپ ﷺ کی خدمت میں جب کفار مکہ کی اہم شخصیتوں نے ایک ساتھ جمع ہو کر حاضری دی اور دنیا کی ساری نعمتوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں ڈال کر اس کام سے باز آجانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کو یکسر مسترد فرما دیا اور اس کام کی اہمیت کو ان کے سامنے اس انداز میں واضح فرمایا :

مالی ما تقولون ، ما جئت بما جئتكم به أطلب أموالكم ، ولا

(۱) الرعد:۷۔　(۲) یونس:۴۷۔
(۳) فاطر:۲۴۔　(۴) سبا:۲۸۔

الشرف فيكم ، ولا الملک عليکم ، ولکن الله بعثني إليكم رسولا ، وأنزل علي كتابا ، وأمرني أن أكون لكم بشيرا ونذيرا فبلغتكم رسالات ربي ، و نصحت لكم ، فإن تقبلوا مني ما جئتكم به فهو حظكم في الدنيا والآخرة و إن تردوا علي أصبر لأمر الله حتی یحکم الله بيني و بينكم ـ (۱)

جوتم لوگ کہہ رہے ہو ویسی بات نہیں ہے، میں جو چیز تمہارے پاس لے کرآیا ہوں نہ تو اس سے مقصود تمہارے مال کو طلب کرنا ہے، نہ تمہارے درمیان عزت وشرف کو طلب کرنا ہے اور نہ ہی تمہارے اوپر بادشاہت مقصود ہے؛ بلکہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا اور مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں خوشخبری سناؤں اور ڈراؤں ،تو میں نے تم تک اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی ، اگر تم لوگ اس کو قبول کرتے ہو جو میں لے کرآیا ہوں تو تمہارے لئے دنیا وآخرت میں سعادت کی بات ہوگی اور اگر تم رد کردیتے ہو تو میں صبر کروں گا اللہ کے حکم کے مطابق ، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

اس سے بھی زیادہ مضبوط اور ٹھوس موقف آپ ﷺ نے اس وقت اختیار کیا، جب کفار قریش نے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب سے آکر درخواست کی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو ان کاموں سے باز رکھیں یا پھر درمیان سے ہٹ جائیں،قریش مکہ کی ان باتوں سے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب گھبرا گئے اور آپ ﷺ کو بلا کر کہا: **فابق علی وعلی نفسک ، ولا تحملني من الأمر ما لا أطيق**،''کہ مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کھاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کرسکوں'' آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ چچا ابوطالب بھی میری نصرت وحمایت سے کمزور پڑ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ فرمایا،جس سے آپ کی عزیمت وہمت ہی کانہیں ؛ بلکہ اس کام کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی ثابت قدمی، جوانمردی،حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کا ٹھوس اور محکم ثبوت ملتا ہے، جو ہمیشہ اس راہ کے مسافر کے لئے ہمت افزائی ومہمیز کا کام کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا،آپ ﷺ نے چچا کو مخاطب کرکے دوٹوک انداز میں فرمایا :

يا عم ! والله لو وضعوا الشمس في يميني والقمر في يساري على أن أترک هذا الأمر حتى يظهره الله أو أهلک فيه ما تركته ـ (۲)

(۱) سیرۃ ابن ہشام، زعماء قریش تفاوض الرسولؐ: ۱/ ۲۸۶۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام مادار بین رسول اللہؐ وأبی طالب: ۱/ ۲۶۱۔

چچا جان! اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند
لا کر بھی دے دیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں تو میں اس سے کبھی بھی باز نہیں
آسکتا یہاں تک اللہ اس کام کو غالب فرمادے یا پھر میں اسی راہ میں کام آجاؤں۔

یہ الفاظ آج بھی اپنی حقیقت ومعنویت کے ساتھ ہر اس شخص کو دعوت فکر وعمل دے رہے ہیں جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو دنیا میں عام کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور دنیوی جاہ ومنصب اور مال ودولت اسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس کام سے روکنے کے درپے ہو۔

عمل وکردار کی طاقت

چنانچہ اس تعمیر انسانیت کے لئے سب سے اخیر میں ایسی ہی ذات کو مبعوث فرمایا گیا، جو اس کام کے لئے اپنے عزم وارادہ کے لحاظ سے بہت ٹھوس اور مضبوط ہی نہیں؛ بلکہ اپنے عمل وکردار کے لحاظ سے بھی سب سے کامل ومکمل تھا، جس نے صرف پند ونصائح سے ہی کام نہیں لیا اور نہ ہی اوامر ونواہی کے سلسلہ میں صرف اپنی زبان ہلاتا رہا؛ بلکہ اس سلسلہ میں جو سب سے افضل وبہتر طریقہ ہوسکتا تھا کہ خود کو مجسم عمل بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کردے، وہ کیا، علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں :

سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں، نہ جبر وزور سے کام کیا جائے؛ بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے، جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب ان ہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش ونگار ہیں۔(۱)

آپ ﷺ پر جو کتاب لوگوں کی ہدایت اور ان کی زندگی گزارنے کے لئے دستور العمل کے طور پر نازل کی گئی، آپ خود اس کا چلتا پھرتا نمونہ بن گئے اور عملی زندگی میں اس کو برت کر لوگوں کے سامنے دکھا دیا، حضرت عائشہؓ سے جب کسی نے آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا تو حضرت عائشہؓ نے برجستہ فرمایا: ''**كان خلقه القرآن**'' (۲) آپ ﷺ قرآن کا مجسم نمونہ تھے، اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ ﷺ کے زیر تربیت رہنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں آپ کا عکس و پرتو صاف نظر آنے لگا، اور وہ خود اپنی جگہ انسانوں کی تعمیر

(۱) سیرۃ النبی ﷺ: ۱/ ۱۸۔ (۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۶۰۱۔

وہدایت کے مرجع بن گئے اور لاکھوں واربوں لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کا سبب وذریعہ ثابت ہوئے، استاذ محترم مشفق ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

> آپ ﷺ نے اپنی نبوت کی ذمہ داری کی ادائیگی کے ذریعہ انسانوں کی اصلاح کے سلسلہ میں کامیاب معلم اور باکمال مربی کا فرض ادا کیا، اور ناخواندہ اور گمراہ قوم کی ایسی تعلیم وتربیت کی کہ وہ سارے عالم کے مصلح ومربی بن گئی، اور وہ آپ ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت کے افراد جہاں گئے، وہاں انھوں نے سیرت واخلاق میں انقلاب برپا کردیا، آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا طریقہ ایسا دلنشیں اور تفہیم وتلقین کا طرز واُسلوب ایسا مؤثر ہوتا تھا کہ پہلے ہی وہلہ میں انقلاب ہوجاتا۔(۱)

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

یہی وجہ تھی کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو صرف آپ ﷺ کے ماننے والوں کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ پوری انسانیت کے لئے اُسوہ ونمونہ قرار دے دیا اور ارشاد ہوا :

> لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ۔(۲)
>
> رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

اور اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں رب کائنات اور خالق ارض وسماء نے اپنی محبوبیت رکھ دی اور اعلان فرمادیا :

> قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۔ (۳)
>
> آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم میری پیروی کرو، اللہ تم کو چاہنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

قطب العالم حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ نے ''فاتبعوني'' کا مطلب کیا ہی اچھا بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ میں اس قدر محبوبیت ہے کہ جو میری چال چلتا ہے، وہ بھی محبوب بن جاتا ہے۔(۴)

(۱) رہبر انسانیت ﷺ: ۴۲۳۔
(۲) الأحزاب:۲۱۔
(۳) آل عمران:۳۱۔
(۴) یادگار سلف، مؤلفہ: نجم الدین اصلاحی: ۱۱۵۔

غرض آپ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کا رہن سہن، چلنا پھرنا، طور وطریقہ غرض آپ ﷺ کی ایک ایک ادا، آپ ﷺ پر نازل کی گئی کتاب اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو رہتی دنیا تک کے لئے پوری انسانیت اور زمین پر بسنے والے تمام جن وانس کی تعمیر وترقی، ہدایت وسلامتی اور صلاح وفلاح کا ضامن وذریعہ قرار دے دیا گیا، استاذ محترم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں :

> یوں تو آنحضرت ﷺ کی بعثت ورسالت وتعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اس سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا؛ لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی اُمت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں :
>
> (۱) رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت واخلاق۔
>
> (۲) قرآن مجید۔
>
> (۳) آپ ﷺ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔
>
> اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد ونتائج کے کامل ظہور میں اور جدید اُمت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں، وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے، صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں، وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں؛ بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے، جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت واخلاق کا بھی نتیجہ ہے، جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی، جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی؛ بلکہ ان پر عمل کرنے کے

محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔(۱)

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ پوری تاریخ انسانیت میں صرف اور صرف تنہا آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے، جس کی زندگی کا ہر پہلو، جلوت وخلوت کی ہر ادا، قول وعمل کی ہر حرکت وسکون حتیٰ کہ وضع قطع اور حلیۂ مبارکہ کے خط وخال اس طرح محفوظ کر لئے گئے ہیں کہ زندگی کے جس مرحلہ میں بھی ضرورت پیش آئے، آج بھی اس سے رہنمائی مل جائے گی، آپ ﷺ کے علاوہ صفحۂ ہستی پر کوئی ایسی ذات نہیں ہے، جس کی زندگی کے ہر پہلو التزامِ صحت کے ساتھ محفوظ ہوں، علامہ شبلی نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

> تمام ارباب مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے، جس قدر دوسرے کو ہے؛ اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی، جس میں جامعیت کبری کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی؛ لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ کون شخص گزرا ہے، جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلم بند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفہ آسمانی کے لئے بھی نہ ہوسکا اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے ''محمد عربی فديته بأبي وأمي''۔(۲)

آگے لکھتے ہیں :

> کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں؛ بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے، جس کا نام مبارک ''محمدؐ'' (رسول اللہ) ہے، ''اللّٰهم صل عليه وسلم صلوٰة وسلاماً كثيراً كثيراً'' یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ ہے کہ مجموعہ ضروریات دینی ودنیوی ہے۔(۳)

(۱) اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار: ۱۱-۱۲۔
(۲) سیرت النبی ﷺ: ۱/۲۰۔ (۳) سیرت النبی ﷺ: ۱/۲۱۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُمت کا مضبوط رشتہ

اسی کے ساتھ مسلمانوں کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع سے آج تک مضبوطی کے ساتھ رشتہ جڑا اور قائم رہا ہے، یہ اُمت مسلمہ کسی بھی دور میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکلیہ کٹ کر الگ تھلگ نہیں ہوئی، نہ ان کی تعلیمات دنیا سے ناپید ا ہوئی اور نہ ہی وہ تحریف وتبدیلی کا شکار ہوئی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں :

> بحمد اللہ یہ شرف صرف اُمت محمدیہ (علی صاحبها الف الف صلوة والف الف تحية) کو حاصل ہے کہ وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول اور ہر فعل کو متصل اور مسلسل سند کے ساتھ پیش کرتی ہے، یہی اور صرف یہی ایک اُمت ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل ہے، عہد نبوت سے لے کر اس وقت تک کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں یہ اُمت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقطع ہوئی ہو۔(۱)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس عملی زندگی کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک ایسی جماعت تیار کردی جو اپنے قول وعمل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس وپرتو نظر آنے لگی اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی گئے، یہی کردار ادا کیا اور اسلام کی عملی تصویر پیش کرتے رہے، سید قطب شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں :

> ومن ثم جعل محمد صلى الله عليه وسلم هدفه الأول أن يصنع رجالاً لا أن يلقي مواعظ ، وأن يصوغ ضمائر لا أن يدبج خطبًا ، وأن يبنى أمة ، لا أن يقيم فلسفة ؛ أما الفكرة ذاتها فقد تكفل بها القرآن الكريم ، وكان عمل محمد صلى الله عليه وسلم أن يحول الفكرة المجردة الى رجال تلمسهم الأيدى ، وتراهم العيون ـ (۲)
>
> محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پہلا ہی ہدف بجائے وعظ ونصیحت کے رجال کار تیار کرنے، خطابت وتقریر کے دل وضمیر بنانے اور بجائے فلسفہ سازی کے اُمت کی تعمیر پر مرکوز کیا، جہاں تک فکر کا تعلق ہے تو اس کے لئے قرآن کریم کافی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فکر کو افراد میں اس انداز میں منتقل کیا کہ ہاتھ اس کو ٹٹول کر محسوس کرسکے اور آنکھیں اس کو دیکھ سکیں۔

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۱/۳۔

(۲) دراسات اسلامية للشهيد سيد قطب، انتصار محمد بن عبدالله:۲۷۔

اور یہ سلسلہ اتصال کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا، ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسی نفوس قدسیہ موجود رہیں گی، جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کی صحیح ترجمانی اپنے قول وعمل سے کرتی رہیں گی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق ، لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم كذلك ۔ (۱)

میری اُمت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، انھیں وہ لوگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، جو ان کی ذلت ورسوائی اور ناکامی کے خواہاں ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آجائے یعنی قیامت برپا ہوجائے۔

اس مفہوم کی روایت بخاری، ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں بکثرت آئی ہیں۔

تعلیماتِ نبوی کی عمومیت

غرض آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کا دائرہ اور آپ ﷺ کی شخصیت مقدسہ، اُسوہ ونمونہ کی حیثیت سے کسی خاص قوم ومذہب، علاقہ وملک، زبان ورنگ اور نسل وخاندان کے لئے مخصوص نہیں؛ بلکہ پوری انسانیت اور پورے عالم کے لئے عام ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے ہر شخص آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اپنی تعمیر خود کرسکتا ہے اور دنیا وآخرت کی سرخروئی حاصل کرسکتا ہے، حضرت مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ لکھتے ہیں :

اللہ کے رسول ﷺ نے ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ مانا ہے اور تمام مخلوق کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے: ''الخلق عيال الله فأحب الخلق عند الله من أحسن إلى عياله'' (۲) مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے، تمام انسانوں کو انسانیت کے رشتہ سے بھائی مانا ہے اور ان کو بھائیوں کی طرح اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے: ''لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وكونوا عباد الله إخوانا'' (۳) ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منھ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ

(۱) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۵۰۵۹۔ (۲) شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: ۷۴۴۸۔

(۳) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۱۹۳۵۔

کرواور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ رحم وکرم کی تعلیم دی ہے جو انسان دوسرے انسان پر رحم نہیں کرتا وہ رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہے: ''ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء''(۱) تم لوگ زمین کے رہنے والوں پر رحم کروتو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، ایک دوسری حدیث میں ہے: ''من لم يرحم الناس لا يرحمه الله''(۲) جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا، کوئی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک سب کی بھلائی نہ چاہے: ''لا يؤمن أحدكم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه ، وحتى يحب المرء ولا يحبه إلا لله''(۳) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک دوسروں کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو اللہ کے لئے دوست رکھے، ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں مسلمان ہونے کے لئے کئی شرطیں بتائی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے: ''وأحب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما''(۴) تم لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، تب مسلمان بنو گے، کلام مجید میں عدل وانصاف اور احسان وسلوک کا عام حکم ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں: ''اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ''(۵) بے شک اللہ (سب کے ساتھ) عدل اور احسان وسلوک کا حکم دیتا ہے: ''اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ''(۶) تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو، جیسا کہ اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جہاں بھی جاؤ اللہ سے ڈرتے رہو، کوئی برائی سرزد ہوجائے تو کوئی ایسا نیک کام کرو، جو اس کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ: ''اتق الله حيثما كنت وأتبع السيئة الحسنة تمحها وخالق الناس بخلق حسن''(۷) اسلام میں اس قسم کے

(۱) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۱۹۲۴۔ (۲) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۱۹۸۷۔
(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۳۹۰۲۔ (۴) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۳۰۵۔
(۵) النحل: ۹۰۔ (۶) القصص: ۷۷۔ (۷) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۱۹۸۷۔

جتنے اخلاقی احکام ہیں، وہ مذہب وملت کی تخصیص کے بغیر سارے انسانوں کے لئے عام ہیں، اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں، مثلاً غریبوں کی دستگیری، مظلوموں کی امداد اور اس قبیل کے دوسرے نیک کام کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں یہ اور بات ہے کہ اولیت اور ترجیح اپنے اہل مذہب کے غرباء اور ناداروں کو حاصل ہوگی کہ چراغ پہلے گھر سے جلتا ہے۔(۱)

انسانیت پر احسان عظیم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں :

آپ ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی، اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک مل سکتا ہے...... آپ ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے، جو آپ ﷺ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد ومعبود کا سا فرق تھا، وحدت ومساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا :

يا أيها الناس ! إن ربكم واحد و إن أباكم واحد ، ألا لا فضل لعربي علىٰ عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا لأسود علىٰ أحمر إلا بالتقوى ، إن أكرمكم عند الله أتقاكم ۔ (۲)

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، سنو! تم میں کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر تقوی کی بنا پر، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے۔

(۱) دین رحمت:۲۰۹-۲۱۱۔ (۲) شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: ۵۱۳۷۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جاسکتا ہے اور جس کے سایے میں انسان کو امن وسکون حاصل ہوسکتا ہے اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اُصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کے خالق وصانع کی وحدت اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں توحید رب اور توحید اب کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے: ''الرب واحد والاب واحد'' رب (پروردگار) بھی ایک ہے اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔(۱)

ہر نوع انسانی کے لئے رہنمائی

آپ ﷺ کی ذاتی خصوصیات، عملی نمونہ اور پوری انسانیت کے لئے ایک مثال واُسوہ ہونے کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے تحریر فرمایا ہے :

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس سے ہر طبقہ کا شخص ہدایت پاسکتا ہے، آنحضرت ﷺ دنیا کی ہوا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم ہوچکے تھے، اس لئے مسکینی وغربت ایسے اوصاف ہیں جو حضور ﷺ کے توأم ہیں، عمر کے ابتدائی سال دیہاتی زندگی میں بسر ہوئے تھے، اس لئے سادگی وبے تکلفی نے حضور ﷺ کے ساتھ نشوونما پائی تھی، لڑکپن کا زمانہ ایسے وقت میں کٹا تھا، جب کہ قوم حرب الفجار وغیرہ لڑائیوں میں مصروف تھی اس لئے امن بسیط اور ہمدردی عامہ کی قدر ومنزلت شروع ہی سے حضور ﷺ کے خاطر نشین تھی، ۲۵ رسال کی عمر تک حضور ﷺ نے شادی نہیں کی، تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوان شباب کا عالم تھا، کمال عفت وعصمت، شرم

(۱) نبی رحمت ﷺ: ۶۲۷۔

وحیا سے بسر ہوا، دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے، کہ حضور ﷺ پردہ نشیں کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم وباحیا تھے، آنحضرت ﷺ نے معاش کے لئے تجارت کو پسند فرمایا تھا اور اس طرح ان بلند حوصلہ لوگوں کے لئے جو ثبات واستقلال، معاملہ فہمی وضرورت شناسی، حلم وبردباری سے متصف ہوں، ہدایت فرمائی کہ تجارت سے بہتر اور کوئی معاش نہیں، مردانہ جمال میں کمال حسین، حسب ونسب میں عالی خاندان ہونے پر بھی ایک بیوہ عورت سے جو عمر میں حضور ﷺ سے پندرہ سال زیادہ تھی، پہلا نکاح کیا اور اس سے عقد بیوگان کی ضرورت اور عظمت پر نہایت شاندار نمونہ قائم فرمایا، نیز واضح کردیا کہ متاہل زندگی میں بھی ہم کیوں کر شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں، یہ بیوی نہایت متمول تھی؛ لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنی قانعانہ قابلیت اور زاہدانہ سیرت کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنی بیوی یا اپنے خاندان کی امداد مالی سے ہمیشہ مستغنی ثابت کیا اور اس طرح اپنی مدد آپ کرنے والوں کی سرراہ ایک مشعل روشن فرمائی، آنحضرت ﷺ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی صادقانہ وہمدردانہ زندگی کا اثر خونخوار عرب پر پھیلا دیا تھا، اور سب کے دلوں میں اپنے لئے عزت ومحبت کے ساتھ جگہ بنالی تھی اور اس طرح راست بازوں کے لئے ایک درخشندہ مثال قائم فرمادی کہ کیوں کر نیکی اور صداقت کی طاقت ظلم اور جہالت کو مغلوب کرسکتی ہے، آنحضرت ﷺ نے تعاون وتمدن کی برکات اور طاقت کو سمجھا اور حلف الفضول کے قائم کرنے سے قیام امن اور حفاظت نوع انسانی کی جدید سڑک تیار کردی اور ان منتظمین کو جو سچے دل سے کسی ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اسی ملک کے باشندوں کو شریک انتظام کرلینے کے زریں اُصول کا سبق دیا، حجر اسود کے نصب کرنے میں آنحضرت ﷺ نے بتادیا کہ جب مختلف اغراض اور مختلف مقاصد کے لوگ ایک جگہ فراہم ہوجائیں تو ان کو کیوں کر مرکز واحد پر لاسکتے ہیں، نیز ثابت فرمادیا کہ خدشہ جنگ کے ٹلا دینے اور امن کو مستحکم رکھنے کے لئے جنگی طاقت کی نہیں؛ بلکہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ضرورت ہے۔(۱)

---

(۱) رحمۃ للعالمین: ۵-۳۵-۳۶۔

اخیر میں مضمون ختم کرنے سے پہلے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خطبہ کا ایک اقتباس نقل کرنا نہایت موزوں ومناسب معلوم ہوتا ہے، جس میں آپ ﷺ کی زندگی کے تمام گوشوں کو بطور کامل نمونہ اور پوری انسانیت کے لئے قابل تقلید اُسوہ اور ہر طبقہ کے لئے زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے آپ ﷺ کی شخصیت کی جامعیت اور عالمگیریت واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے، اقتباس گرچہ طویل ہے مگر اپنی معنویت، جاذبیت اور تاثیر کے لحاظ سے انتہائی مفید اور بار بار پڑھنے کے قابل ہے، جگہ جگہ سے حذف کرتے ہوئے مختصر کرنے کی کوشش کے ساتھ اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے، علامہ فرماتے ہیں :

> عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بہ تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغناء، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب وفراز، بلند وپست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی بھی ضرورت ہے؛ مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس۔(۱)

آگے فرماتے ہیں :

> غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی وبے کسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار ومددگار نبی ﷺ کا اُسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر

(۱) خطبات مدراس:۸۵۔

اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد وجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو۔

آگے مزید کہتے ہیں :

اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

آگے حضرت علامہ نے ایک غیر مسلم کی زبانی آپ ﷺ کا دنیا کے کامل ترین انسان ہونے کا اعتراف اس انداز میں نقل فرمایا ہے :

مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں، سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب ومفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، اللہ کو بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے اللہ کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دُعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے

والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو، وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہوجاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس دن جب عرب کے اطراف سے آ آ کر اس کے صحن مسجد میں مال واسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہورہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیر نگین ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چارپائی پر آرام فرمارہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر وکسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوکر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے، عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر وکسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔(۱)

یہ حالات زندگی ہیں پیغمبر اعظم و مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے، جو آج بھی اس ترقی یافتہ دور اور تمدن وکلچر کے زمانہ میں پوری طرح ساری دنیا کے لئے اور طبقۂ انسانی کے ہر فرد کے لئے مکمل اُسوہ ونمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ایسی ذات وشخصیت پیش ہونے کے قابل نہیں، جو ہر سطح کے لوگوں کے لئے نمونہ وآئیڈیل بن سکے، اس لئے آج دنیا امن وسکون کا گہوارہ بننا چاہتی ہے اور ہر طرح کے شر وفساد اور دہشت وخوف سے محفوظ رہنا

(۱) خطبات مدراس:۸۵-۸۸۔

چاہتی ہے تو آپ ﷺ کی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی تعمیر کرے؛ البتہ اس کے لئے مسلمانوں کو سامنے آنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی، رہن سہن، طور طریقہ اور معاملات و کاروبار کو آپ ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھال کر دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کرے کہ مسلمان ہی اصلاً اس کے مسئول و ذمہ دار ہیں:

> كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (۱)
>
> تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور جس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت ربعی بن عامرؓ نے رستم کے دربار میں بھرے مجمع کے اندر ان الفاظ میں اظہار کیا:

> الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله ومن ضيق الدنيا إلى سعتها ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام ۔ (۲)
>
> اللہ نے ہم کو دنیا میں بھیجا؛ تاکہ وہ جس کو چاہے اس کو ہم بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم وزیادتی سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف نکال لائیں۔

● ● ●

---

(۱) آل عمران: ۱۱۰۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۷/۴۶۔

ٹکنالوجی کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ

ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی ◆

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام طبقات انسانی نیز ہر ماحول، ہر زمانے، ہر پیشہ اور ہر مشغلہ غرض ہر قسم کے حالات اور ہر سطح و معیار کے لئے کامل و جامع رہنمائی اور عالمگیر اور لازوال نمونہ واُسوہ بنا کر بھیجا، جس کا اعلان مذکورہ ذیل آیت میں فرمایا :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔ (الاحزاب:۲۱)

(اے مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے، جو اللہ کا اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں اور اللہ کو خوب یاد کرتے ہوں۔

اُسوۂ حسنہ کی اسی عالمگیری اور ہمہ گیری کا تذکرہ سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''خطبات مدراس'' میں دلنشیں پیرائے میں کیا، جس کو بعینہ یہاں نقل کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے :

غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الدین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو

◆ استاذ : ایفل یونیورسٹی حیدرآباد۔

مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بیکسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اُسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصرہ کے کاروان تجارت کے سالار کا اُسوہ ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو، جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن حسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستگی و اصلاح کے لئے سامان، تمہاری ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمان کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔(۱)

یہ اقتباس اگرچہ قدرے طوالت کا حامل ہے؛ لیکن اس تاریخی حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ آپ ﷺ کا اُسوہ اپنی جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں اپنی غیر معمولی معنویت رکھتا ہے اور ہر زمانے میں نئے زاویوں سے مطالعہ و جائزہ کا متقاضی ہے، یہی وہ محرک ہے جس کی بنیاد پر آئندہ سطور میں ٹکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جو نظائر اُسوہ نبوی میں ملتی ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے گا، اگر چہ کہ اس عنوان کے تمام پہلو کا احاطہ ایک مضمون میں

(۱) خطبات مدراس: ۹۸-۹۹، ط: دار المصنفین۔

ممکن نہیں ہے تاہم ضروری مباحث سے ضرور تعرض کیا جائے گا کہ ''مالا یدرک کله فلا یترک کله'' (جن چیزوں کا کامل حصول ممکن نہیں، ان سے کلیتاً صرف نظر کر لینا بھی دانشمندی نہیں ہے)۔

ذرائع ابلاغ (Information Technology)

موجودہ زمانے میں ساری زمین کی طنابیں کراتنی قریب آ چکی ہیں کہ دنیا ایک مٹھی میں بند ہو چکی ہے، جس کو عالمیانہ (Globalization) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس ترقی میں ذرائع ابلاغ کا بڑا عمل دخل ہے، اس شعبہ میں آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی متعدد طرق سے ملتی ہے، ترسیل خطوط جو اہم دعوتی نکات پر مشتمل تھے، اسی ترسیل وابلاغ کا نقش اولیں محسوس ہوتے ہیں، ان خطوط کو جو مختلف عظیم مملکتوں کے سربراہوں کے نام تھے، ان کو پہنچانے کی ذمہ داری جن حضرات کے کاندھوں پر ڈالی گئی، وہ وہاں کی زبان اور حالات سے واقف تھے، (۱) نیز ان خطوط کو درجۂ اعتبار تک پہنچانے کے لئے ایک خاص مہر بنوائی گئی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور نگینہ کے مقام پر ''محمد رسول اللہ ﷺ'' منقش تھا، یہ خطوط دنیا کے جن علاقوں کی جانب بھیجے گئے، ان کا جائزہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیک وقت روم، ایران، مصر، حبشہ، عمان، یمامہ اور غسان جیسے دور دراز کے علاقوں کا انتخاب فرمایا، (۲) اور یہ انتخاب اس وقت کی متمدن دنیا کا گویا احاطہ تھا اور ترسیل مکاتب کا یہی وہ نقش اول ہے جس کی بنیاد پر موجودہ دور میں دنیا نے دھیرے دھیرے ترقی کر کے ایک مستقل شعبہ بنا ڈالا، جس کو آج ہم بجا طور پر انفارمیشن ٹکنالوجی کہتے ہیں۔

صنعت اسلحہ سازی (Arm Technology)

اسلحہ سازی کی صنعت شاید آج سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، سائنس کا فلاح انسانی (Human Face) کا رُخ اس دور میں بہت پیچھے رہ گیا اور اس کی ساری ترقیوں کی تان نت نئے اسلحہ بنانے پر ٹوٹتی ہے اور اسلحہ سازی پر جو صرفہ آتا ہے شاید اس کا عشر عشیر بھی غربت دُور کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ اس کا سبب دفاع اور دشمن سے حفاظت رہا ہو اور یہی وہ محرک تھا جو دور نبوی میں مسلمانوں کو اسلحہ تیار کرنے میں کارفرما رہا، جس کا حکم خود قرآن مجید میں دوٹوک لفظوں میں وارد ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۔ (۳)

(۱) طبقات ابن سعد: ۲۳/۲۔
(۲) صحیح بخاری، باب دعوة الیهود والنصاریٰ۔
(۳) الانفال: ۶۰۔

اور (اے مسلمانو!) ان کے مقابلہ جہاں تک ہو سکے، طاقت اور گھوڑوں کی تیاری رکھو، جن سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی۔

اس آیت نے مسلمانوں کو ضروری اسلحہ کی تیاری کی ترغیب؛ بلکہ حکم دیا، جو کسی بھی مملکت کے لئے نہ صرف ضروری ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا آئینی حق بھی ہوتا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے نشانہ بازی جو آج کی (Shooting Technology) ہے، اس کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

كل شئى يلهو به الرجل باطل إلا رميه بقوسه إلخ۔ (۱)

ہر وہ چیز جس سے انسان دل بہلاتا ہے، بے فائدہ ہے سوائے تیراندازی کے۔

نیز صنعت اسلحہ سازی کی اہمیت وفضیلت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

إن الله يدخل ثلاثة نفر الجنة بسهم واحد، صانعه يحتسب فى صنعته الخير والرامى ومنبله۔ (۲)

ایک تیر کی بدولت اللہ تین افراد کو جنت میں داخل کریں گے، ایک تیر بنانے والا جس کی نیت بھلائی اور نیکی کی ہو، دوسرے تیر چلانے والا اور تیسرا اُٹھا کر دینے والا۔

صنعت تغذیہ (Food Technology)

غذا انسان کی وہ ناگزیر ضرورت ہے، جس کا متبادل زمانے کی ہزار ترقیاں بھی فراہم نہیں کر سکتیں، نیز یہی وہ ضرورت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے بیش بہا نعمت سے تعبیر فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (۳)

---

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۶۳۷، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۵۱۳۔

(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۶۳۷، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۵۱۳، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۸۱۱، سنن نسائی، حدیث نمبر: ۴۴۲۱۔

(۳) الانعام: ۹۹۔

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا اوراس سے سبز شاخ نکالی اور تہ بہ تہ دانے نکالے اور کھجور کے درختوں سے خوشے اور باغ سے انگور وزیتون وانار پیدا کئے، جو باہم ملتے جلتے اور کبھی مختلف بھی ہیں، اس پھل کو دیکھو جب پھلنے اور پکنے لگے، بے شک ان سب میں ایمان والوں کے لئے بڑے دلائل ہیں۔

اس نعمت عظمیٰ سے لطف اندوز و بہرہ مند ہونے کے لئے نبی آخر الزماں ﷺ نے وہ گرانقدر ہدایات وتعلیمات عنایت فرمائیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے سرمایہ حیات ہیں، یہ ہدایات صنعت تغذیہ کے ان مراحل پر مشتمل ہیں جو موجودہ دور میں زراعت (Cultivation) سے شروع ہو کر تقسیم اناج (Food Grading) تک محیط ہے، ارض موات کے احیاء کی فضیلت جس کا تذکرہ کتب حدیث میں بکثرت ملتا ہے، (۱) وہ دراصل اسی صنعت کی خشت اول ہے جس کے بعد یہ پودا برگ وبار لاتا ہے اور یہ ٹکنالوجی ترقی کر جاتی ہے، پھر تابیر کا مسئلہ کتب حدیث کا معروف باب ہے، جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے زراعت میں جدید تجربات سے استفادہ کرنے کی مکمل اجازت دی، (۲) علاوہ ازیں غذا کی حفاظت اوراس کی ضرورت مندوں تک منتقلی جو جدید اصطلاح میں (Freezing and Processing) سے تعبیر کی جاتی ہے، اس ذیل میں بھی اُسوہ نبوی کے رہنمایانہ خطوط ملتے ہیں، جس سے غذا کے تحفظ وبقا کے علاوہ صحیح تقسیم وترویج کا انداز بھی مل جاتا ہے؛ چنانچہ احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی مذمت اسی قبیل کی ایک اہم مثال ہے جو بیشتر کتب حدیث میں مروی ہے، (۳) یہی نہیں؛ بلکہ معاشرے کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ذخیرہ اندوزی سے غذائی اجناس نکالنے کے لئے جبر واکراہ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش ضرورت سے زیادہ ہو تو اسے کسی محروم شخص کو دے دے، (۴) یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں، جن پر موجودہ صنعت تغذیہ کی فلک بوس عمارت قائم ہے۔

صنعت دباغت (Leather and Tannery Technology)

عصر حاضر میں جن صنعتوں نے ناقابل انکار ترقی کی ان میں دباغت کا شعبہ بھی شامل ہے، مختلف چرم سے

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۷۹۔
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۔
(۳) صحیح مسلم، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، حدیث نمبر: ۱۲۲۴-۱۲۳۳ھ۔
(۴) صحیح مسلم: ۸۱/۲۔

تیار شدہ منصوعات کی بہتات ہوچکی ہے، گرم لباس، جوتے، ٹوپی کے علاوہ دستی پرس وبیگس تیار کئے جاتے ہیں جو بازار میں گرانقدر قیمتوں میں بکتے ہیں، اس معاملے میں آپ ﷺ سے جو قیمتی ہدایات ملتی ہیں وہ اس صنعت کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں، ماکول اللحم جو شرعی طور پر حلال کئے گئے ہوں، ان کی کھالوں کی بعد از دباغت استعمال تو جائز قرار ہے ہی؛ بلکہ اگر وہ مردار بھی ہو تو دباغت سے ان کی کھال استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا :

ألا نزعتم جلدها ثم دبغتموها فاستمعتم به ۔ (۱)

تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اس کی کھال نکال لیتے، اس کے بعد اس کو دباغت دے کر اپنے کام میں لاتے۔

اور پھر ارشاد فرمایا :

أيما إهاب ذبغ فقد طهر ۔ (۲)

جس چمڑے پر عمل دباغت کیا جائے، وہ پاک ہوجاتا ہے۔

اگرچہ حدیث کی تشریح وتوضیح میں متعدد اقوال وارد ہیں، جس کی تفصیل خود سنن ترمذی یا پھر فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، (۳) لیکن ان ارشادات سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس صنعت کی وہ حوصلہ افزائی فرمائی جو اس کی ترقی کی ضامن بنی اور موجودہ دور میں ایک غیر معمولی منافع بخش صنعت ثابت ہوئی۔

علاوہ ازیں اُسوۂ نبوی ﷺ سے صنعت طب (Medicine Technology) وصنعت حمل ونقل (Transportation Technology) اور صنعت وراقی (Prper Industry) وغیرہ کے حوصلہ افزائی کی بے شمار روایتیں موجود ہیں جس کے احاطہ کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، جب کہ یہ مختصر مقالہ ان کا متحمل نہیں ہے۔

• • •

---

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۷۲۷۔

(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۷۲۸۔

(۳) بدائع الصنائع: ۱/۸۶۔

تعلیم اور اُسوۂ نبوی ﷺ

مولانا رفیع الدین رشادی◆

اللہ رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں کئی مقامات پر خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا :

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ہی ناخواندہ لوگوں میں سے ایک رسول کو بھیجا؛ تاکہ وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کریں، ان کا تزکیہ کریں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں؛ حالاں کہ وہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

خود محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ: انما بعثت معلماً، (۲) ''میں سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

پیغمبر کی بعثت کا مقصد علوم شرعی کی تعلیم دینا ہوتا ہے، دنیوی علوم سکھانے کے واسطے انبیاء مبعوث نہیں کئے جاتے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک خاص موقع پر وضاحت فرمائی کہ: انتم اعلم بامور دنیا کم، (۳) ''تم اپنے دنیوی معاملات کو بہتر طور پر جانتے ہو'' قرآن وحدیث کی زبان میں علم سے مراد وہی علم ہوتا ہے، جو نبی کے ذریعہ اللہ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے، نبی پر ایمان لانے کے بعد بندہ پر پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ میرے لئے نبی کیا تعلیم لے کر آئے ہیں، مجھے کیا کرنا ہے اور کیا چھوڑنا ہے؟ سارے دین کی بنیاد اسی علم پر ہے، اس لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا سب سے پہلا فرض ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم، (۴) ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کی دو قسمیں ہیں، پہلی جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض یعنی تبلیغ

◆ ناظم: جامعہ ارشاد البنات، حیدرآباد۔

(۱) الجمعة: ۲۔
(۲) سنن ابن ماجہ: ۱/۸۳۔
(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۶۳۲۳۔
(۴) سنن ابن ماجہ: ۱/۱۵۱۔

رسالت اور مہمات اُمور دین سے ہے ، وہ سب وحی الٰہی سے ماخوذ ہیں جو دائمی اور نا قابل تغیر ہیں، دوسری جن کا تعلق عام انسانی باتوں کی ہے جو قابل تغیر ہے۔

اس کی متعدد صورتیں ہیں :

- عارضی مصلحت پر مبنی احکام جیسے طواف میں رمل کا حکم۔
- جنگی تدابیر: جیسے آپ ﷺ نے جنگ میں لشکر کو ایک جگہ اُترنے کا حکم دیا، حضرت حباب ابن منذرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اس جگہ کا انتخاب حکم خداوندی ہے؟ یا یہ ایک جنگی تدبیر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک جنگی تدبیر ہے، تو حبابؓ نے عرض کیا، پھر یہ جگہ مناسب نہیں، اس کے بجائے فلاں جگہ بہت بہتر ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ٹھیک مشورہ دیا۔
- زراعت وطب کے نسخے: جیسے مدینہ میں ایک طریقہ رائج تھا کہ فصل کے موقع پر نر چھوہارے کے پھول مادہ چھوہارے کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے، آپ ﷺ نے یہ طریقہ دیکھا تو فرمایا: ''لو لم تفعل لصلح'' اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہو، مدینہ والوں نے آپ ﷺ کے اس فرمان پر وہ طریقہ چھوڑ دیا، جس کے نتیجہ میں پیداوار میں کمی آ گئی، اس پر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''انتم اعلم باموردنیا کم'' تم اپنے دنیوی معاملات کو بہتر طور پر جانتے ہو۔
- عرب میں پہلے سے مشہور قصے کہانیوں کا ذکر جیسے اُم زرع اور ان کی نو سہیلیوں کی کہانی، خرافہ کی داستان اور بنو اسرائیل کی بعض حکایتیں۔
- شخصی ملکی عادت کے طور پر کسی چیز کا چیز کا اختیار کرنا، جیسے عمامہ بندھنا چمچوں کا عدم استعمال وغیرہ۔(۱)

تعلیم کی سنگ بنیاد

غارِ حراء میں سب سے پہلے پانچ آیات ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ''(۲) کے نزول کے ذریعہ پڑھنے، لکھنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت بتائی گئی، پھر ''یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ، قُمْ فَاَنْذِرْ''(۳) کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا حکم دیا گیا، آپ ﷺ نے اپنے رشتہ دار اور اہل مکہ کے سامنے سب سے پہلے توحید کی دعوت پیش کی، جس کی وجہ

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ:۱/ ۲۲۴۔ (۲) العلق:۱۔ (۳) المدثر:۱،۲۔

سے رشتہ دار اور اہل مکہ آپ ﷺ کے سخت مخالف ہوگئے ، اس کے باوجود آپ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے ، دھیرے دھیرے آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر مرد وخواتین اور بچے دائرۂ اسلام میں آنے لگے، ان نومسلموں کی تمام شعبۂ حیات میں رہنمائی کی ضرورت بڑھنے لگی، یہی دعوت وتبلیغ تعلیم کی سنگ بنیاد بنی۔

عہد نبوی میں دینی تعلیم کا ارتقاء

جیسے جیسے اللہ کی طرف سے آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوتا گیا، آپ ﷺ ہر طبقہ کو تعلیم سے سیراب کرتے رہے؛ چوں کہ سارے مکہ میں مخالف ہوائیں چل رہی تھیں، کھلم کھلا تعلیم دینا آسان نہ تھا؛ لہٰذا آپ نے خفیہ طور پر حضرت خدیجہؓ کے مکان (جو داب الحجر میں واقع تھا) میں تعلیم کا آغاز فرمایا، پھر دار ارقم (ارقم ابن ارقمؓ کا مکان، جو کوہِ صفا کے دامن پر واقع تھا) میں کئی سال تک تعلیم دیتے رہے، جب آپ ﷺ کا آپ کے رشتہ داروں اور اصحابؓ کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا اور شعب ابی طالب (یہ پہاڑ کا دُرّہ، جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی حصہ تھا) میں محصور کردیئے گئے، وہاں پر بھی تین سال (۷ھ نبوی تا ۹ نبوی) تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، ایسے ناسازگار ماحول میں کی گئی کوششیں رنگ لائیں، مردوں، خواتین اور بچوں میں تعلیم عام ہونے لگی اور ان ہی میں سے کئی معلمین پیدا ہونے لگے، جب ۶ نبوی میں حضرت عمرؓ جب آپ کے قتل کے ارادے سے نکلے، راستے میں اپنی بہن فاطمہ کے گھر پہنچے، آپ کی بہن بہنوئی کو حضرت خباب بن ارتؓ قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔(۱)

ہجرت سے دو سال پہلے مدینہ کے چالیس افراد اسلام قبول کر چکے تھے، ان کی خواہش پر آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو معلم بنا کر مدینہ بھیجا انھوں نے ابوامامہ اسد بن زرارہ کے مکان میں تعلیم شروع کی، (۲) آپ کی تعلیمی سرگرمیوں کی وجہ سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا، جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں مقیم تھے، وہاں تعلیم دیتے تھے، چند ماہ بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرما کر اس کے ایک حصہ (صفہ) میں باضابطہ تعلیم کا آغاز فرمایا اور وہاں بحیثیت معلم کئی صحابہ کو مقرر فرمایا؛ چنانچہ عبداللہ بن سعید بن العاصؓ جو نہایت خوش خط تھے، انھیں کتابت، (۳) اور عبادہ بن صامتؓ کو لکھانے پڑھانے پر مامور فرمایا۔(۴)

صفہ (چبوترہ) پر غریب، بے گھر اور دُور دراز علاقوں سے آنے والے وفود حصول تعلیم کے لئے قیام فرماتے، مہاجرین اپنی تجارتی مصروفیات اور انصار اپنی زراعتی مشغولیات سے وقت نکال کر استفادہ کرتے، قیام وطعام کی سہولیات سے لیس یہ پہلی تعلیم گاہ تھی، اصحاب صفہ کی ضروریات کی خود آپ ﷺ کفالت فرماتے تھے، (۵)

(۱) البدایہ والنہایہ، جلد: ۳/۱۰۰۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۱/۴۳۴۔ (۳) الاصابہ: ۱/۳۴۴۔
(۴) المسند للشاشی: ۳/۱۸۰۔ (۵) بخاری، حدیث نمبر: ۳۵۸۱۔

بسا اوقات ان کے لئے قرض بھی حاصل فرماتے، بنفس نفیس ان کی دینی و دنیوی ضروریات کا خیال رکھتے، ایک مرتبہ اصحابِ صفہ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے، آپ حجرے سے غضبناک ہو کر نکلے فرمایا کہ تم تقدیر کے بارے میں بحث مت کرو، تم سے پہلی اُمتیں اسی مسئلہ میں اُلجھ کر گمراہ ہو چکی ہیں، (۱) اصحاب صفہ کے لئے کھانے کی کوئی نامناسب چیز آ جاتی تو آپ بہت ناراض ہوتے، (۲) آپ ﷺ نے ان کی بہتر نگہداشت کے لئے معاذ بن جبلؓ کو بھی خصوصی طور پر متعین فرمایا تھا۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی واحد درسگاہ نہ تھی، اس کے علاوہ عہد نبوی میں نو مساجد تعمیر ہو چکی تھیں، (۳) ہر مسجد آس پاس کے رہنے والوں کے لئے درسگاہ تھی، خاص طور پر بچے پڑھا کرتے تھے، آپ ﷺ وقتاً فوقتاً مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں کی تعلیم کا معائنہ فرماتے، (۴) دُور دراز علاقوں سے آنے والے وفود کے ساتھ معلمین کو روانہ کرتے؛ (۵) تاکہ وہ ان علاقوں میں دینیات کی تعلیم کا نظم کریں، بعض قبائل کی درخواست پر آپ ﷺ نے نجد کے اطراف واکناف علاقے والوں کی تعلیم کے لئے ستر قراء معلمین کو روانہ کیا تھا، جن کو راستہ میں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔(۶)

مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو ناظر تعلیمات بنا کر یمن بھیجا، جہاں وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کا دورہ کرتے، (۷) تعلیم و تعلیم گاہوں کی نگرانی کرتے، اسی طرح آپ نے گورنروں کے فرائض منصبی میں زیر اثر علاقوں میں دینی تعلیم کا نظم ضروری قرار دیا، (۸) یمن کے گورنر عمرو ابن حزمؓ کے تقرر نامہ میں یہ لکھا تھا کہ لوگوں کو قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں، لوگوں کو نرمی کے ساتھ دینیات کی تعلیم سیکھنے کی ترغیب دیں اور اس میں یہ صراحت بھی تھی کہ وضو، جمعہ کا غسل، نماز، روزہ اور حج کے احکام سکھائیں۔(۹)

نصابِ تعلیم

اس اقامتی درسگاہ میں حفظ قرآن مجید، تفسیر، حدیث، فقہ، فن کتابت، قرأت کے رموز، میراث کے مسائل

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۱۳۳۔
(۲) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، جلد اول۔
(۳) عمدۃ القاری: ۲/۴۶۸۔
(۴) جامع بیان العلم وفضلہ: ۹۷۔
(۵) طبقات ابن سعد، باب الوفود۔
(۶) سیرت ابن ہشام: ۲/۱۶۹۔
(۷) تاریخ طبری: ۱/۱۸۵۲۔
(۸) اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین: ۱/۱۳۹۔
(۹) سیرت ابن ہشام: ۲/۵۰۰۔

وحسابات، علم ہیئت، علم انساب اور مبادی طب کی تعلیم دی جاتی تھی، نیز آپ ﷺ نے فنون سپہ گری کو خاص اہمیت دی تھی، بچوں کو نشانہ بازی، تیراندازی، پیرا کی اور بڑوں کو گھوڑ سواری اور دوڑ کے مقابلے اور جنگی مشقوں کی تعلیم دی جاتی تھی، (۱) ہر دینی فن میں مہارت کے لئے ایک فنی، ہمہ فنی ماہر معلمین موجود تھے، آپ ﷺ قرأت کے خواہش مند کو ابی ابن کعب، فرائض کے شائق کو زید ابن ثابتؓ کے پاس بھیجا کرتے تھے، (۲) دیگر معلمین میں حضرت ابوہریرہؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ بھی مسند تدریس پر فائز تھے۔

بچوں کی تعلیم

آپ ﷺ نے بیک وقت مردوں، خواتین اور بچوں میں تعلیم عام کرنے پر خصوصی توجہ فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''لا الہ الا اللہ'' سے بچوں کی تعلیم کی ابتداء کریں اور موت کے وقت اس کی تلقین کریں، (۳) آپ ﷺ نے فرمایا، ماں باپ پر بچہ کا حق یہ ہے کہ نام اچھا رکھے اور ادب سکھائے۔ (۴)

نیز فرمایا کہ جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم دیں، ترک صلاۃ پر دس سال کے بچوں کی سرزنش کریں اور ان کا بستر علاحدہ کردیں، (۵) بچوں کو صحابہ کی مجالس میں ان کو بیٹھنے کی اجازت بھی دی تھی، (عبداللہ بن عمرؓ کا کھجور والا واقعہ) (۶) اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ ایک ایک قیدی دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھائے، (۷) ان لڑکوں میں حضرت زید ابن ثابتؓ بھی تھے، جنھوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر لکھنا پڑھنا سیکھا۔

خواتین کی تعلیم

تعلیم سے محروم خواتین کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کی تین لڑکیاں یا بہنیں یا دو لڑکیاں یا بہنیں ہوں وہ ان کی پرورش کرے، ان کو ادب سکھائے اور ان کا نکاح کرادے تو اس کے لئے جنت ہے، (۸) آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے کسی پاس باندی ہو، وہ اسے اچھی تعلیم دے اور بہترین ادب سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے نکاح کر لے تو اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ (۹)

(۱) نگارشات: ۱۵۱، از: ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) بیہقی: ۱۱/۱۲۸۔
(۴) بیہقی: ۱۱/۷/۱۳۔
(۵) ابوداؤد: ۱/۱۴۔
(۶) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۔
(۷) طبقات ابن سعد: ۲/۱۴۔
(۸) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۱۵۔
(۹) مسند الحمیدی: ۲/۲۹۔

آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم کے لئے متعین فرمایا تھا، (۱) صحابہؓ عورتوں کو مسجد میں لے کر نہیں آتے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے منع مت کرو، (۲) خود آپ ﷺ نے شفاء بنت عبداللہ کو حضرت حفصہؓ کی تعلیم پر مامور فرما کر شادی کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم فرمایا، (۳) نیز آپ کے تعدد ازدواج کے مقاصد میں یہ بھی پیش نظر تھا کہ ان کے ذریعہ مختلف قبائل کی خواتین میں جلد تعلیم عام ہو، (اور ایسا ہی ہوا) نہ صرف آپ ﷺ نے خواتین کو تعلیم سے آراستہ کرنے کی ہدایت دی؛ بلکہ صحابہ سے فرمایا کہ تم دین کا آدھا حصہ عائشہؓ سے حاصل کرو۔ (۴)

چنانچہ کئی صحابہ، تابعین، تبع تابعین، حضرت عائشہؓ، دیگر ازواج مطہراتؓ اور دیگر صحابیاتؓ کے شاگرد رہے، مدینہ منورہ میں خواتین کے لئے حجرۂ عائشہ مستقل تعلیم گاہ تھی، دیگر ازواج مطہرات سے بھی خواتین مستفید ہوتی تھیں، علامہ ابن حجر نے ''الاصابۃ فی تمیز الصحابہ'' میں قرونِ اولیٰ کی (۱۵۴۷) خواتین کے حالات، علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں، علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ان کے حالات قلم بند کئے ہیں۔

فن کتابت

آغازِ اسلام میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابت وحی، صلح و جنگ کے معاہدوں، دعوت کے خطوط اور دیگر معاملات کی کتابت کے لئے تحریر ناگزیر تھی، اس کے لئے آپ ﷺ نے دینی تعلیم کے ساتھ اس کی جانب بھر پور توجہ فرمائی، وحی کے نازل ہوتے ہی آپ اسے قلم بند کرنے کا حکم دیتے، آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا بڑا لحاظ رہتا تھا، فرمایا کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈل کر خشک کرلو، نیز فرمایا کہ ''س'' کے شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو، (۵) حکم خداوندی: ''یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم الخ'' کا نزول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قلیل عرصہ میں (ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ہی) تقریباً مدینہ والے لکھنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو گئے تھے، صرف کاتبانِ وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی۔ (۶)

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۰۔
(۲) مسلم: ۳۲۷/۱۔
(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۸۸۷۔
(۴) النہایہ لابن الاثیر: ۴۳۸/۱، محدثین نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے، مگر یہ معناً درست ہے۔
(۵) خطبات بھاولپور: ۳۰۹۔
(۶) علوم القرآن: ۱۷۹۔

فن ترجمہ نویسی

ایک اسلامی مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو غیر زبانیں جانتے ہوں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان سیکھیں، انھوں نے سترہ دن میں سیکھ لیا، (۱) وہ کئی زبانیں جانتے تھے، (فارسی، حبشی، قبطی، رومی وغیرہ) یہودیوں کو اگر کوئی خط بھیجا جاتا، یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا تو زید اس کو پڑھ اور لکھ لیا کرتے تھے، (۲) عہد نبوی میں سیاسی دستاویزات کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ میں سے چند کو ایشیاء اور افریقہ کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا، زبانوں پر عبور کے بعد ان کو بحیثیت ترجمان مقرر کیا، ڈاکٹر حمید اللہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ چند نو مسلم ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے درخواست کی کہ ان کے لئے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کریں؛ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی اجازت سے سورۂ فاتحہ کا فارسی میں ترجمہ کر کے بھیجا تھا۔ (۳)

فن شاعری

حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے شعر وشاعری کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''قرآن کا اپنا خاص مقام ہے، مگر گاہے گاہے شعر سن لینے میں کوئی حرج نہیں''۔ (۴)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعض شعروں میں حکمت ہوتی ہے'' (۵) آپ ﷺ نے اُمیہ بن ابی الصلت، کعب بن زہیر اور نابغہ جعدی کے کلام کی توصیف فرمائی، (۶) حسان بن ثابتؓ کو دربار رسالت کے شاعر ہونے سعادت حاصل ہے، آپ نے انھیں خصوصی دُعاؤں سے نوازا تھا، (۷) آپ ﷺ کے صحابہ میں کئی شعراء گذرے ہیں، حضرت لبیدؓ، حضرت خنساءؓ کے کلام کی تعریف فرمائی، (۸) حضرت عبداللہ ابن رواحہ خندقؓ کی کھدوائی کے وقت مزدوروں کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے اور آپ ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے تھے۔ (۹)

فن خطابت

دینی تعلیم کو عام کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ خطابت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ وصف کامل بھی عطا

---

(۱) بخاری، کتاب الاحکام: ۱۳/ ۱۸۵۔ (۲) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ۵/ ۲۱۴۔
(۳) اسلام کا نظام حکومت۔ (۴) تاریخ ادب عربی۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۱۴۔ (۶) المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹/ ۱۷۷۔
(۷) بخاری، حدیث نمبر: ۴۵۳، مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۸۵۔ (۸) سیرۃ النبی ﷺ۔
(۹) طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۹۹۔

فرمایا تھا کہ آپ ﷺ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے: ''انا افصح العرب بعثت بجوامع الکلم ''(۱) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان من البیان لسحراً''(۲) بعض لوگوں کے بیان میں جادو ہوتا ہے، صحابہؓ کی مجلس ہو، مخالفین کا مجمع ہو، حج کا اجتماع ہو، یا عکاظ کا بازار ہو، آپ ﷺ جہاں بھی بولنے کھڑے ہوجاتے تو لوگ مسحور ہوجاتے، اسی وجہ سے ابوجہل نے آپ کو جادوگر مشہور کر رکھا تھا اور وہ یہ کوشش کرتا تھا کہ آپ کسی کے سامنے تقریر نہ کرنے پائیں۔

ایک مرتبہ بنوتمیم کے نمائندے اپنے خطیب وشاعر کے ساتھ آپ کو فخر ومباہات کی دعوت دی، نمائندوں کے خطیب عطارد نے تقریر کی، آپ ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کو حکم دیا کہ تقریر کا جواب دیں، انھوں نے جواباً بہت عمدہ تقریر کی، بنوتمیم کے نمائندوں نے کہا یہ (محمد) تو مؤید من اللہ معلوم ہوتا ہے، اس کے خطیب وشاعر ہمارے خطیب وشاعر سے زیادہ فصیح وبلیغ ہیں۔(۳)

تعمیر مساجد

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد قباء پھر چند ماہ بعد مسجد نبوی کی جگہ (جو دو یتیم بچوں کی تھی) اچھی قیمت سے خرید کر تعمیر فرمائی، (۴) آپ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف مدینہ میں نو مساجد تعمیر ہوچکی تھیں، جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، (۵) مدینہ کے باہر عرب کے گوشے گوشے میں مساجد بنتی گئیں، ان کے علاوہ مختلف قبائل کی مساجد کا ذکر بھی روایات میں آتا ہے۔

ائمہ ومؤذنین

آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہوجاتا، اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا، وہی امام مقرر کردیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے، بڑے، غلام، آقاء سب برابر تھے، ابومسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

> جماعت کی امامت وہ کرے، جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا ہو، اگر سب برابر ہوں تو جو سنت سب سے زیادہ جانتا ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر سب سے زیادہ ہو۔(۶)

---

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۱۷۵۴۔
(۲) بخاری، باب الخطبۃ، حدیث نمبر: ۵۱۴۶۔
(۳) زاد المعاد: ۳/ ۴۴۹۔
(۴) سیرت النبی ﷺ۔
(۵) عمدۃ القاری: ۲/ ۴۶۸۔
(۶) مسلم، حدیث نمبر: ۶۷۳۔

افتاء وقضاء

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں زیادہ تر آپ ہی مسائل شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی فرماتے اور فتویٰ دیا کرتے تھے،فتویٰ کے لئے آپ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا؛ بلکہ چلتے، پھرتے، اُٹھتے، بیٹھتے غرض جس وقت لوگ آپ ﷺ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے آپ ان کا جواب دیتے،(۱)ابن سعداور ابن جوزیؒ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علاوہ صحابہ میں تقریباً اٹھارہ صحابہ فتویٰ دیا کرتے تھے،خلفائے راشدین: عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی ابن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابوالدرداءؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سلمان فارسیؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، عمار بن یاسرؓ اور حضرت عائشہؓ۔(۲)

اسی طرح مدینہ اور اس کے حوالی ومضافات کے تمام مقدمات کا فیصلہ آپ ﷺ خود فرماتے تھے،اس کے لئے کسی قسم کی روک اور پابندی نہ تھی، امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب باندھا''آپ کے دروازے پر دربان نہ تھا'' اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ فیصلے فرمایا کرتے تھے،عورتوں کے معاملات عموماً اندرون گھر ہی پیش ہوتے تھے، احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی مقدمات اور کتاب القصاص والدیات میں فوجداری مقدمات مذکور ہیں،آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ، حضرت علیؓ کو قاضی بنا کر یمین بھیجا تھا۔(۳)

امیرالحجاج

فتح مکہ کے بعد مکہ کے گورنر عتاب بن اسیدؓ کی امارت میں حج ادا ہوا،اگرچہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ کو آنحضرت ﷺ نے امیرالحجاج بنایا تھا؟ البتہ دوسرے سال آپ ﷺ نے ابوبکرؓ کو امیرالحجاج بنا کر روانہ کیا تھا، عہد نبوی کا آخری حج آپ ﷺ کی امارت میں ادا کیا گیا۔(۴)

عصری علوم اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

عصری علوم مقصد تخلیق کی بحسن وخوبی انجام دہی میں معاون ثابت ہوتے ہیں، ان کو اختیار کئے بغیر کوئی اپنے مقصد تخلیق میں کامیاب نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے ضروریات زندگی کو ضرورت کے درجہ میں اختیار کرنے کی ترغیب دی،فرمایا:''کسب الحلال فریضة بعد الفریضة''حلال کمانا فرض ہے،فرض کے بعد؛(۵)البتہ

(۱) بخاری:۱/۲۸۔
(۲) طبقات ابن سعد:۲/۲۶۷۔
(۳) تاریخ طبری:۱/۱۸۵۲۔
(۴) بخاری،حدیث نمبر:۴۳۹۵،مسلم،حدیث نمبر:۱۲۱۱۔
(۵) سنن کبریٰ بیہقی،حدیث نمبر:۱۱۶۹۵۔

ضروریات زندگی کے حصول میں اس قدر آگے بڑھ جانا، جس سے مقصد تخلیق متاثر ہوجائے، اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ'' اے اللہ! عیش وآرام نہیں مگر آخرت کا عیش وآرام، (۱) آپ ﷺ کی تعلیمات میں دنیوی ترقیات، اقتصادیات، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے متعلق بھی رہنمائی ملتی ہے، ہر حقیقت پر مبنی علم، جو انسانیت کا تحفظ، مصالح عالم کی رعایت کرتا ہو، وہ آپ ﷺ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے حکمت کو مومن کا گم شدہ مال قرار دیا ہے۔(۲)

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں :

> آج جس تعلیم کو ہم عصری کہتے ہیں، وہ اسی حکمت کا مصداق ہے، قرآن وحدیث سے زیادہ کوئی علم عصری نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ انسان کے وضع کئے ہوئے اُصول چند سالوں کے بعد ساتھ چھوڑ دیتے ہیں؛ لیکن قرآنی اُصول اور آپ ﷺ کی تعلیم ہمیشہ زندہ پائندہ اور سدا بہار ہے؛ البتہ مذہبی تعلیم اور عصری تعلیم میں فرق کرنے کے لئے اس تعبیر کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

صنعت وحرفت

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے، (۴) خود آپ ﷺ بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے، نبوت سے پہلے تجارت کیا کرتے تھے اور بکریوں کا دُودھ دوہا کرتے تھے، خود ہی اپنے کپڑے سیتے تھے اور جوتیاں گانٹھ لیا کرتے تھے، کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور خندق کی کھدائی میں اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے، (۵) بے شک اللہ تعالیٰ پیشہ ور ہنرمندوں کو پسند فرماتا ہے، (۶) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم زمین کے پوشیدہ خزانوں میں رزق تلاش کرو۔(۷)

طبی تعلیم

آپ ﷺ نے حفظانِ صحت کے اُصول، علاج کروانے کی ترغیب اور بعض بیماریوں کا طریقہ علاج بھی بتایا ہے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک استسقاء کے مریض کے معالج کو حکم دیا کہ وہ

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۲۹۶۱۔
(۲) ترمذی، حدیث نمبر:۲۶۸۷۔
(۳) دینی وعصری درسگاہیں — تعلیمی مسائل۔
(۴) بخاری، حدیث نمبر:۲۰۷۲۔
(۵) سیرت ابن ہشام۔
(۶) المعجم الاوسط:۱/۲۷۵۔
(۷) مسند ابی یعلی:۷/۳۴۷۔

مریض کے پیٹ میں شگاف دے، اس پر صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول کیا طب میں بھی کوئی مفید چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس ذات نے بیماری اُتاری ہے اس نے جس جس چیز میں چاہا، شفا رکھی ہے'' (۱) آپ ﷺ نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے، سب رگیں اس میں ملتی ہیں، اگر معدہ درست، تو سب رگیں درست وہ خراب تو سب رگیں خراب، (۲) آپ ﷺ نے فرمایا: کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے، (۳) دو صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ کو خارش تھی، ان کو آپ ﷺ نے ریشمی کرتے پہننے کی تاکید فرمائی۔(۴)

آپ ﷺ کی انقلابی تعلیمات

رسول اللہ ﷺ ہی تمام انقلابات کے اصل بانی ہیں؛ لیکن صرف اس حد تک کہ ان انقلابات نے انسان کی حالت میں فی الواقع بہتری پیدا کی ہو۔

جدید جمہوریت

جمہوریت کی بنیاد مساوات، مذہبی رواداری اور ضمیر کی آزادی پر ہے، سب سے پہلے آپ ﷺ نے اس کی بنیاد رکھی؛ چنانچہ چوری کے جرم میں ایک معزز قبیلہ کی خاتون کی سفارش کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلی اُمت نچلے طبقہ کو سزا دیتی تھی اور اونچے طبقہ کو چھوڑ دیتی تھی، خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ سے یہ عمل سرزد ہوتا تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کرتا'' (۵) رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں، راہبوں اور کاہنوں سے معاہدہ کرکے مذہبی رواداری اور ضمیر کی آزادی کی مثال قائم کی۔(۶)

سماجی مساوات

سماجیات کے شعبہ میں دنیا کو اس بات پر فخر ہے کہ: اس نے عورت کو مساوی حقوق دیئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کا یہ ایک مسلسل عمل ہے، جس کی ابتداء رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے، فرمایا کہ: ''اے لوگو! تم پر عورتوں کے اور عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور فرمایا کہ میں تم کو عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں''۔(۷)

(۱) مسند احمد: ۱۲۷۸/۴۔ (۲) مجمع الزوائد: ۱۸۶/۵۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۱، مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۱۵۔ (۴) بخاری، باب الحریر فی الحرب: ۳۷/۶، مسلم، باب فی اللباس، حدیث نمبر: ۲۰۷۶۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۳۴۷۵، مسلم: ۱۶۸۸/۳۔
(۶) زادالمعاد: ۵۵۲/۳۔ (۷) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۱۶۳۔

معاشیات

معاشی شعبہ میں کمیونزم کا دعویٰ ہے کہ اس نے ہی غریبوں کی معاشی بحالی وترقی کا کام کیا ہے؛لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاشی مساوات کے جو اساسی اُصول قائم فرمائے ،کمیونزم نے اسی اُصول سے تقویت حاصل کی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:''جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دے دے،جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد خوراک ہو وہ اس کو دے دے،جس کے پاس خوراک نہ ہو'(صحابہ فرماتے ہیں)حتیٰ کہ ہم خیال کرنے لگے کہ ہم میں کسی کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے ،(۱) نیز فرمایا کہ: وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو؛مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔(۲)

سائنسی فروغ

آپ تاریخ کے ایسے دور میں مبعوث ہوئے ، جب کہ عیسائیت رہبانیت کی حوصلہ افزائی کررہی تھی اور نو افلاطونیت اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دے رہی تھی کہ اپنے ذہن اور عقل کو بند رکھیں اور عیش وتنعم کی تلاش میں مصروف رہیں ، اگر یہ دونوں رجحانات جاری رہتے تو تمام سائنس اور علم عنقا ہو جاتا ؛لیکن آپ ﷺ نے ان رجحانات کا رُخ پلٹ دیا اور حصول علم ،انسانی قوت مشاہدہ کو بروئے کار لانے پر زور دیتے ہوئے موجودہ تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھی،آپ ﷺ نے فرمایا:''الحكمة ضالة المؤمن''۔(۳)

● ● ●

(۱) صحیح مسلم، باب استحباب المواساۃ، حدیث نمبر:۱۷۲۸۔

(۲) الادب المفرد:۱/۶۰،شعب الایمان:۵/۶۰۷۔

(۳) ترمذی، حدیث نمبر:۲۶۸۷۔

چند تاثرات :
عالمی سطح پر اس کے خوشگوار اثرات محسوس کئے جائیں گے

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے زیر اہتمام وانتظام سیرت النبی ﷺ کے عنوان سے منعقدہ سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی سعادت ملی، پروگرام کی جملہ نشستوں کی خوبی وخوش اُسلوبی کو دیکھتے ہوئے بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انشاء اللہ صرف برصغیر ہی نہیں ؛ بلکہ عالمی سطح پر اس کے خوشگوار اثرات محسوس کئے جائیں گے اور بطور خاص ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ کانفرنس سنگ میل ثابت ہوگی ،ضرورت ہے کہ اس نوعیت کے پروگرام کو مزید آگے بڑھایا جائے اور ہر قیمت پر اس کے تسلسل کو باقی رکھا جائے۔

راقم سطور دُعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اس کانفرنس کے مجوز حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہم اور ان کے حوصلہ مند رفقائے کار کو مزید ہمت واستقامت نصیب فرمائے اور اس پروگرام کو اپنی خوشنودی ورضا کا ذریعہ بنا کر اس کا نفع عام وتام فرمائے ۔آمین

(مولانا) شاہ عالم گورکھپوری
(نائب ناظم: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند)

•••

پاکیزہ جذبہ،علمی سنجیدگی اور انتظامی مہارت

حیدرآباد کے علمی سیرت سیمینار سے لوٹا تو باہر چلا گیا، واپس آیا تو یہ عریضہ لکھنے بیٹھا، جس پاکیزہ جذبہ اور جس علمی سنجیدگی اور انتظامی مہارت کے ساتھ آپ نے سیرت سیمینار کا انعقاد کیا، وہ قابل تحسین ہی نہیں لائق تقلید بھی ہے، جب بھی حیدرآباد حاضر ہوتا ہوں، آنجناب سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، اُمت میں دینی غیرت اور اسلامی اُخوت پیدا کرنے کے لئے جو علمی کارواں آپ تیار کررہے ہیں، وہ عدیم المثال ہے، ملک کے ہر صوبہ میں آپ کی فکر کے علماء کھڑے ہوجائیں تو اُمتِ مسلمہ ہند اپنا وقار واپس لاسکتی ہے، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

(ڈاکٹر) سعود عالم قاسمی
(شعبۂ دینیات: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

بامقصد اور مفید سیمینار

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کا دعوت نامہ ملا کہ ۲۱ر فروری سے ۲۳ فروری ۲۰۱۶ء تک وہاں سیرت نبوی اور عہد حاضر کے عنوان سے ایک سیمینار ہونے والا ہے، کم دعوت نامے ایسے ملتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ان میں شامل ہونے کا احساس مسرت بخش ہوتا ہے، اس سے پہلے یاد ہے کہ المعہد کی جانب سے قرآن مجید پر سیمینار ہوا تھا، اس میں شرکت کی سعات کا لطف خوب یاد ہے، اصل یہ ہے کہ معہد کے سیمینار صرف نشستند، گفتند، برخواستند تک محدود نہیں ہوتے ؛ بلکہ ان سے واقعی شریک ہونے والے کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ملت کو درپیش نہایت اہم مسائل سے واقفیت ہوتی ہے، ساتھ ہی ان مسائل کے حل کی راہیں بھی سامنے آتی ہیں، یہی وہ احساس تھا جو اس سیمینار میں شرکت کے لئے شوق کا سبب بنا، یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ معہد کے بانی اور سرپرست اور دردمند کارگزار مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی ان بیدار مغز اور دُور اندیش علماء میں سے ہیں، جن کی نظر مسائل کی اصل تہہ تک پہنچتی ہے، میں نے معارف میں یہی بات لکھی ہے کہ مولانا مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے حالات اور ان کے تقاضوں کو دیکھنے، سمجھنے اور برتنے کی بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے، معہد کا قیام اسی صفت کا نتیجہ ہے، اب تک معہد نے جن موضوعات کو اپنی تحقیق وتدوین کا موضوع بنایا ہے، ان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معہد ''چیزے دیگری'' کی تعریف میں آتا ہے۔

یہ سیمینار بھی اسی قبیل سے تھا، سب جانتے ہیں کہ دورِ حاضر میں اسلام، اس کی تعلیمات، اس کی تاریخ اور اس کا پیغام، عالمی طور پر انسان دشمن طاقتوں کی زد اور نرغہ میں جس طرح ہے اور اس کی سنگینی جس قدر ت شدید ہے، اس کے لئے ملت کی فکرمندی کی بھی ضرورت اسی درجہ میں ہے، اسلام سے بغض وعناد رکھنے والوں کا سوچا سمجھا منصوبہ یہی ہے کہ اسلام کی بنیاد یعنی قرآن مجید اور سیرت نبوی کو نشانہ بنایا جائے، ظاہر ہے ایسوں کو ان ہی کی زبان میں، اُسلوب میں اور معیار میں جواب دینے کی ضرورت ہے، سیمینار کے مقالات اور تقریریں دیکھی جائیں تو وہ اس تیاری کا کامیاب نمونہ ٹھہرتی ہیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت، دفاع اور ابطال باطل اور احقاق حق کے لئے اپنے بندوں کو انتخاب کرتا ہے اور وہ واقعی اس انتخاب کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسلام کی تاریخ اس جدوجہد سے ہمیشہ متحرک اور توانا رہی ہے، مولانا رحمانی کے خطبہ میں یہ جملہ اسی حقیقت کا آئینہ بن گیا کہ ''اُمت یہ سمجھ کر سوتی ہے کہ ان کے مسائل کے لئے محمد (امام محمدؒ) جاگ رہا ہے، اگر محمد بھی سوجائے تو

ان کے مسائل کون حل کرے گا''— سیمینار کے متعلق عام تاثر یہی تھا کہ یہ بروقت اور نتیجہ خیز ہے، اس کامیابی کے لئے مولانا رحمانی، معہد اور اس کے تمام ذمہ دار پوری اُمت کی جانب سے شکریہ اور قدر کے لائق ہیں، معہد کی کارگزاری اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اس کا اندازہ اس کے جامع تعارف سے بھی ہوتا ہے؛ لیکن تعارف سے زیادہ اہمیت مشاہدہ کی ہے۔

سیمینار کی کامیابی میں وہاں کے اساتذہ وطلبہ اور جملہ عملہ نے جو تصویر پیش کی، اس میں سلیقہ، محنت، ضیافت کے آداب کی پاسداری کے رنگ اتنی خوبی سے بھرے گئے کہ دیکھنے والوں کی زبان پر کلمۂ آفریں ہی جاری رہا، مولانا رحمانی نے صرف تصنیف وتالیف کے سلیقہ ہی سے آشنا نہیں کیا؛ بلکہ پورے ادارہ کو فرائض کی انجام دہی کے وہ گُر بھی سکھادیئے، جس سے نفاست ولیاقت، سطوت وحشمت کا مظہر بن جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ایسے سعید وصالح رفقاء دیئے ہیں، جن پر کسی بھی ادارہ کے ذمہ دار کو ناز آسکتا ہے، ہم کو سب کے نام یاد نہیں، گو سب کی تصویریں آنکھوں سے اُتر کر دل میں بس چکی ہیں، مثال کے طور پر مولانا عبید اختر کی سنجیدہ لیکن ہر وقت تبسم ریز شخصیت، مولانا رفیق دیکھنے میں سادہ وآزاد؛ لیکن معلوم ہوا کہ انگریزی میں ترجمہ کرنے پر قادر، ایک نوجوان محمد احمد نامی جو شاید مہمانوں کے دل جیتنے کا کورس کر چکے ہیں، ایک معصوم صورت اور اسی درجہ معصوم صفت اور میرے ہم نام عمیر کو بھولا نہیں جاسکتا، یہ مولانا خواجہ نذیر الدین سبیلی کے صاحبزادے ہیں اور یقیناً ان کی نیک نامی کا سبب ہیں اور ان جیسے وہ تمام طلبہ جنھوں نے نے مہمانوں کے لئے اپنے معمولات کو تج کر اور خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کے لئے راحت کا سبب بنے اور نتیجہ میں مہمانوں کی دُعاؤں کے مستحق بھی ہوئے، ان سب کو دیکھ کر المعہد العالی کی زمین کے لئے نعرہ مستانہ نکلنا ہی چاہئے کہ :

''یہ بہت زرخیز ہے ساقی''

دُعا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معہد کی حفاظت فرمائے اور اس کے مقاصد میں برکت دے کر اس کی مقبولیت کا اظہار فرمادے۔

(مولانا) محمد عمیر الصدیق ندوی
(دار المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی)

• • •

وقت کی آواز

مؤرخہ: ۲۱؍فروری ۲۰۱۶ءکوسہ روزہ انٹرنیشنل سیرت پاک کانفرنس بمقام المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں شرکت کی سعادت ملی، اس کانفرنس میں میرا مقالہ بعنوان: ''بتوں کا انہدام اور مذہبی تقدسات کا احترام'' تھا اور مقالات خواندگی کی پہلی نشست بعد نماز مغرب تھی، اسی میں پڑھنے کا موقع دیا گیا الحمد اللہ پڑھا اور پھر سامعین کے تاثرات بھی اچھے رہے، سامعین نے غور سے سنا اور اچھے تاثرات لئے۔

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد جس کے ناظم و بانی مایہ ناز فقیہ وقت، مترجم ومفسر قرآن، نقیب زمانہ، مفکر اسلام، مشفق و مربی، استاذ گرامی قدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے گونا گوں خوبیوں اور مختلف نوع کی صلاحیتوں سے نوازا ہے، افراد سازی کا ایک خاص ملکہ عطا کیا ہے، خشک موضوع میں ادب کی چاشنی پیدا کرنا آپ ہی کا حصہ ہے، گویا اگر شاعر کی زبان میں کہا جائے تو آپ حضرت والا بجا طور پر اس مصرعہ کے مصداق ہیں: ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''۔

جب میں گلشن معہد میں قدم رکھتا ہوں تو اس کی پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے آئینہ کی طرح آجاتی ہے اور زبان بے ساختہ حقیقت کا اعتراف کرتی ہے اور گویا ہوتی ہے، معہد دورِ حاضر کی زبان میں موجودہ دور کا ایک علمی وتحقیقی اور اپنی نوعیت کا ایک منفرد ادارہ ہے، جس کی خونِ جگر سے سینچائی میں راقم الحروف کا بھی حصہ ہے۔

اب میں جب معہد میں قدم رکھتا ہوں تو معہد کی ظاہری و باطنی حسین امتزاجی ترقی کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے، ظاہری رونق آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے کہ جدھر جایئے اُدھر پھول پتیاں، سبق آموز جملے، قرآن واحادیث کے ٹکڑے اور اشعار کا حسن انتخاب، خاموش زباں سے اپنے زائرین کو کچھ پیام دے رہے ہیں، دوسری طرف مسجد معہد مسجد ہونے کے ساتھ ساتھ خانقاہ بھی بن چکی ہے، جہاں طلبہ کی روحانی تربیت اور تزکیہ نفس ہوتا ہے، اس طرح معہد میں طلبہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں سے بیک وقت آراستہ ہوتے ہیں، یقیناً یہ نظام تعلیم وتربیت قرن اول کی یاد کو تازہ کرتا ہے، جو بڑی ہی خوش آئند بات ہے اور ایک نیک فالی بھی ہے۔

معہد ہندوستان کا واحد ادارہ ہے، جہاں علم وتحقیق کا کارواں تیار ہوتا ہے، ہر سال اُمت کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کتابوں کی طباعت عمل میں آتی ہے، عصری حالات سے آگاہی کے ئے محاضرات کا نظم ہوتا ہے، برادرانِ وطن میں دعوتِ دین کا ذوق پیدا کرنے کے لئے طلبہ کو فیلڈ ورک کرایا جاتا ہے، اب تو ماشاء اللہ مذاہب کے مطالعہ کا کورس بھی شروع ہوگیا ہے، جس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔

جہاں تک سیرت پاک پر سیمینار کی بات ہے تو یقیناً یہ وقت کی آواز تھی ،جس کی صدا معہد نے لگائی ہے اور دوسروں کو دعوت و پیغام دیا ہے کہ وہ اس آواز میں شامل ہوجائیں اور اس آواز کو پورے عالم تک پہنچانے میں مصروف ہوجائیں، دورِ حاضر کے حالات کے تناظر میں سیرت پاک ﷺ کے وہ پہلو جواَب تک لوگوں کے نظروں سے اوجھل تھے، منظر عام پر آئے، خاص طور پر مقالات جوغیر مسلم بھائیوں کی غلط فہمیوں کے ازالہ پر مبنی تھے، وہ خوب سے خوب تر قابل استفادہ تھے اور ان مقالات نے لوگوں کو سوچنے کی نئی راہیں دکھائیں اور برادرانِ وطن میں دین کا کام کرنے کے لئے ایک رُخ دیا اور نئی جہتوں سے روشناس کرایا، یہی سیمینار کے انعقاد کا اساسی مقصد تھا، جس میں سیمینار بھرپور کامیاب رہا۔

(مولانا) محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی
(استاذ: جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالا)

•••

اس کی یادیں تادیر زندہ اور تازہ رہیں گی

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے زیر اہتمام ۲۱ تا ۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو منعقدہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار ظاہری اور معنوی صلاحیتوں سے یادگار رہا، اس تاریخ ساز اور عظیم الشان سہ روزہ اجتماع کی یادیں اہل علم کے ذہن ودماغ پر تادیر زندہ اور تازہ رہیں گی ،حیدرآباد فرخندہ بنیاد مذہبی، ملی اور سیاسی جلسوں کو منعقد کرنے میں سارے ملک میں اپنی ایک امتیازی خصوصیت رکھتا ہے، ہر سال یہاں کسی نہ کسی جماعت، تنظیم یا ادارے کی جانب سے کل ہند سطح کی اور بعض مرتبہ عالمی سطح کی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں، جس کا سلسلہ انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم، بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد نے اپنے علمی تبحر اور اخلاصِ نیت کے ذریعہ حیدرآباد میں ہونے والی علمی مجلسوں کو ایک نئی جہت عطا کی ہے، جس سے شہر کی شہرت کے ساتھ یہاں کے اہل علم کو بھی ممتاز مقام حاصل ہوا، ۲۰۱۱ء میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے معہد کے زیر اہتمام ۵ تا ۸ فروری بین الاقوامی قرآن مجید سیمینار منعقد کیا تھا، جو غیر معمولی طور پر کامیاب ہوا، جس میں قرآن مجید کے پیغام کو عالم انسانیت تک پہنچانے کی بھرپور سعی کی گئی ، ملک اور بیرون ملک سے علماء کرام اور دانشوروں کی شرکت رہی، اس کے دوررس اثرات نکلے۔

حالیہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار کا انعقاد مولانا محترم کا ایک قابل رشک اور قابل تقلید کارنامہ ہے، نہایت اہم، ضروری اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تھے، یہ دراصل ذمہ داران معہد کی زمانہ شناسی کی واضح دلیل ہے، موجودہ حالات میں جب کہ اسلام اور رسول اکرم ﷺ پر باطل طاقتیں یلغار کر رہی ہیں، ایسے وقت سیرت نبوی کے اہم موضوعات پر نہایت گہرائی کے ساتھ غور کرنے کا ایک موقع اس سیمینار کے ذریعہ عطا ہوا، یہ سیمینار موجودہ نازک حالات میں مسلمانوں کی صحیح انداز میں رہنمائی کے لئے ایک سنگ میل ثابت ہوا، دنیا کے سامنے تعلیماتِ نبوی کو پیش کرنے اور جو غلط فہمیاں اسلام دشمنوں کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہیں، ان کے ازالے کا ایک موقع اس سیمینار کے ذریعہ حاصل ہوا، سیرت النبی ﷺ، گذشتہ چودہ صدیوں سے یقیناً دنیا کا ایک اہم عنوان رہا ہے؛ لیکن عصر حاضر میں اس مفہوم کی افادیت اور معنویت اور بڑھ جاتی ہے، دنیا کے سامنے امن وآشتی اور احترام انسانیت پر مبنی اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کی ضرورت دورِ حاضر میں دورِ ماضی سے زیادہ بڑھ گئی ہے، اس پس منظر میں ''بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار کو منعقد کر کے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اور خاص طور پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ایک ''فرضِ کفایہ'' ادا کیا ہے، جس کی اس وقت شدید ضرورت تھی۔

کسی بھی سیمینار کی علمی حیثیت کا تعین اس سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات اور سوالات وجوابات سے ہوتا ہے، اس سیمینار میں چار نشستوں میں مقالات پڑھے گئے، پہلی نشست ''پیغمبر اسلام ﷺ اور اعدائے اسلام کی طرف سے پیدا کی جانے والی غلط فہمیاں'' کے مرکزی عنوان کے تحت رکھی گئی، جس کی صدارت حضرت مولانا عتیق احمد بستوی نے فرمائی، تقریباً دس مقالہ نگاروں نے مختلف موضوعات کے تحت اپنے مقالے پیش کئے، دوسری نشست سیمینار کے دوسرے دن صبح میں منعقد ہوئی، جس کا مرکزی موضوع ''پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر مذہبی کتابیں'' تھا، اس موضوع پر بھی مقالہ نگاروں نے بڑی عرق ریزی سے مقالے تیار کر کے پیش کئے، تیسری نشست اسی دن ''پیغمبر اسلام ﷺ اور غیر مسلموں کے اعترافات'' کے مرکزی عنوان کے تحت رکھی گئی، اس میں مغربی اور ہندوستانی دانشوروں کے ساتھ غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کے تذکرے کئے گئے، چوتھی نشست ایک اہم عنوان کے تحت رکھی گئی ''عصر حاضر کے مسائل اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' مرکزی عنوان تھا، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے وائس چانسلر پرویز اسلم نے صدارت فرمائی اور اہم عنوانات پر فاضل مقالہ نگاروں نے مقالے پڑھے، اس بین الاقوامی سیمینار کی خصوصیت یہ رہی کہ غیر مسلم برادرانِ وطن کے لئے بھی ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا، میری یادداشت میں یہ بہت ہی دُور اندیشانہ اور دُور رس اثرات مرتب کرنے والا اقدام تھا، یہ نشست ہر حیثیت سے کامیاب رہی اور اس کا بڑا اچھا تاثر بھی سامنے آیا، میڈیا نے بھی اس اجلاس کی اہمیت کو محسوس کیا، اور بڑی اہمیت سے اس کی

رپورٹنگ کی ،موقع کی مناسبت سے ذمہ داران سیمینار نے ایک جلسہ عام بھی منعقد کر کے اُمت مسلمہ کے عام افراد کو سیرت النبی ﷺ سے کماحقہ واقف کرانے کا فریضہ انجام دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام نصرت خداوندی کے بغیر نہیں ہوسکتا؛لیکن تائیدالٰہی خدا کے ان بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے جو اس راہ میں اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ آگے آتے ہیں ،تین دن تک المعہد العالی الاسلامی کی پُرفضا وادی ،علمی کہکشاں سے بھری ہوئی تھی ، ہر مکتب خیال ، ہر مسلک اور ہر جماعت کی قدآور علمی شخصیات کشاں کشاں وہاں پہنچ رہی تھیں ،اس میں جہاں منتظمین سیمینار کی کوششوں کا دخل ہے وہیں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی شخصیت کا کلیدی رول ہے ،اعتدال اور میانہ روی ، وسیع المشربی اور وسیع النظری کے ساتھ ہر مکتب فکر کے افراد کا احترام مولانا کا خاص وصف ہے،مولانا محترم کی ہی جداگانہ حیثیت ہر حلقہ میں انھیں قابل احترام شخصیت کا درجہ عطا کردیتی ہے،مولانا کی شخصیت کی کشش ہی تھی کہ ہر جماعت اور ہر مکتب فکر کی شخصیتوں نے اس سیمینار میں شرکت کو یقینی بنایا،جس سے اُمت کو اتحاد کا پیغام ملا۔

(ڈاکٹر) سید اسلام الدین مجاہد
(اسوسی ایٹ پروفیسر سیاسیات :افردو آرٹس ایوننگ کالج ،حیدرآباد)

• • •

سیرت سیمینار کے موقع سے طبع ہونے والی کتابیں اور رسائل

کتابیں :

(۱) مختصر سیرت نبوی ﷺ (صفحات:۳۰۸): مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۲) چند اہم علمی وفکری خطبات (صفحات:۳۵۶): مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۳) Prophet Mohammad ﷺ (صفحات:۱۵۰): مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسائل :

(۱) زریں فرمودات (صفحات:۲۸): مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۲) غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک (صفحات:۲۸): مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۳) پیغمبر اسلام ﷺ اور بچے (صفحات:۱۶): مولانا شاہد علی قاسمی

(۴) محسن انسانیت ﷺ اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک (صفحات:۲۰): مولانا محمد اعظم ندوی

(۵) بوڑھوں اور معذوروں کا احترام اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۲۰): مولانا منور سلطان ندوی

(۶) جانوروں پر رحم اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۱۶): ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

(۷) مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت (صفحات:۲۰): مولانا محمد عمر ناصحی ندوی

(۸) غریبوں کی حاجت روائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۱۶): مولانا سید عبد الرشید

(۹) مذہبی رواداری اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۲۴): مولانا محمد نافع عارفی

(۱۰) پیغمبر اسلام ﷺ اور معاشرہ کا کمزور طبقہ (صفحات:۱۶): مولانا اشرف علی قاسمی

(۱۱) خدمتِ خلق اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۲۰): مولانا محمد انصار اللہ قاسمی

(۱۲) تعلیماتِ نبوی ﷺ میں تواضع وانکساری (صفحات:۱۲): مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

(۱۳) پیغمبر اسلام ﷺ اور انسانی مساوات (صفحات:۱۶): مولانا محمد احسان الحق مظاہری

(۱۴) علم کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ (صفحات:۲۴): مولانا عبید اختر رحمانی

(۱۵) پیغمبر اسلام ﷺ اور رشتہ داروں و پڑوسیوں کے حقوق (صفحات:۱۶): مولانا شکیل احمد رحمانی

• • •